غالب سب اچھا کہیں جسے

پروفیسر کرار حسین

ادارہ یادگار غالب کراچی

۱۔ معاشرتی پس منظر

غالب کا معاشرتی ماحول موجودہ زمانہ سے بہت مختلف تھا ۔ نہ صرف اس معنی میں کہ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ تغیرات کا رونما ہونا لازمی ہے بلکہ اس لئے بھی کہ ہمارے اور اس دنیا کے بیچ میں ایک سیاسی ، معاشی ، فکری انقلاب کی خلیج حائل ہے ۔ تاریخی تخئیل کے ذریعہ اس معاشرہ کے کچھ خد و خال اجاگر کرنے کے لئے ہمیں چند باتیں اپنے ذہن میں رکھنی چاہئیں ۔

(۱) بر صغیر ہند پاکستان میں جو مسلمان آئے وہ مختلف نسلوں سے تعلق رکھتے تھے ۔ عرب ۔ ترک ۔ ایرانی ۔ پٹھان ۔ خاص طور پر ترک اور ایرانی ۔ ترکی اور ایرانی عناصر ان کی ثقافت کے غالب عنصر تھے ۔ تاجروں کے علاوہ جو زیادہ تر عرب تھے ۔ یہ لوگ حکمران ، سپاہی ، علماء اور صوفیا تھے ۔ لیکن جس حیثیت سے بھی آئے وہ اس بر صغیر میں رہنے سہنے اور بسنے کے لئے آئے ۔ دو تین نسلیں گذرنے کے بعد اپنے آبائی وطن سے ان کے روابط کمزور پڑ جاتے تھے اور وہ یہیں کے ہو جاتے تھے ۔ ایک کثیر تعداد مقامی آبادی کی دین اسلام قبول کرکے اور ذات پات کے سماجی نظام سے علیحدہ ہوکر اس ملت میں شامل ہوتی گئی ۔ بر صغیر ہند پاکستان ایک وسیع خطۂ ارض ہے جہاں کی آبادی مختلف نسلوں سے تعلق رکھنے والی، مختلف زبانیں بولنے

والی ، متفرق طور پر اپنے اپنے علاقائی تہذیبوں کے ماحول میں رہتی ہے ۔ اس میں وحدت اور یگانگت کی کمی ہے ۔ مسلمان رفتہ رفتہ ہر علاقہ میں پہنچ گئے ۔

(۲) ہند مسلم معاشرہ میں بادشاہوں اور اولیاء اللہ کو ایک مرکزی مقام حاصل رہا ۔ گویا اس معاشرہ کے دو قطب دربار اور خانقاہ ہیں ۔ یہ ایک دوسرے کے مقابل بھی ہیں اور ایک دوسرے کی تکمیل بھی کرتے ہیں ۔ اسی تناؤ میں مسلم معاشرہ کی زندگی ہے ۔ ہمارے ادب کا بہترین حصہ درباری اور خانقاہی اثرات کی پیداوار ہے ۔ دربار محض ایک سیاسی مرکز ہی نہیں تھا بلکہ ایک ثقافتی مرکز بھی تھا اور ہر صوبے میں چھوٹے پیمانہ پر دربار کا ایک نمونہ قایم تھا ۔ متوازی سطح پر علماء اور اولیاء اللہ ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیلے ہوئے تھے ۔ زندگی کے عام لین دین کے علاوہ یہ دو ذرائع تھے جن سے ایک طرف مسلم معاشرے میں ثقافتی مرکزیت اور یگانگت تعمیر ہو رہی تھی اور دوسری طرف یہ ثقافت غیر مسلم تہذیب سے نزدیک آکر اس پر اثر انداز ہو رہی تھی ۔

(۳) دربار اور خانقاہ کے درمیان مسلم معاشرہ خواص اور عوام میں منقسم تھا ، طبقۂ خواص میں امراء اور شرفاء تھے ۔ مقامی سردار بھی اسی طبقہ میں شامل تھے ۔ یہ طبقہ ذات پات کی حد بندی میں مقید نہیں تھا ۔ عوام کسی نہ کسی حیثیت سے اسی طبقہ سے وابستہ تھے ۔ اس طبقہ کا خاص کلچر تھا ۔ یہ اہل قلم بھی تھے اہل سیف بھی ، دنیا دار بھی تھے دینی شغف بھی

رکھتے تھے ، رزم کے دھنی اور بزم کی رونق تھے ، خود نہایت شستہ ادبی اور جمالیاتی ذوق کے مالک اور علم دوست فن پرور تھے ۔ یہ معاشرہ کی فعال اقلیت تھے ۔ عہد مغلیہ کی تاریخ اسی طبقہ کی تاریخ ہے ۔ ثقافتی اثرات ان سے شروع ہو کر عوام کے ہر درجہ میں جذب اور پیوستہ ہوتے تھے ۔

(۲) اس معاشرے کی تہذیبی زبان فارسی تھی جس کو ہر علاقے کے پڑھے لکھے مسلمان بلکہ مسلم تہذیب سے متاثر غیر مسلم بھی جانتے تھے ۔ مدرسوں کا نظام تعلیم بھی قریب قریب ایک ہی جیسا تھا ۔ بر صغیر کا کوئی علاقہ ایسا نہیں تھا جہاں فارسی میں ادبی تخلیقات موجود نہ ہوں ۔ متفرق علاقائی ادب اور ثقافتوں میں فارسی زبان کی تعلیم و تعلم اور ادب و تخلیق کی روایت شیرازہ بندی کا کام کرتی تھی ۔

اٹھارھویں اور انیسویں صدی میں مسلم معاشرے کو چند زبردست تاریخی تقاضوں کا مقابلہ کرنا پڑا ۔ بادشاہوں کی نااہلی اور عیش پرستی اور طبقۂ خواص کی خود غرضانہ خانہ جنگیوں اور مہم جوئیوں سے معاشرہ کا سیاسی مرکز کمزور پڑ گیا ۔ ہندوستان کی غیر مسلم طاقتیں ابھر رہی تھیں اور مرہٹہ ، سکھ ، جاٹ وغیرہ خود مختار حکومتیں قایم کر رہے تھے ۔ یہ تو خیر بر صغیر کا داخلی مسئلہ تھا ۔ جو اس طرح حل ہو رہا تھا کہ مسلمان بھی مختلف صوبوں اور علاقوں مثلاً اودھ ، روھیلکھنڈ ، بنگالہ ، حیدرآباد ، میسور ، سندھ میں اپنی خود مختار یا قریب قریب خود مختار حکومتیں قایم کر رہے تھے ۔ لیکن ایک زبردست

چیلنج یہ تھا کہ یورپی طاقتیں، خاص طور پر انگریز ، تجارتی سرگرمیوں سے گذر کر ملک میں سیاسی اقتدار اور ملکی تسلط قایم کرنے میں مصروف کار تھیں ۔ اس چیلنج کا پرانے معاشرے کے پاس کوئی جواب نہیں تھا کیونکہ یہ ایک ایسی دنیا سے ٹکراؤ تھا جس کو یہاں کے لوگ پوری طرح سمجھ بھی نہیں سکتے تھے اور جو زیادہ منظم ، مستعد ، جارحانہ عزائم رکھنے والی اور موثر سائنسی ٹکنیک سے مسلح تھی ۔ لیکن یہ سمجھنا کہ یہ زمانہ مسلمانوں کے ہمہ جہتی تنزل اور زوال کا زمانہ تھا زیادہ صحیح نہ ہوگا ۔ اول تو یہ کہ مسلمانوں کی ان حالات کے خلاف شعوری یا نیم شعوری جدوجہد برابر جاری رہی ، پھر ان نئی قایم شدہ حکومتوں نے ملک میں نئے ادبی اور ثقافتی مراکز قایم کر دئے جن میں لکھنؤ اور حیدرآباد خاص طور سے قابل ذکر ہیں ۔ اور اسی زمانہ میں دو ایسی تحریکیں شروع ہوئیں جن کو ہم بجا طور پر نئی زندگی کی علامت قرار دے سکتے ہیں ۔

پہلی تحریک تو دینی تحریک تھی ۔ دینی فکر اور درس و تدریس کا جتنا کام دلی اور لکھنؤ میں اس زمانہ میں ہوا اتنا پہلے کبھی نہ ہوا تھا ۔ اس سلسلہ میں خاص طور پر شاہ ولی‌اللہ کی تحریک قابل ذکر ہے ۔ مرکز کے کمزور ہونے کے بعد نئے پیدا شدہ حالات میں دین کے قایم اصول سے ہدایت اور رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کرنا اور اصلاح کا رخ دربار کی طرف سے موڑ کر ملت کی طرف کرنا اپنے زمانہ کے بہت صحیح اور گہرے شعور پر دلالت کرتا ہے ۔

دوسری تحریک اردو زبان کا فروغ ھے ۔ کسی نئی زبان کا پیدا ھونا اور پھیلنا کسی بڑے سے بڑے سیاسی واقعہ سے زیادہ با معنی تاریخی حقیقت ھے ۔ اردو زبان و ادب کا ظہور ھند مسلم معاشرے میں خودی کی پختگی اور بیداری کی علامت ھے ۔ ایک نئی خود اعتمادی کے ساتھ پیدا شدہ صلاحیتوں کا ذریعۂ اظہار ھے ۔ معاشرہ کے دونوں اھم مراکز یعنی ایک طرف بادشاھوں کے دربار اور دوسری طرف صوفیا اور علماء کی سرپرستی اسے حاصل رھی اسکی تقدیر یہ تھی کہ یہ غیر مسلم برادران وطن سے افہام و تفہیم اور اتحاد کا واسطہ بنے اور فارسی سے اپنا تعلق منقطع کئے بغیر مختلف علاقائی ثقافتوں میں شیرازہ بندی کا وہ مقام حاصل کرے جو کسی زمانہ میں فارسی کو حاصل تھا ۔

جس زمانہ میں دو ایسی بڑھنے والی ، پھیلنے والی، پھولنے پھلنے والی تحریکیں پیدا ھوں اس کو بلا قید زوال کا زمانہ سمجھنا کم فہمی ھے ۔

چونکہ اردو زبان اور ادب کے فروغ کا زمانہ وہ تھا جس میں ھند مسلم معاشرہ تہذیب کی بہت سی ارتقائی منازل سے گذر چکا تھا اور علم و ادب کے چند مخصوص شعبوں میں کافی ترقی کر چکا تھا اسلئے اردو زبان میں بہت جلد پختگی آ گئی ۔ ایسا معلوم ھوتا ھے کہ روز اول ھی سے اس زبان میں ایک طرف علم کلام کی منطقی موشگافیوں اور دوسری طرف شاعرانہ احساس کی نزاکتوں اور لطافتوں کے اظہار کی صلاحیت موجود ھے ۔ کسی معاشرے کا ثقافتی مزاج سمجھنے کے لئے اس معاشرہ کی عوامی ادبی اور فنی تفریحات

بہت ممد و معاون ہوتی ہیں۔ اس معاشرہ کا مخصوص ادارہ مشاعرہ ہے جس کے اپنے رسوم و آداب ہیں۔ جس میں ایک طرف بادشاہ اور صوفیا شریک ہوتے ہیں تو دوسری طرف عوام، جس کی حیثیت اس معاشرہ میں اتنی ہی مرکزی ہے جیسی الزبتھ کے زمانہ میں لندن کے تھیٹر کی۔ شاعر ہر ملک اور ہر زمانہ میں ہوتے ہیں لیکن شاید اور کسی تہذیب نے ایسا ادارہ پیدا نہیں کیا۔

۲۔ اکبر آباد (آگرہ)

نسلاً غالب ترک تھے۔ اُن کے دادا قوقان بیگ اٹھارویں صدی کے وسط میں سمرقند سے برصغیر میں آئے۔ ہند مسلم معاشرہ میں اتنی کشش اور کشادگی تھی کہ ایرانی یا تورانی نسل کا جو جو اعلیٰ خاندان فرد، سپہگری یا شاعری یا علم یا کسی اور فن میں ماہر، یہاں آتا تھا وہ بلا کسی رکاوٹ کے اس معاشرہ میں اپنا مقام پا لیتا تھا۔ غالب کے دادا کی زبان ترکی تھی۔ وہ اردو اور فارسی جانتے بھی نہ تھے اور غالب جو اُن کے آنے کے چالیس پچاس سال بعد یہاں پیدا ہوئے یہاں کی فارسی اور اردو ادب کی تاریخ اور ہند مسلم ثقافت کا جزو لاینفک بن گئے۔

سیاسی انتشار اور طوائف‌الملوکی کے اس دور میں جب برصغیر میں بہت سی ریاستیں مسلمان، مرہٹوں اور انگریزوں کی ہوگئیں اور ہر ریاست کی اپنی اپنی فوج ہوگئی تو سپہگری بھی ایک

پیشہ بن گئی اور اس فن کے ماہر بلا کسی قومی عصبیت یا جذبۂ وفاداری کے مختلف سرکاروں میں قسمت آزمائی اور مہم جوئی کرنے لگے ۔ مرکز کے کمزور پڑتے ہی شرفا میں شرافت اور وفاداری کا معیار ذاتی رہگیا ۔ غالب کے دادا سمرقند سے آکر لاہور میں نواب معین‌الملک کی سرکار میں ملازم ہوئے ۔ ان کے انتقال کے بعد شاہ دہلی کے ملازم ہوگئے اور اس زمانہ کے دستور کے مطابق ان کے اور اپنے رسالہ کے اخراجات کے لئے انہیں ایک پرگنہ تفویض کردیا گیا ۔ غالب کے والد عبداللہ بیگ اودھ میں آصف الدولہ کی سرکار میں ، پھر حیدرآباد میں نظام علی خان کی سرکار میں کچھ دن ملازم رہے ۔ آگرہ میں خواجہ غلام حسین کمیدان کی لڑکی سے شادی ہوئی ، خواجہ غلام حسین کمیدان عمائدین شہر میں سے تھے اور شاید غالب کے والد خانہ داماد کے طور پر وہیں رہنے لگے : آخر میں وہ ملازمت کے لئے الور گئے اور وہیں کسی لڑائی میں مارے گئے ۔ غالب کے چچا نصراللہ بیگ زیادہ با حیثیت تھے : مرہٹوں کی طرف سے آگرہ کے صوبیدار رہے اور پھر جب انگریزوں نے آگرہ فتح کرلیا تو انگریزوں کے فوج میں رسالدار ہوگئے اور ذات اور رسالے کے اخراجات کے لئے دو پرگنے نواحی آگرہ میں تا حین‌حیات مقرر کردئے گئے ۔ ان کا کسی حادثہ میں انتقال ہوگیا ۔

غالب ۲۷ دسمبر ۱۷۹۷ء کو آگرہ میں اپنے نانا کے گھر پیدا ہوئے اسداللہ خان نام تھا ، مرزا نوشہ عرف ، ابتدا میں اسد تخلص کرتے تھے ، بعد میں غالب اور کہیں کہیں اسد ۔ وہ پانچ برس کے تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہوگیا ، نو برس کے تھے کہ

چچا بھی جو باپ کے مرنے کے بعد ان کے کفیل تھے مرگئے۔ ان کا تمام بچپن اپنے نانا کے گھر بہت عیش و تنعم بلکہ آزادہ روی میں گذرا۔ کھیل کود، پتنگ بازی، شطرنج، و ضیع و شریف ہم عمروں سے صحبتیں، پھر شعر و شاھد و شمع و مے و قمار، غرض تمام ان امیرزادوں کے مشاغل تھے جن کا روک ٹوک کرنے والا کوئی نہ ہو۔ لیکن امیرزادوں کے یہاں گھر پر تعلیم کی بھی ایک رسم چلی آ رہی تھی۔ بعض روایتوں کے مطابق انہوں نے آگرہ کے دو استادوں شیخ محمد معظم اور مشہور شاعر میاں نظیر اکبرآبادی سے تعلیم پائی۔ اس سلسلہ میں غالب ایک پارسی نژاد ایرانی کا ذکر بھی کرتے ھیں جس کا آتش پرستی کے زمانہ میں ھرمزد نام تھا اور مسلمان ھوکر عبدالصمد ھوا۔ یہ شخص بطریق سیاحت ۱۸۱۰ کے قریب آگرہ میں وارد ھوا اور دو سال سے زیادہ عرصہ تک غالب کو اسکی صحبت حاصل رھی۔ بقول غالب "مومن موحد و صوفی صافی تھا۔ استاد بے مبالغہ جا ماسپ عہد و بزر جمہر عہد تھا" جیسا کہ غالب کے کلام سے ثابت ھوتا ھے غالب اس زمانہ کے مروجہ علوم منقولہ، منطق، فلسفہ، ھیئت سے بخوبی واقف تھے۔ اور چونکہ "فارسی زبان سے لگاؤ اور شعر و سخن کا ذوق فطری و طبعی تھا" اسلئے فارسی زبان کی تاریخ و مزاج و رموز آئین سے غیر معمولی حد تک آشنا اور کچھ ادوار کی فارسی شاعری کی روح کے شناسا تھے۔ اردو زبان و ادب کا علم درسیات کا نہیں بلکہ ماحول کا ایک حصہ تھا۔

غالب کی شادی تیرہ برس کی عمر میں دلی کے ایک بہت ممتاز خاندان میں فخرالدولہ نواب احمد بخش والی فیروز پور جھرکہ

و رئیس لوہارو کے چھوٹے بھائی نواب الہی بخش خان معروف کی صاحبزادی امراؤ بیگم سے ہوئی۔ یہ خاندان بھی غالب کے خاندان کی طرح اور قریب قریب اسی زمانہ میں سمرقند سے آیا تھا۔ انگریز جنرل لارڈ لیک کی معیت میں جس نے دلی اور آگرے سے مرہٹوں کے اقتدار اور تسلط کو ختم کیا، نواب احمد بخش نے بڑی شاندار خدمات سرانجام دیں، اور اسکے صلہ میں علاقۂ میوات میں فیروز پور جھرکہ کی ریاست حاصل کی۔ اور لوہارو کو بعد میں ریاست میں شامل کیا۔ شادی سے پہلے بھی غالب کے خاندان کے خاندان لوہارو سے قرابت کے تعلقات قائم ہوچکے تھے۔ ان کے چچا نصراللہ بیگ کی شادی نواب احمد بخش اور نواب الہی بخش کی بہن سے ہوئی تھی اور ان کے مرنے کے بعد ان کے ورثا کی غور و پرداخت بھی (جن میں غالب بھی شامل تھے) سرکار انگلشیہ نے نواب احمد بخش ہی کے سپرد کر دی تھی۔

شادی کے دو تین برس بعد دلی میں اقامت اختیار کی۔ کچھ سالوں تک تو آگرہ آنا جانا رہا۔ ان کی ماں جو آگرہ ہی میں تھیں ان کی مالی امداد بھی کرتی رہیں، لیکن آگرہ سے تعلق رفتہ رفتہ کم ہوتا گیا اور ۱۸۱۷ کے قریب ان کی مستقل سکونت دلی کی ہو گئی۔

آگرہ جو کسی زمانہ میں شاہان مغلیہ کا دار الخلافت رہ چکا تھا اب اپنی مرکزیت اور عظمت کھو چکا تھا۔ وہ معاشرہ جس کو مغلیہ دربار نے فروغ دیا تھا موجود تھا اسکی چہل پہل اور رونق ختم ہوچکی تھی۔ غالب نے اس کو "آبادچۂ ویران

اور ویرانۂ آباد'' کہا ہے۔ جس نسل سے غالب تعلق رکھتے تھے اس کی خصوصیات میں عیش کوشی، مہم جوئی اور طلب شہرت شامل تھیں۔ نام و نمود اور حصول شہرت کے لئے آگرہ بہت تنگ تھا۔ دلی کو پھر ایک مرکزیت حاصل تھی۔ اس کے نام میں ایک کشش تھی۔ پھر باوجودیکہ غالب کا تعلق آگرے میں ایک خوشحال گھرانے سے تھا اور ان کے نانا کا شمار عمائدین شہر میں ہوتا تھا لیکن اس گھرانے میں غالب ورثا میں سے نہیں بلکہ متوسلین میں سے تھے۔ شاید اس گھرانے کی خوشحالی میں بھی فرق آنا شروع ہو گیا تھا اور انکے نانا کی املاک فروخت ہونے لگیں تھیں۔ خاندان لوھارو میں شادی ہونے کے بعد دلی سے ان کا تعلق زیادہ استوار ہوگیا۔ کچھ اسی قسم کے محرکات نے انھیں آگرہ چھوڑ کر دلی میں مستقل توطن اختیار کرنے پر آمادہ کیا۔

شاعری کا شوق آگرہ ھی میں شروع ھو چکا تھا۔ انھوں نے آٹھ نو برس کی عمر میں اردو میں اور گیارہ بارہ برس کی عمر میں فارسی میں شعر کہنے شروع کردئے تھے۔ آگرہ کے قیام کے دوران ھی وہ ادبی حلقوں میں بحیثیت شاعر کے روشناس ھو چکے تھے اور اس زمانہ میں تذکروں میں ان کا نام آنا شروع ھوگیا تھا۔ غالب کو شاید عمر بھر اس کا احساس رہا کہ گو ان کے تعلقات ، مراسم دوستی اور قرابت داری اھل جاہ و ثروت سے رہی لیکن خود ان کی حیثیت اس اعتبار سے ھمیشہ دبی رہی۔ اسی وجہ سے وہ اپنے خطابات اور خلعتوں کو اور اپنی پنشن کو اپنے عرف ، مرزا نوشہ ، سے بھی عزیز رکھتے تھے۔ اور شعر و

سخن سے زیادہ اپنی نوابی حیثیت کو اپنی شخصیت کا ایک حصہ بنانے پر مصر تھے ۔ انہوں نے ایک فارسی خط میں اپنی تمناؤں اور آرزوؤں کا اسی طرح اظہار کیا ہے ۔

' آہ از من کہ مرا زبان زدہ و سوختہ خرمن آفریدند، نہ بآئین نیاگان خویش سلطان سنجر دارائے کلاہ و کمرے، و نہ بفرہنگ فرزانگان پیش بو علی آسا علم و ہنرے، گفتم درویش باشم و آزادانہ رہ سپرم ۔ ذوق سخن کہ ازلی آوردہ بودم راہزنی کرد و راہ بدان فریفتہ کہ آئینہ زدودن و صورت معنی نمودن نیزکار نمایان است۔ سر لشکری و دانشوری خود نیست، صوفی گری بگذار، و سخن گستری روئے آر ۔ ناگزیر ھمچنین کردم و سفینہ در بحر شعر ... روان کردم ۔ قلم علم شد و تیر ھائے شکستۂ نیاگان قلم '۔

ھمارے معاشرے میں شعرگوئی کی روایت کا ایک دستور تھا جو مشاعرہ کی طرح اسی معاشرہ سے مخصوص معلوم ھوتا ھے وہ دستور تھا استادی شاگردی کا ۔ شعر و سخن میں استادی شاگردی کا رشتہ ایسا تھا جیسا کہ ایک طرف کسی پیشے یا فن یا صنعت میں استاد اور شاگرد کا رشتہ ھوتا تھا اور دوسری طرف روحانی سلسلوں میں مرشد اور مرید کا تعلق ۔ شعر گوئی ایک صنعت بھی تھی اور نسبت بھی، بلکہ صنعت اور نسبت کی یہ تفریق بھی ھمارے ذھنوں کی پیدا کردہ ھے ۔ شعر گوئی ایسی تھی جیسے ایک سلسلے میں داخل ھونا ۔ اس دستور کے برخلاف غالب کا شعر و سخن کی اقلیم میں داخل ھونا ایسا تھا جیسے کوئی مہم جو طبل و علم اور تیر و شمشیر لے کر کسی ملک میں

وارد ہو اور اس کو تسخیر کرے۔ حصول کمال و شہرت کی اور راہیں مثلاً سر لشکری ، یا دانشوری ، یا صوفی گری مسدود یا افتاد طبیعت کے خلاف تھیں تو اس ذوق سخن کے زور پر جو قسام ازل نے ان کو ودیعت کیا تھا سخن گستری کے میدان میں تو کار نمایاں انجام دئے جاسکتے تھے ۔ یہ بات بھی ایک معنی رکھتی ہے کہ اس زمانہ کے دستور کے خلاف غالب کا شعر و سخن میں کوئی استاد نہیں تھا ۔

غالب نے محولہ بالا خط میں شعر گوئی کے لئے ایک بہت بلیغ فقرہ ــآئینہ زدودن و صورت معنی نمودنــ استعمال کیا ہے ۔ ــ آئینہ زدودن ــ اظہار و ابلاغ کا فن ہے اور ــ صورت معنی نمودن ــ میں اس ۔ معنی ۔ کی طرف اشارہ ہے جس کا اظہار شعر میں ہوتا ہے، روایتی شعرا کے نزدیک معنی کا مطلب وہ حقیقت بسیط ہے جو حسیات سے ماورا ہے اور اپنی جگہ قایم ہے، ان کے نزدیک ۔ معنی آفرینی ۔ کوئی معنی نہیں رکھتی ، گو حقیقت کے ادراک میں نامتناہی گہرائی ممکن ہے ۔ غالب کے نزدیک ۔ معنی ۔ کا مطلب زیادہ تر حیاتی اور نفسیاتی نادر صداقتوں کی دریافت یا تشبیہ اور استعاروں کے ذریعے نئے مضامین کی تلاش ہے ۔ ۔ آئینہ زدودن ۔ کا مفہوم بھی روزمرہ اور محاورے کے ذریعہ زبان پر صیقل کرکے اس میں زیادہ جلوہ سامانیوں کی صلاحیت پیدا کرنا نہیں ہے بلکہ نئی نئی تراکیب کی ایجاد و اختراع ہے جس کے ذریعہ انوکھے مضامین کو شکار کیا جاسکے۔ شاید انفرادیت کے ان ہی ابھرتے ہوئے تقاضوں نے انہیں

اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اردو زبان میں فارسی شاعر مرزا بیدل کی پیروی کریں۔ بیدل کا اپنی نادر اور غریب ترکیبوں اور مشکل پسندی کی وجہ سے فارسی شعرا میں ایک منفرد مقام تھا۔ غالب کے ابتدائی کلام میں بھی طرز غالب ہے۔ لیکن یہ طرز زیادہ نہ چل سکی، نہ اس وجہ سے کہ اردو زبان طرز بیدل کی متحمل نہ ہو سکی بلکہ اس لئے کہ غالب اور بیدل کی شاعری کے محرکات کا پس منظر ہی مختلف تھا۔ بیدل کی بہار ایجادی عالم بے رنگ کی رنگینی ہے اور سرو و سمن سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ اس چمن سے تعلق رکھتی ہے جس میں دل کے دروازہ کو کھول کر داخل ہوتے ہیں، اور غالب نیرنگ صورت اور نیرنگ تمنا کے تماشائی تھے۔ البتہ ابتدائی دور میں غالب کے لئے بیدل کی پیروی ایک مفید مشق ثابت ہوئی۔

۴. دھلی مرحوم

دلی ایک شہر کا نام ہے لیکن — دھلی مرحوم — ایک تہذیب کو کہتے ہیں۔ جس کا مرکز دلی تھا۔ جو دور دور سے جوہر قابل کو اپنی طرف کھینچتی تھی، جس کا اثر دور دور تک پھیلا ہوا تھا اور جس کی قلموں نے پورب، پچھم اور دکن کی سر زمینوں میں لگ کر ایک نئی بہار پیدا کی۔ دلی بار بار اجڑی۔ لیکن اس کا اجڑنا اتنا حیرت انگیز نہیں ہے جتنا سرعت کے ساتھ اسکا دوبارہ آباد ہونا۔ سلطنت مغلیہ کے زوال کے زمانہ

میں یہ سدا سہاگ بستی بار بار اجڑی اور بسی ۔ میر اور سودا کے زمانہ میں مرہٹہ گردی اور عام فساد اور بدامنی نے اسکو جسد بے جان بنادیا ۔ میر کے لئے دلی کے کوچے اوراق مصور تھے جہاں ہر چیز تصویر تھی ۔ یہ عالم میں یادگار شہر تھا جہاں روزگار کے منتخب ھی رھتے تھے ۔ سودا اس اجڑے ہوئے نگر کو کسی عاشق کا دل سمجھتے تھے ۔ بحر جہان میں ایک عجب طرح کا سا حل تھا ۔ جسکی خاک سے خلق موتی رول لیتی تھی۔ میر اور سودا بھی اس دلی کو چھوڑنے پر مجبور ھوگئے ۔

مرھٹوں کے بعد اس شہر پر انگریزوں کا تسلط ھوا ۔ اور یہاں امن امان و قایم ھو گیا ، بہت سے شرفا سرکار انگلشیہ میں ملازم ھوگئے ۔ انگریز بھی اس زمانہ میں یہاں کے معاشرہ سے اتنے الگ تھلگ نہیں رھتے تھے جتنے غدر کے بعد رھنے لگے۔ شہر کے اکثر امرا و عمائدین اور شرفا سے ان کے دوستانہ تعلقات تھے ، کچھ عرصہ بعد دلی کالج بھی قایم کیا گیا جس میں بہت سے ھونہار طالب علم جدید علم و فن سے آشنا ھوئے ۔ شاہ دھلی کے اختیارات بتدریج کم ھوتے جا رہے تھے ۔ لال قلعہ میں دربار موجود تھا ، حکومت کمپنی بہادر کی تھی لیکن خلقت خدا کی اور ملک بادشاہ کا سمجھا جاتا تھا ۔ دربار میں سیاسی اور انتظامی سرگرمیاں ختم ھو چکی تھیں ، قلعہ کی آبادی کا پالنا جو بادشاہ کے خاندان اور متوسلین پر مشتمل تھی ایک مشکل مسئلہ بن چکا تھا ، لیکن دربار کے ظاھری رسوم و آداب بدستور قدیم موجود تھے اور انتظامی اور سیاسی سرگرمیوں کی جگہ شعر و شاعری کی چہل پہل نے لے لی تھی ۔

اس امن و امان کے وقفہ میں پھر دلی پر رونق آ گئی - بقول حالی ــ تیرھویں صدی ھجری میں جب کہ مسلمانوں کا تنزل درجۂ غایت کو پہنچ چکا تھا - ان کی دولت عزت اور حکومت کے ساتھ علم و فضل و کمالات بھی رخصت ھو چکے تھے حسن اتفاق سے دارالخلافہ دھلی میں چند اھل کمال ایسے جمع ھوگئے تھے جن کی صحبتیں اور جلسے عہد اکبری و شاھجہانی کی صحبتوں اور جلسوں کو یاد دلاتی تھیں ــ یہاں کے علم دین و شعر و حکمت - طب و تاریخ و نجوم نے چار سو دھوم ڈال رکھی تھی اور باوجودیکہ اودھ و حیدرآباد کی خود مختار ریاستوں میں قدردانی کے زیادہ مواقع مہیا تھے لیکن اس معاشرے میں کچھ ایسی کشش اور جاذبیت تھی کہ یہاں کے اھل کمال کسی قیمت پر دلی چھوڑنا گوارا نہیں کرتے تھے -

غالب جب دلی میں آئے تو بالکل غیر معروف نہ تھے - جس خاندان میں ان کی شادی ھوئی تھی وہ دلی کے بہت معزز گھرانوں میں تھا - ان کے خسر نواب الٰہی بخش معروف ، فخر الدولہ نواب احمد بخش رئیس فیروز پور جھرکہ کے بھائی تھے - خاندانی تعلقات کی وجہ سے ان کا میل جول اور اٹھنا بیٹھنا بلا تکلف معاشرے کے اعلیٰ ترین حلقوں میں تھا - ان حلقوں میں ادبی اور علمی ذوق بہت بلند تھا - اور دلی کی ٹکسالی اردو زبان کا رواج تھا - مثال کے طور پر خود غالب کے خسر الٰہی بخش خان ذوق کے شاگرد تھے اور شعر گوئی میں زبان کی صفائی اور روزمرہ پر خاص طور پر زور دیتے تھے - ان کے دوست نواب

حسام الدین حیدر خان جو غالب کے بڑے قدردانوں میں تھے میر محمد تقی میر اور میر مستحسن خلیق (میر انیس کے والد) کے شاگرد تھے ۔ اور یہ حضرات معیاری اردو زبان کے فنکارانہ استعمال کے بڑے ماہر تھے ۔ دیوان غالب کے نسخۂ حمیدیہ میں جو ان کے ابتدائی کلام پر مشتمل ہے جہاں ایسے اشعار ہیں جن کی زبان فارسی زدہ اور بیان استعاروں کی چیستاں ہے وہاں وہ مشہور غزلیں بھی ہیں جو صفائی اور سلاست بیان میں اردو کی معیاری شعری زبان کے بیش بہا نمونے ہیں ۔ اور اس بات کو باور کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے کہ یہ تبدیلی غالب کے آگرے سے دہلی آنے کا اور دہلی کی سوسائٹی میں نشست برخاست کا نتیجہ ہے ۔

فی الجملہ غالب کا آگرے سے دہلی آنا نہ صرف ایسا تھا جیسے کوئی شخص ایک تنگ اور محدود جگہ سے نکلکر زیادہ کشادہ فضا میں چلا جائے بلکہ اس فضا کا پس منظر بھی مختلف تھا ۔ اگر غالب آگرہ چھوڑ کر دلی نہ آتے تو گمان غالب یہ ہے کہ وہ نادر مضامین کی تلاش میں اردو اور فارسی کی بے ھنگم آمیزش سے تیار کردہ تشبیہوں اور استعاروں کی بھول بھلیاں میں بھٹکتے رہتے ۔ غالب کی جینیس (Genius) کی ساخت میں اصلاح کا ایک ایسا خود کار پرزہ موجود تھا جو حیرت انگیز طور پر حساس تھا ۔ غالب کے اس زمانہ کے دوستوں میں ایک خاص طور پر قابل ذکر شخصیت مولانا فضل حق خیرآبادی کی تھی جو نہ صرف علم و فضل میں یگانۂ روزگار تھے بلکہ جن کا ادبی مذاق بھی بہت مہذب اور شایستہ تھا ۔ اور غالب کے دل میں مولانا

فضل حق کے لئے جو احترام تھا اس کو دیکھتے ہوئے یہ بات بعید از قیاس نہیں ھے کہ غالب کے مذاق سخن کی تربیت میں انکی صحبت کا بھی بڑا حصہ تھا۔ غالب کو جو شغف بیدل سے تھا اب اس کا طلسم ٹوٹا اور انکی اکبری عہد کے فارسی شعرا نظیری، عرفی اور ظہوری سے موانست گہری ہوگئی۔ قدیم اساتذہ فارسی مثلاً سعدی، حافظ، خسرو کو چھوڑ کر ان شعرا سے تعلق قایم کرنا جو فارسی شاعری کی تاریخ میں ایک اہم موڑ کی نشاندھی کرتے ھیں غالب کی فطری افتاد اور مناسبت کی وجہ سے تھا۔ یہ شعرا جن کو فغانی کے سلسلہ میں — سبک ھندی — کے نمایندوں میں شمار کیا جاتا ھے مضمون آفرینی، کنایہ اور استعارے کی جدت اور کثرت، اور زور کلام کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی کے معاملات کی ترجمانی کے لئے مشہور ھیں اور ان پر اس ذھنی تحریک کا بھی اثر ھے جس میں منقولات سے زیادہ معقولات پر زور دیا جاتا تھا اور جو ایران میں شروع ہوئی لیکن جس کو سازگار ماحول مغلیہ ھندوستان میں حاصل ہوا۔

۱۸۲۵ء سے پہلے غالب زیادہ تر اردو غزلیں اور کبھی کبھی فارسی غزلیں لکھتے تھے۔ اب انہوں نے تمامتر توجہ فارسی غزلیں لکھنے کی طرف مبذول کر دی اور قریب بیس برس کی مدت تک ان کا یہی معمول رھا۔ ایک تو اسکی وجہ یہی ھے کہ غالب کے لئے فارسی بھی قریب قریب مادری زبان کی طرح تھی۔ دوسرے شاید اسکی ایک اور وجہ بھی ھو۔ تمام مسلم معاشروں میں سب سے کم قومی عصبیت اور سب سے زیادہ تواضع اور

حسام الدین حیدر خان جو غالب کے بڑے قدردانوں میں تھے میر محمد تقی میر اور میر مستحسن خلیق (میر انیس کے والد) کے شاگرد تھے ۔ اور یہ حضرات معیاری اردو زبان کے فنکارانہ استعمال کے بڑے ماہر تھے ۔ دیوان غالب کے نسخۂ حمیدیہ میں جو ان کے ابتدائی کلام پر مشتمل ہے جہاں ایسے اشعار ہیں جن کی زبان فارسی زدہ اور بیان استعاروں کی چیستاں ہے وہاں وہ مشہور غزلیں بھی ہیں جو صفائی اور سلاست بیان میں اردو کی معیاری شعری زبان کے بیش بہا نمونے ہیں ۔ اور اس بات کو باور کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے کہ یہ تبدیلی غالب کے آگرے سے دھلی آنے کا اور دھلی کی سوسائٹی میں نشست برخاست کا نتیجہ ہے ۔

فی الجملہ غالب کا آگرے سے دھلی آنا نہ صرف ایسا تھا جیسے کوئی شخص ایک تنگ اور محدود جگہ سے نکلکر زیادہ کشادہ فضا میں چلا جائے بلکہ اس فضا کا پس منظر بھی مختلف تھا ۔ اگر غالب آگرہ چھوڑ کر دلی نہ آتے تو گمان غالب یہ ہے کہ وہ نادر مضامین کی تلاش میں اردو اور فارسی کی بے ہنگم آمیزش سے تیار کردہ تشبیہوں اور استعاروں کی بھول بھلیاں میں بھٹکتے رہتے ۔ غالب کی جینیس (Genius) کی ساخت میں اصلاح کا ایک ایسا خود کار پرزہ موجود تھا جو حیرت انگیز طور پر حساس تھا ۔ غالب کے اس زمانہ کے دوستوں میں ایک خاص طور پر قابل ذکر شخصیت مولانا فضل حق خیرآبادی کی تھی جو نہ صرف علم و فضل میں یگانۂ روزگار تھے بلکہ جن کا ادبی مذاق بھی بہت مہذب اور شایستہ تھا ۔ اور غالب کے دل میں مولانا

فضل حق کے لئے جو احترام تھا اس کو دیکھتے ہوئے یہ بات بعید از قیاس نہیں ہے کہ غالب کے مذاق سخن کی تربیت میں انکی صحبت کا بھی بڑا حصہ تھا ۔ غالب کو جو شغف بیدل سے تھا اب اس کا طلسم ٹوٹا اور انکی اکبری عہد کے فارسی شعرا نظیری، عرفی اور ظہوری سے موانست گہری ہوگئی ۔ قدیم اساتذہ فارسی مثلاً سعدی ، حافظ ، خسرو کو چھوڑ کر ان شعرا سے تعلق قایم کرنا جو فارسی شاعری کی تاریخ میں ایک اہم موڑ کی نشاندھی کرتے ہیں غالب کی فطری افتاد اور مناسبت کی وجہ سے تھا ۔ یہ شعرا جن کو فغانی کے سلسلہ میں — سبک ہندی — کے نمایندون میں شمار کیا جاتا ہے مضمون آفرینی ، کنایہ اور استعارے کی جدت اور کثرت ، اور زور کلام کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی کے معاملات کی ترجمانی کے لئے مشہور ہیں اور ان پر اس ذہنی تحریک کا بھی اثر ہے جس میں منقولات سے زیادہ معقولات پر زور دیا جاتا تھا اور جو ایران میں شروع ہوئی لیکن جس کو سازگار ماحول مغلیہ ہندوستان میں حاصل ہوا ۔

۱۸۲۵ء سے پہلے غالب زیادہ تر اردو غزلین اور کبھی کبھی فارسی غزلیں لکھتے تھے ۔ اب انہوں نے تمامتر توجہ فارسی غزلیں لکھنے کی طرف مبذول کر دی اور قریب بیس برس کی مدت تک ان کا یہی معمول رہا ۔ ایک تو اسکی وجہ یہی ہے کہ غالب کے لئے فارسی بھی قریب قریب مادری زبان کی طرح تھی ۔ دوسرے شاید اسکی ایک اور وجہ بھی ہو ۔ تمام مسلم معاشروں میں سب سے کم قومی عصبیت اور سب سے زیادہ تواضع اور

حسام الدین حیدر خان جو غالب کے بڑے قدردانوں میں تھے میر محمد تقی میر اور میر مستحسن خلیق (میر انیس کے والد) کے شاگرد تھے ۔ اور یہ حضرات معیاری اردو زبان کے فنکارانہ استعمال کے بڑے ماہر تھے ۔ دیوان غالب کے نسخۂ حمیدیہ میں جو ان کے ابتدائی کلام پر مشتمل ہے جہاں ایسے اشعار ہیں جن کی زبان فارسی زدہ اور بیان استعاروں کی چیستاں ہے وہاں وہ مشہور غزلیں بھی ہیں جو صفائی اور سلاست بیان میں اردو کی معیاری شعری زبان کے بیش بہا نمونے ہیں ۔ اور اس بات کو باور کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے کہ یہ تبدیلی غالب کے آگرے سے دہلی آنے کا اور دہلی کی سوسائٹی میں نشست برخاست کا نتیجہ ہے ۔

فی الجملہ غالب کا آگرے سے دہلی آنا نہ صرف ایسا تھا جیسے کوئی شخص ایک تنگ اور محدود جگہ سے نکلکر زیادہ کشادہ فضا میں چلا جائے بلکہ اس فضا کا پس منظر بھی مختلف تھا ۔ اگر غالب آگرہ چھوڑ کر دلی نہ آتے تو گمان غالب یہ ہے کہ وہ نادر مضامین کی تلاش میں اردو اور فارسی کی بے ہنگم آمیزش سے تیار کردہ تشبیہوں اور استعاروں کی بھول بھلیاں میں بھٹکتے رہتے ۔ غالب کی جینیس (Genius) کی ساخت میں اصلاح کا ایک ایسا خود کار پرزہ موجود تھا جو حیرت انگیز طور پر حساس تھا ۔ غالب کے اس زمانہ کے دوستوں میں ایک خاص طور پر قابل ذکر شخصیت مولانا فضل حق خیرآبادی کی تھی جو نہ صرف علم و فضل میں یگانۂ روزگار تھے بلکہ جن کا ادبی مذاق بھی بہت مہذب اور شایستہ تھا ۔ اور غالب کے دل میں مولانا

فضل حق کے لئے جو احترام تھا اس کو دیکھتے ہوئے یہ بات بعید از قیاس نہیں ہے کہ غالب کے مذاق سخن کی تربیت میں انکی صحبت کا بھی بڑا حصہ تھا ۔ غالب کو جو شغف بیدل سے تھا اب اس کا طلسم ٹوٹا اور انکی اکبری عہد کے فارسی شعرا نظیری، عرفی اور ظہوری سے موانست گہری ہوگئی ۔ قدیم اساتذہ فارسی مثلاً سعدی ، حافظ ، خسرو کو چھوڑ کر ان شعرا سے تعلق قایم کرنا جو فارسی شاعری کی تاریخ میں ایک اہم موڑ کی نشاندھی کرتے ھیں غالب کی فطری افتاد اور مناسبت کی وجہ سے تھا ۔ یہ شعرا جن کو فغانی کے سلسلہ میں — سبک ہندی — کے نمایندوں میں شمار کیا جاتا ھے مضمون آفرینی ، کنایہ اور استعارے کی جدت اور کثرت ، اور زور کلام کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی کے معاملات کی ترجمانی کے لئے مشہور ھیں اور ان پر اس ذھنی تحریک کا بھی اثر ھے جس میں منقولات سے زیادہ معقولات پر زور دیا جاتا تھا اور جو ایران میں شروع ہوئی لیکن جس کو سازگار ماحول مغلیہ ھندوستان میں حاصل ہوا ۔

۱۸۲۵ء سے پہلے غالب زیادہ تر اردو غزلیں اور کبھی کبھی فارسی غزلیں لکھتے تھے ۔ اب انہوں نے تمامتر توجہ فارسی غزلیں لکھنے کی طرف مبذول کر دی اور قریب بیس برس کی مدت تک ان کا یہی معمول رہا ۔ ایک تو اسکی وجہ یہی ھے کہ غالب کے لئے فارسی بھی قریب قریب مادری زبان کی طرح تھی ۔ دوسرے شاید اسکی ایک اور وجہ بھی ھو ۔ تمام مسلم معاشروں میں سب سے کم قومی عصبیت اور سب سے زیادہ تواضع اور

انکسار کی خصوصیت ہند مسلم معاشرہ میں رہی ہم نے ہمیشہ دوسرے اسلامی ملکوں کے علمی اور عملی کارناموں کو عقیدت کی نگاہوں سے دیکھا، فارسی کو ہمیشہ اردو سے برتر سمجھا ، ممکن ہے غالب نے سوچا ہو کہ ہم عصر اردو شاعروں سے بازی لے جانے کا ان کے لئے ایک آسان طریقہ یہ ہے کہ اردو سے گذر کر فارسی میں نقشہائے رنگ رنگ پیدا کئے جائیں ۔ یہ بات یقینی ہے کہ وہ کم از کم ایک عرصہ تک ضرور اپنے فارسی کلام کو باعث فخر اور اردو کلام کو باعث ننگ سمجھتے رہے یا کہتے رہے ۔ یہ ٹھیک ہے کہ فارسی کو اردو زبان کی نسبت سے ایک کلاسیکی حیثیت حاصل ہے ، اور ہمارے تواضع اور انکسار سے ہمیں بہت فائدہ پہنچا ، غالب کے معاملہ میں بھی انکی ادبی شخصیت اور مقام کا اندازہ کرنے میں ان کے فارسی کلام کو نظر انداز کرنا نہ صرف جہل ہے بلکہ ظلم بھی ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ آج دنیا میں غالب کی شہرت اردو شاعر کی حیثیت سے ہے ، اور ہے بھی یہ کہ اردو شاعری میں وہ مجتہد ہیں اور فارسی شاعری میں مقلد ۔ اور مجتہدانہ حیثیت اور مقلدانہ حیثیت میں ایک فرق ہے۔

۴ زندگی کی کشمکش

غالب جب دلی میں آئے تو ان کے گذر اوقات کا ذریعہ وہ پنشن تھی جو سرکار انگلشیہ نے ان کے چچا نصراللہ بیگ کے ایک وارث ہونے کی حیثیت سے ان کے لئے رئیس فیروز پور جھرکہ کے

ذمہ مقرر کر دی تھی۔ یہ پنشن بہت قلیل تھی اور غالب کی بود و باش رئیسانہ تھی ۔ شاہ خرچی بلکہ فضول خرچی اس زمانہ کی ریاست کے لوازمات میں سمجھی جاتی تھی۔ اسلئے رؤسا اور شرفا اکثر مقروض رہتے تھے اور قرض دینے والے ہندو ساہوکار اور مہاجن ہوتے تھے ۔ غالب معاش کی قلت اور قرضخواہوں کے تقاضوں سے بہت تنگ رہتے تھے ۔ صحیح یا غلط وہ یہ سمجھتے تھے کہ فیروز پور جھرکہ کی ریاست سے جتنی پنشن اُن کے لئے حسب الحکم مقرر ہے اتنی نہیں ملتی بلکہ اس سے کم ملتی ہے ۔ معاملہ کا تعلق سرکار انگلشیہ سے تھا جسکا صدر مقام اس زمانہ میں کلکتہ تھا ۔ چنانچہ غالب نے قصد کیا کہ کلکتہ جاکر وہ اعلیٰ انگریزی حکام کے روبرو اپنا معاملہ پیش کریں ۔ کلکتہ روانہ ہونے کی صحیح تاریخ معلوم نہیں ، یقین کے ساتھ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ وہ ۱۸۲۷ع کے اوائل میں دلی سے کلکتہ روانہ ہوئے اور ۱۸۳۰ع تک کلکتہ سے دلی واپس آ گئے ۔ راستہ میں ان کا قیام لکھنو، کانپور، باندہ، بنارس، عظیم آباد وغیرہ شہروں میں ہوا ۔

لکھنؤ اس زمانہ میں اپنے عروج پر تھا ۔ انگریزوں کے ایما پر نواب وزیر اودھ غازی الدین حیدر نے اپنی بادشاہت کا اعلان کردیا تھا ۔ غالب نے ایک قصیدہ غازی الدین حیدر کی مدح میں فارسی زبان میں لکھا تھا اور انہیں یہ خیال تھا کہ مدح گستری کے صلہ میں جو روپیہ ملیگا اس سے کلکتہ تک پہنچنے کا انتظام ہو جائیگا ۔ کلاسکی شاعری میں قصیدہ کی صنف بادشاہت کے ایک

مخصوص عقیدہ کا اظہار ہے ۔ اس عقیدہ کے مطابق جس طرح کل کائنات کا مرکز اللہ تعالیٰ کی ذات ہے یا جو مقام اجرام فلکی میں سورج کو حاصل ہے یا جس طرح دین میں نبی اور آئمہ کا مرتبہ ہے اسی طرح اس دنیا کا مرکز بادشاہ کی ذات ہے جو زمین پر اللہ تعالیٰ کا ظل ہے اور زمین کا نظم و نسق بادشاہ اوز امرا کے وجود سے وابستہ ہے دربار کی شان و شوکت اسی جاہ و جلال کا مظہر ہے ۔ قصیدہ گو شاعر کی کوشش یہ ہے کہ وہ دربار کے قابل اور بالمقابل اپنے الفاظ کے ذریعہ ایک پر شکوہ عمارت تعمیر کرے۔ بادشاہ ذات بھی ہے ارر علامت بھی، اور اسلئیے اسکی رزم و بزم میں اسکی بہادری اور فیاضی، اسکے گھوڑے اور تلوار کے بیان میں مبالغہ سرے سے نا ممکن ہے ۔ غالب کی حقیقت پسند نگاہوں میں بادشاہت کا یہ تصور نہیں تھا ۔ ہاں اتنا انہیں معلوم تھا کہ قصیدہ لکھنے کے صلہ میں اپنا کمال فن دکھایا جا سکتا ہے . اسی لئے ان کے نزدیک قصیدہ گوئی ''شیوۂ گدائی'' تھا ۔ اور وہ اس شیوۂ گدائی میں ''نو آموز'' تھے ۔ اس قصیدہ میں بھی بار بار ان مجبوریوں کی طرف اشارہ ہے جن کی وجہ سے وہ قصیدہ لکھ رہے ہیں اور دریوزہ گری کی معذرت بھی ہے کہ اگر دریوزہ کے لئے کریموں کی درگاہ میں حاضر ہوا تو کیا خجالت ہے اسلئے کہ میں خود کریموں کے قبیلہ سے ہوں ۔ غالب نے انگریز حاکموں اور ملکۂ انگلستان کی شان میں قصیدے لکھے ہیں لیکن مقصد اس کمال فن کے اظہار کا یہ ہے کہ ایسے کامل کی قدردانی کی جائے اور اس کی کاربرآری کی جائے۔ بقول حالی ''مرزا کی ساری عمر قصیدہ

گوئی اور مدح سرائی میں گذری کیونکہ ضرورت انسان سے سب کچھ کراتی ہے۔''

اس قصیدے کی غازی‌الدین حیدر کے سامنے پیش ہونے کی نوبت ہی نہیں آئی بلکہ نائب وزیر سے بھی ان کی ملاقات نہ ہوسکی کیونکہ ملاقات کے لئے نذر و تسلیم کے جس آئین پر نائب وزیر مصر تھے غالب کے نزدیک ''خویشتن داری'' کے آئین کے خلاف تھا۔ قدیم معاشرے میں یا تو درویش صفت انسانوں نے شاعری کی یا روساء یا کم از کم فارغ‌البال لوگوں نے بطور مشغلہ اس کو اختیار کیا یا جو لوگ محض شاعر تھے یعنی شاعری ہی ان کے گذر اوقات کا ذریعہ تھی انہیں ہمیشہ بادشاہوں اور امرا کی سرپرستی کی ضرورت پیش آئی۔ نائب وزیر غالب کو اس تیسرے طبقہ کے شعرا میں رکھتے تھے۔ غالب کو دعوی یہ تھا کہ ان کے ساتھ رئیسوں کا سلوک کیا جائے۔ یہ رئیس اور شاعر کی کشمکش غالب کی تمام عمر قایم رہی۔ غالب شاعر تھے اور تلخ حقیقت یہ ہے کہ ریاست کا جاہ و منصب یا ساز و سامان ان کو مہیا نہیں تھا اور وہ چاہتے یہ تھے کہ ان کو شاعر سے زیادہ رئیس سمجھا جائے۔ ۱۸۴۷ع میں قید کا داغ لگنے کے بعد انہیں سب سے زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ ''اب کسی ریاست میں دخل نہیں کرسکتا۔ مگر ہاں پیر یا مداح یا استاد کی حیثیت سے۔''

معلوم ہوتا ہے کہ غالب، لکھنؤ کی رونق اور چہل پہل سے متاثر نہیں ہوئے بلکہ اپنی ذاتی ناکامی کی بنا پر ان کو وہاں کی

بدانتظامی کا تجربہ ہوا۔ ''چون حال ایں دیار بدیں رنگ ست آن خوشتر کہ سخن از خود نہ گویم'' ہاں اس سفر کی وجہ سے لکھنو کے کچھ ممتاز لوگوں سے راہ و رسم پیدا ہوگئی اور خط و کتابت شروع ہوگئی ۔ ان میں سے ایک لکھنو کے مشہور شاعر شیخ امام بخش ناسخ بھی تھے ۔ دلی کے بعد اردو زبان و شاعری کا دوسرا بڑا مرکز لکھنؤ تھا ۔ اور ناسخ اس کے رکن اعظم تھے ۔ غالب کو اس موقعہ پر وہ زبان کی اصلاح کا کام جو لکھنؤ میں ہو رہا تھا اور غزل کی وہ نئی روش جو وہاں رائج تھی قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا اتفاق ہوا ۔

غالب کی طبیعت میں ایک طرف آزادگی اور آزادہ روی کے تقاضے تھے اور دوسری طرف وضعداری کی پابندیاں ، مالی مجبوریاں ، خانگی زندگی کی ذمہ داریاں، (جن کے ساتھ خوش اسلوبی سے نباہ کرنا تھا) ۔ غالب کے خانگی تعلقات کو سمجھنے کا راز اسی کشمکش میں ہے۔ وہ سیر و سیاحت کو دوست بھی رکھتے ہیں، لیکن غربت میں مصائب و آلام بھی ہوتے ہیں۔ ہر حسین چیز جو نظر سے گذرتی ہے دل کا دامن بھی اپنی طرف کھینچتی ہے ؛ بنارس ــ بہشت خرم اور فردوس معمور ــ ہے ۔ ہندوستان کا کعبہ ہے جہاں کے بت سراپا نور ایزد ہیں۔ بنارس ایک شاھد مست ہے جو گل چینی میں مصروف ہے۔ لیکن دلی کی یاد دل سے دور نہیں ہوتی۔ دلی جان ہے اور سارا جہاں تن ہے۔ دلی کے دوست یاد آتے ہیں۔ اور اپنے گھر والے یاد آتے ہیں جنکی حالت بیکسی و واماندگی میں تمام امیدیں اس سفر پر اور سفر کے نتیجہ پر

لگی ہوئی ہیں۔ اور غالب بنارس سے اپنا دامن چھڑا کر اپنی منزل کلکتہ کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔

کلکتہ ایک دنیا ہی نئی ہے۔ آٹھویں اقلیم ہے۔ جہاں ہر دیار اور ہر فن کا آدمی موجود ہے. جہاں کے ہنروروں کے لئے سوائے چارۂ مرگ کے ہر بات آسان ہے اور جہاں کے بازاروں میں سوائے قسمت کے ہر چیز ارزاں ہے۔ اگر عیالداری کا طوق گردن میں نہ ہوتا تو بقول خود غالب یہیں کے ہو رہتے۔ وہاں کی تازگی اور رونق، وہاں کے شاداب سبزہ زار، وہاں کے نازنین بتان خود آرا، وہاں کے میوے اور شرابیں غالب کو ایک مدت تک رہ رہ کر یاد آتی رہیں۔ یہیں انہوں نے جدید ترقیات اور انکشافات کے کرشمے ریل، ڈاک، تار، جہاز وغیرہ اپنی آنکھوں سے دیکھے اور دلی اور لکھنؤ کی اجڑتی ہوئی تہذیبوں کے بعد نئے ابھرتے ہوئے آئین کو اپنے پورے جلال و جمال کے ساتھ دیکھا. جس کے سامنے قدیم آئین اور فنون اور بھی بے مایہ نظر آنے لگے. تاریخ کے اس پر آشوب عبوری دور میں غالب کو ملکی حالات کا ان لوگوں کے مقابلہ میں زیادہ شعور تھا جو ۱۸۵۷ع میں انگریزوں سے نبرد آزما ہوئے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ زمانۂ حال کی دو طاقتوں کا مقابلہ نہیں ہے بلکہ حال کے میدان میں ماضی اور مستقبل کا ٹکراؤ ہے۔ پنشن کے قضیہ کے سلسلہ میں غالب کی امیدیں بندھیں۔ پھر ٹوٹیں۔ پھر انتظار نے طول کھینچا۔ معاملہ کلکتہ سے دلی منتقل کردیا گیا۔ غالب دلی آئے۔ اپنی سی کوششیں کرتے رہے۔ بالآخر مایوس ہوئے۔ انگلستان اپیل بھیجی، کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ پنشن وہی

باسٹھ روپیہ آٹھ آنہ برقرار رہی۔ بس اتنا ہوا کہ فیروز پور جھرکہ کی ریاست کی ضبطی کے بعد اسکی ادائیگی دلی کی کلکٹری سے ہونے لگی ۔ غالب کے نزدیک اس عہد میں ہر چیز سے ڈرتے رہنا ہی سودمند ہے ۔ یہ خوبان کشور لندن دل رکھتے ہیں مگر لوہے کا ۔ ان سے داد خواہی ایسی ہے جیسے پتھر سے سر کو ٹکرانا، ۔

کلکتہ میں اس زمانہ میں انگریزی اثر کے ماتحت راجا رام موہن رائے کی سرکردگی میں بنگالی ہندوؤں کی فکر و ادب کی احیا اور اصلاح کی تحریک چل رہی تھی ۔ ظاہر ہے کہ غالب کو اس تحریک سے کوئی واسطہ نہیں ہوسکتا تھا ۔ وہیں گورنر جنرل لارڈ وارن ہیسٹنگز نے فورٹ ولیم کالیج قائم کیا تھا ۔ جس میں ایک طرف نئی ہندی کی داغ بیل ڈالی جا رہی تھی تو دوسری طرف سہل اردو نثر میں کتابیں ترجمہ اور تصنیف کی جا رہی تھیں ۔ اردو نثر کی ارتقا میں فورٹ ولیم کالیج کا جو حصہ ہے وہ سب جانتے ہیں ۔ غالب بھی اس تحریک سے متاثر ہوئے ۔ ان کے فارسی خطوط کا جب اردو خطوط سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو بڑا فرق نظر آتا ہے ۔ فارسی خطوط جو اس زمانہ کی اکثر ممتاز اور چیدہ ہستیوں کے نام ہیں ایک بیش بہا ذخیرہ ہیں۔ نہ صرف یہ کہ غالب کی شخصیت، ان کے تعلقات اور ان کے ماحول کو سمجھنے کے لئے ان کے فارسی خطوط کا مطالعہ ناگزیر ہے، بلکہ ان خطوط کی زبان بھی فارسی کے ایک اسلوب بیان کا اچھا نمونہ ہیں ۔ انہوں نے ہندوی زبان رکھنے والے فارسی نویسوں کے

تصرفات سے اپنی عربی ملی ہوئی فارسی کو پاک رکھا ہے بلکہ بعد میں تو عربی الفاظ بھی جہاں تک ممکن ہوا ترک کرنے کی کوشش کی ہے ۔ خطوط میں رسمی تکلفات جن کو ۔ ادبیت ۔ کی جان سمجھا جاتا تھا اس حد تک موجود ہیں کہ مفہوم ان کے نیچے دبا جاتا ہے۔ اسکے برخلاف اردو خطوط میں جو روانی اور سلاست، جو براہ راست مکالمہ کی بے ساختگی ، جو شوخی و ظرافت کے ساتھ سنجیدگی اور حفظ مراتب ، جو سادگی اور پرکاری ہے اس نے ان خطوط کو اردو نثر کا ایک ایسا شاہکار بنادیا، جس کی بہت نقلیں اتاری گئیں لیکن جو اپنی جگہ بینظیر رہا لیکن جس کا اردو نثر کے ارتقا میں ایک اہم حصہ ہے۔ اور یہ دیکھتے ہوئے کہ غالب کی اردو خطوط نویسی کلکتہ سے واپسی کے بعد شروع ہوئی یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ اس سلاست اور روانی اور برجستگی میں ان اثرات کا نتیجہ بھی شامل ہو جو غالب کے ذہن رسا نے اردو نثر کی فورٹ ولیم والی فضا سے اخذ کئے ۔

اسی فورٹ ولیم کالج میں مشرقی علوم کی تدوین کا کام بھی ہو رہا تھا اور بہت سے اہل علم و فضل یہاں جمع تھے۔ اس سلسلہ میں وہاں ہر ماہ ایک فارسی کا مشاعرہ بھی ہوتا تھا ۔ یہ غالب کا میدان تھا، لیکن میدان میں اترتے ہی مبارزہ شروع ہوگیا۔ فارسی زبان صدیوں تک ہند مسلم معاشرہ کی ادبی، علمی، مجلسی اور خط و کتابت کی زبان رہی ۔ لیکن سند اہل زبان ہی کی چلتی تھی ۔ لین دین کی زبان ہندوی یعنی اردو تھی اور

اسکا دائرہ وسیع تر ہوتا جا رہا تھا اور جب کوئی زبان روزمرہ کے استعمال میں نہ آئے تو اسکی جڑیں اس سر زمین میں مضبوطی سے قایم نہیں ہوتیں ۔ اسی لئے فارسی زبان و ادب کی یہاں آزادانہ نشو و نما نہیں ہوئی ۔ زبان سند کے سہارے ھی چلتی رہی اور اگرچہ سند مناسب حدود میں زبان کے معیار کو قایم رکھنے کی ضامن ھے لیکن حد سے زیادہ اس پر بھروسہ کرنا زبان کی توسیع میں مانع اور تصنع اور آورد کو پیدا کرنے والا ثابت ہوتا ھے ۔ ایران سے جب تعلقات کم ہوئے تو یہیں کے لغت نویس اور شعرا جن میں سے کچھ ھندو یا نو مسلم بھی تھے بطور سند کے پیش ہونے لگے ۔ غالب بھی فارسی زبان کی حد تک تقلید کے حلقہ سے باھر نہیں تھے لیکن ان کو دعویٰ یہ تھا کہ ان کو فارسی اھل زبان میں شمار کیا جائے اور سوائے اھل زبان کے اور کوئی سند ان کے نزدیک غیر معتبر تھی ۔ دلی کی فضا پھر اس معاملہ میں کلکتہ سے زیادہ کشادہ تھی ۔ دلی نے غالب کو بیدل کے طلسم سے نکالکر فارسی شاعری کی شاھراہ پر لگادیا ، ”زبان آوران کلکتہ“ ھندوستان کے فارسی شاعروں کی تقلید اور لفظی بحثوں میں الجھے ہوئے تھے ۔ غالب نے ایک فارسی غزل مشاعرہ میں پڑھی جس میں ایک ترکیب کے استعمال پر اعتراض ہوا اور سند ھندی نژاد فارسی شاعر قتیل کے رسالہ سے دی گئی ۔ غالب جو ان فارسی علماء کے مقابلہ میں علمیت میں کم اور ذھانت میں تیز تھے ان کو حقارت سے دیکھتے تھے ۔ بات جب زیادہ بڑھ گئی تو انہوں نے ایک فارسی مثنوی لکھی جس

میں معذرت کے ساتھ ساتھ، ھجو ملیح اور طنز بھی ھے، دل اس معذرت کے بعد بھی صاف نہیں ہوا۔ چنانچہ بہت دن کے بعد جب ایام غدر میں غالب تنہائی اور گوشہ نشینی میں اپنے اوقات گذار رہے تھے تو پھر ایک مرتبہ ھندی نژاد فارسی لغت نویسوں سے مبارزت کے جذبہ نے سر ابھارا۔ — برھان قاطع — ایک فارسی لغات کی مشہور کتاب ھے جو اب تک ایران میں بھی استعمال ھوتی ھے۔ مولف اس کتاب کے محمد حسین تبریزی مشہور ھیں لیکن چونکہ وہ ھندوستان میں پیدا ھوئے اور دکن میں تمام عمر رہے اسلئے غالب ان کو — دکنی — ھی کہتے ھیں۔ غالب نے ۱۸۶۰ء میں ایک رسالہ مرتب کیا جس میں — برھان — کی غلطیوں کی نشاندھی کی گئی اور جس کا نام — قاطع برھان — رکھا۔ یہ رسالہ ۱۸۶۲ء میں شایع ھوا۔ اس رسالہ کی اشاعت پر مخالفت کا ایک طوفان کھڑا ھوگیا۔ مخالفت میں لکھی جانے والی کتابوں میں سب سے اھم کتاب — مؤید برھان — تھی جو جہانگیر نگر (ڈھاکہ) کے ایک مشہور فارسی عالم آغا احمد علی نے لکھی۔ اس چومکھی مخالفت کا جواب غالب ھی دیتے تھے یا دلواتے تھے۔ اور گو کہ غالب نے ان رسالوں میں علم و تحقیق سے کام لیا ھے اور لغات نویسی کے چند صحیح اصول بھی واضح کئے ھیں لیکن جس انداز میں یہ بحث چلی اور جس طرح علمی مباحث میں جذبات اور ذاتیات کو خلط ملط کیا گیا وہ مخالفین یا موافقین کسی کے لئے بھی باعث افتخار نہیں ھے۔ شاید اس زمانہ میں مناظرہ کا بھی رنگ تھا۔

غالب کی خود شناسی کی ایک یہ بڑی منزل تھی کہ وہ اپنے آپ کو ایک ایسا پردیسی سمجھتے تھے جس کے پاس بہت سی کہنے کی باتیں ہوں لیکن بستی میں اسکی بات سمجھنے والے نہ ہوں ۔ اس سفر میں انہوں نے دنیا دیکھی ۔ پرانی دنیا اور نئی دنیا ۔ ذہنی افق کشادہ اور وسیع ہوا ۔ بہت سے ممتاز لوگوں سے ملاقاتیں ہوئیں لیکن اجنبیت کا احساس اور بھی قوی ہوگیا ۔ یہی اجنبیت کا احساس ، اپنے آپ کو اپنی دنیا سے علیحدہ کر کے دنیا کو دیکھنا ، ـــ دید و دانش ـــ کی اولین شرط ہے ۔ اور ـــ دید و دانش ـــ کی غالب کے کلام میں وہ جگہ ہے جو قدیم شعرا کے کلام میں تصوف کی جگہ تھی ۔

غالب کلکتہ سے دلی واپس آئے تو مالی حالات اور بھی خراب ہو چکے تھے ۔ پنشن کا قضیہ ۱۸۲۶ء سے شروع ہوا اور ۱۸۴۴ء تک چلتا رہا ، ایک امید پر انگریزی حکام کی شان میں قصیدوں پر قصیدے لکھتے رہے ، بالآخر اس کشمکش کا نتیجہ مایوسی نکلا ، پھر بھی یہ خیال دامنگیر رہا کہ شاید جس طرح شاہان قدیم اہل علم و فن کی سرپرستی کرتے تھے اسیطرح حکومت انگلشیہ از راہ قدردانی ان کو کوئی صلہ یا اعزاز بخشے لیکن یہ زمانہ کا نیا دور تھا اور اسکے طور طریق ہی مختلف تھے ۔ اسراف طبعی ایثار و کرم کا تقاضہ اور رئیسانہ شان کا لوازمہ تھا ، اسپر مزید شراب نوشی کی عادت جو نو عمری سے شروع ہوگئی تھی ۔ قرض کا بار بڑھتا جاتا تھا ۔ قرضخواہ ڈگری حاصل کر لیتے تھے تو غالب گھر میں بیٹھ جاتے تھے ۔ دستور اس زمانہ کا یہ تھا کہ شرفا

کو قرضے کی ڈگری کے سلسلہ میں گھر کے اندر یے نہیں، گھر کے باہر ہی گرفتار کیا جاسکتا تھا۔ غالب کے لئے خانہ نشینی ہی میں عافیت تھی۔ اور شعر گوئی جو بچپن کے کھیل کیطرح شروع ہوئی تھی اب زندگی کا واحد مشغلہ بنگئی اس زمانہ میں فارسی اور اردو مشاعروں کا رواج زوروں پر تھا، غالب نے اس زمانہ کے متعلق اپنے ایک فارسی قطعہ میں لکھا ہے کہ ہند میں کیسے کیسے خوش نفس سخنور ہیں جنکے سانسوں سے ہوا بھی مشک افشاں ہوگئی ہے اور پھر مومن، نیر، صہبائی، علوی، حسرتی، اشرف، آزردہ کا نام لیا ہے۔ اسی زمانہ میں غالب کے خاص طور پر نواب مصطفیٰ خان رئیس جہانگیرآباد سے جو اردو میں شیفتہ اور فارسی میں حسرتی تخلص کرتے تھے اور جو عشق مجازی کے ساتھ ساتھ زھد و تقویٰ اور درویش منشی اور علم و فضل کے ساتھ ساتھ نہایت مہذب اور معیاری ادبی ذوق رکھتے تھے۔ خلوص و محبت کے مراسم بڑھ گئے۔ غالب کبھی کبھی مشاعروں میں شریک ہوتے تھے، اور فارسی شاعری کے علاوہ اب پھر اردو غزلوں کی طرف زیادہ متوجہ ہو رہے تھے یہ زمانہ انکی شاعری کے شباب کا زمانہ تھا۔

۱۸۴۷ء میں غالب کی زندگی میں ایک ایسا حادثہ پیش آیا جس نے انکی ریاست کا وہ زعم جس میں وہ اب تک رہ رہے تھے ختم کر کے رکھ دیا، قمار بازی کے جرم میں کوتوال شہر نے ان کو گھر پر سے گرفتار کیا اور عدالت نے چھ ماہ کی سزا کا حکم سنا دیا۔ نہ ان کا ذاتی وقار انکے کام آیا نہ لال قلعہ کے

بادشاہ کی سفارش انہیں اس ذلت سے بچاسکی ۔ اس دور ابتلا میں خویش بیگانے ہوگئے اور ہمدموں نے سرد مہری اختیار کی۔ صرف نواب مصطفیٰ خان شیفتہ نے اپنی شرافت کا ثبوت دیا اور اس واقعہ میں غمخواری کا حق ادا کیا ۔ تین ماہ بعد داغ رسوائی اور چشم بینا لے کر قید فرنگ اور فریب کشمکش سے ایک ساتھ آزاد ہوئے ۔

۵۔ حادثات زمانہ

قید سے رہا ہونے کے بعد غالب کی زندگی کے خارجی واقعات مختصر طور پر بیان کئے جاتے ہیں ۔ قید سے رہا ہونے کے کچھ عرصہ بعد احباب کی کوشش سے وہ شاہی دربار میں باریاب ہوئے ۔ اس سے پہلے بھی اکثر موقعوں پر قصیدے پیش کر چکے تھے اور دربار سے خلعت پا چکے تھے ۔ لیکن ان کا باقاعدہ دربار سے کوئی تعلق قایم نہیں ہوا تھا ۔ گو غالب نے اپنے قصائد میں اس بات کی تمنا ضروری کی تھی ، ممکن ہے اسکی وجہ یہ ہو کہ غالب کو اپنی پنشن میں اضافہ کی امید قوی تھی اور انہوں نے قلعہ کی ملازمت کی ضرورت شدت سے محسوس نہ کی ہو۔ ممکن ہے سرکار انگلشیہ کے پنشن خوار ہونے کی حیثیت سے اہل دربار کے نزدیک انکی وفاداری مشتبہ ہو اور یہ واقعہ ہے کہ غالب کو بادشاہ سے کبھی وہ خلوص و عقیدت پیدا نہ ہوا جو شیخ ابراهیم ذوق کو تھا ۔ نہ بادشاہ کا انکی نگاہ میں

وہ مرتبہ تھا جو ذوق کی نگاہ میں تھا ، ذوق کے لئے بادشاہ سے وفاداری عقیدے کا ایک جزو تھا ، نماز کے بعد اپنی دعاؤں میں بھی اس کو یاد رکھتے تھے ۔ غالب کا بادشاہ سے تعلق بر بنائے ضرورت تھا اور وہ رسمی احترام و آداب میں شوخی اور تفنن طبع کی آمیزش کو بھی روا رکھتے تھے ۔ ممکن ہے انکے دربار میں باریاب نہ ہونے کی وجہ دربار کی ریشہ دوانیاں ہوں یا یہ وجہ ہو کہ بادشاہ کے استاد شیخ ابراہیم ذوق تھے جو اردو غزل اور قصیدہ کے مسلم الثبوت استاد تھے ۔ لیکن غالب ان کو خاطر میں نہ لاتے تھے ویسے بھی ذوق کسی اونچے خاندان سے تعلق نہ رکھتے تھے ۔ ان قصیدوں میں بھی جو بادشاہ کے سامنے گزارے ذوق پر نہ صرف هممصرانہ چشمک بلکہ کھلی ہوئی تعریض موجود ہے ۔ ممکن ہے غالب دربار میں ذوق سے نیچے درجہ کی ملازمت قبول کرنے میں عار سمجھتے ہوں ۔ لیکن اب حالات بدل چکے تھے ۔ اب اسی دربار میں فارسی زبان میں شاہان تیموریہ کی تاریخ لکھنے کی ملازمت بمشاہرہ چھ سو روپیہ سالانہ ــ نزول آیۂ رحمت ــ سمجھ کر اختیار کر لی ۔ دولت اور طاقت کے زوال کے ساتھ ساتھ خطابات کی بلند آہنگی بڑھتی جاتی ہے ، چنانچہ سالانہ چھ سو روپیہ سال مقرر تھا مگر خطاب ــ نجم الدولہ دبیر الملک نظام جنگ ــ پایا ۔ ۱۸۵۴ء میں ذوق کے مرنے کے بعد بادشاہ اپنا کلام بھی غالب کو دکھاتے رہے اور یہ سلسلہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ تک جاری رہا ۔

انگریزی حکومت دلی کے دربار کو رفتہ رفتہ ختم کر رہی

تھی۔ یہ بھی طے ہو چکا تھا کہ بہادر شاہ کی ذات کے ساتھ شاہان تیموریہ کا سلسلہ ختم کر دیا جائے گا، بادشاہ شعر و سخن اور علم و فضل کی سرپرستی بھی ایک رسم کی طرح حتی‌المقدور نبھائے جا رہے تھے۔ لیکن یہ وضعداری کب تک چل سکتی تھی۔ البتہ دیسی حکومتیں جو قایم ہو رہی تھیں وہ یہ ادبی خدمت انجام دے رہی تھیں۔ ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے بعد تو دلی میں مسلم معاشرہ کی بساط ھی الٹ گئی اور کوئی دیسی ریاست ایسی نہیں رہی جہاں دلی کے اہل کمال پناہ لینے کے لئے نہ پہنچے ہوں۔ غالب نے دلی تو نہیں چھوڑی لیکن ان درباروں سے تعلق قایم رکھا۔ خاص طور پر دربار رامپور سے۔ اگر یہ سہارا نہ ہوتا تو معلوم نہیں ان پر کیا گذرتی۔ ۱۹۵۴ء میں واجد علی شاہ والیٔ اودھ نے بسلسلۂ مدح گستری غالب کے پانچسو روپیہ سالانہ مقرر کر دئیے۔ لیکن دو سال بعد اودھ کی سلطنت ھی ختم ہوگئی۔ اوائل ۱۸۵۷ء میں غالب کا تعلق مولوی فضل حق خیرآبادی کی وساطت سے دربار رامپور سے ہو گیا اور ۱۸۵۹ء سے تو ایک معقول رقم غالب کو ماہانہ حق استادی کے طور پر بھیجی جاتی رہی، مدد معاش کا یہ سلسلہ تا حیات قایم رہا۔ نواب یوسف علی خان ناظم والیٔ رامپور تو غالب کے دل سے قدردان تھے، اور مراسم مربیانہ سے زیادہ دوستانہ تھے۔ ان کے جانشین نواب کلب علی خان نے بھی باوجود کچھ شکر رنجیوں کے اس تعلق کو نباہا۔ اس سلسلہ میں غالب دو مرتبہ رامپور بھی گئے۔ ویسے وہ اکثر والیان ریاست یا امرا کے پاس قصیدہ یا قطعات بھیجتے رہتے تھے۔

اور صلہ کے طور پر کچھ مل جاتا تھا۔ کچھ دوست بھی ھدیہ کے طور پر پیش کرتے رہتے تھے۔ ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں انکی پنشن بھی بند ہوگئی تھی لیکن ۱۸۶۰ء کے وسط سے یہ پنشن مع بقایا بحال ہوگئی۔ اس طرح غالب کی زندگی کے آخری دس سالون میں آمدنی کی کم و بیش ایک مستقل صورت پیدا ہو گئی تھی اور جب ان کا انتقال ہوا تو ان پر محض آٹھ سو روپیہ قرضہ تھا۔

۱۸۵۷ء میں شمالی ہند میں وہ ہنگامہ ہوا جسکو انگریزون کے زمانہ میں غدر کہا جاتا تھا اور اس زمانہ کے بعد سے جنگ آزادی کہا جاتا ھے۔ بادشاہ کا مستقر ہونے کی وجہ سے دلی اس ہنگامہ کا اہم ترین مرکز تھا، اس ہنگامہ کے متعلق غالب کے تاثرات ان کے ایک فارسی رسالے ــ دستنبو ــ میں جس کو انہون نے انہیں ایام میں لکھا تھا اور نیز انکے خطوط میں موجود ھیں۔ مختصر طور پر ہم غالب کے تاثرات کے متعلق مندرجہ ذیل نتائج اخذ کر سکتے ھیں۔

(۱) غالب انگریزی آئین کو نظم و نسق اور داد و عدل کے اعتبار سے بہتر سمجھتے تھے انکی حقیقت بین نگاہون سے یہ امر بھی پوشیدہ نہیں تھا کہ انگریز طاقت کے مقابلہ میں دیسی حکومتیں بیجان ھیں اور لشکری خود سر، شورش پسند، اور آمادۂ فتنہ و فساد ھیں۔ بادشاہ سپاہیون کے ہاتھ قیدی ھے اور بادشاہ کے چند روزہ نام نہاد اقتدار کی نہ غالب کو کوئی خوشی ھے، نہ اسکے استقلال کی کوئی امید۔ انکی نظر میں یہ تمام ہنگامہ ــ رستخیز بیجا ــ ھے۔

(۲) اس ھنگامہ کے سیاسی پہلو سے قطع نظر ، جو انسانیت کش اقدامات اس سلسلہ میں جانبین سے سرزد ھوئے انکا غالب کو بہت دکھ ھوا ۔ اگر ایک طرف دیسی سپاھیون کی دلی پر یلغار کے بعد انگریز عورتون اور بچون کے بیدردی سے قتل ھونے پر انھون نے آنسو بہائے ھیں تو دوسری طرف چار ماہ چار دن کے بعد انگریز کے ھاتھون دلی فتح ھونے کے بعد دلی کی جانکنی کا مرثیہ بھی انھون نے کہا ھے بلکہ ــ دستنبو ــ کے زیادہ حصہ میں اور مکاتیب میں تمامتر اس زد و کشت اور گیرودار کی ، شھر کے خالی ھونے اور لوٹ مار کی ، کورٹ مارشل اور سزاؤن کی ، دلی کی ویرانی اور بازار ، مساکن ، مساجد اور قلعہ کی اکثر عمارتون کے مسمار ھونے کی ، غرض اس تباھی کی داستان ھے جو انگریزون کے ھاتھون دلی پر اورخصوصیت سے مسلمانون پر آئی ۔ اس ھنگامہ کے متعلق غالب کی نمایان خصوصیت سیاسی جانبداری نہیں بلکہ انسان دوستی ھے ۔

(۳) غالب کو اس بات کا بھی بہت دکھ تھا کہ اس ھنگامہ میں امرا و روسا و شرفا کی دنیا جس کے غالب بھی ایک فرد تھے برباد ھوگئی ۔ ادھر دیسی لشکریون کی لوٹ مار میں روشن گھر بے چراغ ھوگئے اور وہ کہ جنکی بزم مے میں رات کو آتش گل کے چراغ جلتے تھے کلبۂ تار میں داغ ناکامی سے جلنے لگے ادھر فتح دلی کے بعد کوئی مسلمان شریف گھرانا ایسا نہ رھا جس پر بپتا نہ پڑی ھو ۔ ان لوگون میں سے اکثر مرزا کے احباب تھے ۔ گویا غالب کی دنیا ھی دگرگون ھوگئی ۔

(۴) دستنبو میں زیادہ تر غالب پر جو کچھ گذری اس کا بیان ہے۔ فتح دلی کے بعد مسلمان چھپ کر بیٹھ رہے یا بھاگ گئے یا مارے گئے۔ جس کوچہ میں غالب رہتے تھے اس میں دس بارہ مکان تھے۔ کوچہ کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ گھرون کے دروازے بھی بند کر لئے گئے اور غالب اپنے خاندان کو لیکر جس میں غالب کی بیگم کے دو بھانجے جن کے باپ مرزا عارف جوانی ھی میں غالب کو داغ مفارقت دے گئے شامل تھے خانہ نشین ہوگئے۔ سودا سلف، نائی، دھوبی، بہشتی، بھنگی سب بند، پانی بھی ختم ہو گیا، بارش ہوگئی تو اسکا پانی جمع کر لیا۔ اسی کوچہ میں دلی کے مشہور شریف‌خانی خاندان کے حکیم و رئیس حکیم محمود خان مقیم تھے جو سرکار پٹیالہ کے طبیب تھے اور حکیمون کے کوچے کی حفاظت کے لئے مہاراجہ پٹیالہ نے جو انگریزون کے بڑے طرفدار تھے اپنے سپاہیون کا پہرہ بٹھادیا جسکی وجہ سے غالب انگریزی لشکر کے گزند سے بچے رہے، پھر بھی غالب کو اپنی صفائی کے لئے ایک انگریز کرنل کے سامنے پیش ہونا پڑا، غالب کے بھائی مرزا یوسف تیس سال سے دیوانے تھے اور ایک علیحدہ مکان میں اپنے خاندان کے ساتھ رہتے تھے۔ اس بپتا میں ان کے بیوی بچے تو انہیں چھوڑ کر بھاگ نکلے، محض دو ملازم رہ گئے، ان ھی ایام میں مرزا یوسف بیمار ہوئے اور چل بسے۔ بدقت پڑوسیون نے گھر کی چادرون میں کفنا کر محلہ کی مسجد میں دفنا دیا۔ جب یہ ھنگامہ فرو ہوا، تو غالب کے پاس کھانے پینے کو کچھ نہ رہا۔ پنشن بند تھی۔ گھر کا سامان بیچ بیچ کر پیٹ

بھرتے رہے۔ جب ہندوؤں کی آبادی کا حکم ہوگیا تو غالب کے ہندو دوست ان کے ساتھ سلوک کرتے رہے۔ کافی عرصہ تک مستقبل بالکل تاریک رہا پھر پنشن کی بحالی کے لئے تگ و دو شروع ہوئی ، آخر ۱۸۶۰ع میں پنشن بحال ہوئی اور ۱۸۶۳ع میں بہت کوششوں کے بعد خلعت و دربار بھی بحال ہوگئے۔

(۵) اس تمام ہنگامہ کے دوران غالب کے رویے میں ایک عجب توازن اور وقار نمایاں ہے چاروں طرف آشوب قیامت برپا تھا لیکن غالب بغیر کسی ہراس اور بدحواسی کے ، ہر حادثہ کے لئے تیار اپنے گھر میں بیٹھے رہے۔ نہ دیسی لشکر کے تسلط اور اقتدار کے زمانہ میں قلعہ میں گئے ، نہ فتح دہلی کے بعد گھر چھوڑ کر بھاگے ، نہ انگریز حاکموں سے جا کر ملے۔ گویا دلی کی بربادی ، اور دوستوں کی تباہی اور خود اپنی مصیبتوں کا تماشہ دیکھتے رہے۔ انسان دوست دل خون ہوتا رہا لیکن خود داری اور خویشتن داری میں فرق نہ آیا۔ بلکہ اپنے آپ پر ہنستے رہے۔ گرفتار ہوکر انگریز کرنل کے سامنے جب پیش ہوئے اس وقت بھی ظرافت نے ساتھ نہ چھوڑا۔ یہ بھی ایک تسلیم و رضا کی منزل تھی جہاں تک وہ روحانی تربیت کے ذریعہ نہ سہی ذہنی تربیت کے ذریعہ ، زندگی کے بہت سے تلخ تجربوں میں سے نکل کر پہنچے تھے۔ انکی ذہنی تربیت ہنگامہ کے رونما ہونے تک پختہ ہوچکی تھی۔ اسی لئے اس ہنگامہ کے برپا ہونے پر نہ انہیں حیرانی ہوئی، نہ یہ انکی زندگی میں کوئی موڑ ثابت ہوا بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ ہر حادثہ کے لئے تیار بیٹھے

ہوں۔ خواہ وہ مرگ ناگہانی ہی کیوں نہ ہو۔

غدر کے بعد زندگی کے آخری دس گیارہ سال میں غالب مسلسل بیماریوں کا شکار رہے، خطوط میں کہیں درد قولنج کا ذکر ہے، پھر ہاتھ پر پھوڑے نکل آئے اور یہ پھوڑے تمام جسم پر پھیل گئے۔ پاؤں پر ورم آگیا۔ ذیابیطس، فساد خون، اور احتراق کے عوارض لاحق ہوگئے، عمر کے ساتھ ضعف اور ضعف کے ساتھ تکلیفیں بڑھتی گئیں۔ خوراک بہت کم ہوگئی تھی، کانوں سے بہت اونچا سنائی دیتا تھا۔ ایک آنکھ کی بینائی بہت کم ہوگئی تھی۔ مرنے سے دو تین سال پہلے سے چلنا پھرنا موقوف ہوگیا تھا۔ شعر و سخن سے دلچسپی اخیر عمر تک قایم رہی۔ زندہ دلی اور ظرافت نے مرتے دم تک ساتھ نہ چھوڑا۔ ہر سال اپنے مرنے کی تاریخ لکھ کر موت کا انتظار کرتے تھے اور اس کے نہ آنے کی اپنی شوخ بیانی سے توجیہ کرتے تھے۔ مرنے سے کچھ دن پیشتر اکثر اوقات بے ہوشی طاری رہتی تھی پھر کچھ ہوش میں آ جاتے اور افاقہ ہو جاتا۔ یہ شعر اکثر ورد زبان رہتا تھا:

دم واپسین بر سر راہ ہے
عزیزو اب اللہ ہی اللہ ہے

آخر پندرہ فروری ۱۸۶۹ع کو تہتر برس اور چار ماہ کی عمر میں وفات پائی اور حضرت نظام الدین رح کی بستی میں خاندان لوہارو کے قبرستان میں سپرد خاک ہوئے۔

رشک عرفی و فخر طالب مرد
اسداللہ خان غالب مرد

۶۔ توازن اور پختگی

کلام غالب کے ابتدائی دور میں خود پرستی کے شدید جذبہ اور تکلف اور التزام کے ساتھ اپنی انفرادیت کے اظہار کی کوشش نمایاں خصوصیت ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک نوجوان جس کو دنیا کا تجربہ کم اور اپنی صلاحیتوں پر اعتماد زیادہ ہے کچھ ذہنی کرتبوں اور لفظی عجوبوں کے چیلنج سے لوگوں کے دماغ کو ماؤف اور نگاہوں کو خیرہ کر کے اپنی برتری کا اعتراف کروا رہا ہے اور تحسین و آفرین کا خراج وصول کرنا چاہتا ہے۔ اس مشغلہ میں اس کا شغف اس لئے اور بھی بڑھا ہوا ہے کہ ایک تو اسکو اس مشغلہ سے فطری مناسبت ہے اور دوسرے لے دےکر خود نمائی کا ایک یہی میدان اس کے لئے رہ گیا ہے۔ ورنہ پہلے وہ رئیس ہے اور بعد کو شاعر.

اکبرآباد (آگرہ) سے دلی آکر ان کو ایک کشادہ تر اور وسیع تر علمی اور ذہنی فضا سے واسطہ ہوا۔ غالب کی فطرت کی زندگی اور بیداری کی ایک دلیل یہ ہے کہ ان میں اپنے ماحول سے اپنے مزاج کے موافق اثرات کو اخذ و قبول کرنے کی اور ان اثرات کو اپنی ذہنی تعمیر میں جذب کرنے کی غیر معمولی صلاحیت تھی۔ اب انہوں نے فارسی شاعری کی شاہراہ سے ذرا دور ہٹے ہوئے ایک حسین اور تاریک گوشے سے نکلکر ان بڑے فارسی شعرا سے کسب فیض کیا جن کا ادبی تاریخ میں ایک اہم مقام ہے۔ اب شاعری کے مشغلہ میں ایک گہری سنجیدگی پیدا

ہونی شروع ہوئی جس کا اثر ان کی فارسی اور اردو شاعری میں نمایان ہے ۔ مشاہدات سفر سے ان کا ذہنی افق بھی وسیع تر ہوا ، ساتھ ہی ساتھ انکی ریاست کے خواب بھی بیم و رجا کی ایک طویل کشمکش کے بعد ختم ہونے شروع ہوئے ، یہ نہیں کہ غالب نیرنگ تمنا سے باھر نکل آئے ۔ یا انکی نگاہ میں اس زندگی کی دلچسپیون اور آسائشون کی کشش کم ہوگئی لیکن ان کو یہ حقیقت دریافت ہوگئی کہ دنیا میں تمام تمنائیں پوری نہیں ہوا کرتیں ۔ اور کسی حقیقت کا صحیح معنون میں دریافت ہونا ہی اس کو قبول کرنا اور اسکی تلخی کا مداوا ہے ، اس فسخ عزائم سے غالب خدا کو تو نہیں پہچانے ، خود کو پہچان گئے ، خدا کے سامنے تو آئینہ نہیں بنے زندگی کے بالمقابل آئینہ بن گئے ، ولی نہیں بنے ، صحیح معنی میں دانشور بن گئے ، اور دانشور بننا ہی ان کا مقدر تھا ۔ جب غالب اپنے آپ کو آئینۂ راز کہتے ہیں تو انکی مراد اس راز سے نہیں ہوتی جس کی کوئی صوفی جستجو کرتا ہے بلکہ وہ راز جس کو ایک — دانشور — دریافت کرنے کی کوشش کرتا ہے اور زیادہ وضاحت کرنے کے لئے وہ اپنے آپ کو — محرم راز نہان روزگار — ، یا — راز دان خوئے دہر — کہتے ہیں ۔

غالب کی خارجی زندگی میں قمار بازی کے الزام میں ان کا گرفتار ہونا بڑا پندار شکن دھکا ہے ، خارجی زندگی اور ذہنی نشوو نما میں ایک گہرا تعلق ہے ، لیکن یہ تعلق دو متوازی خطوط کا سا سیدھا سادھا تعلق نہیں ہوتا ۔ خارجی حوادث کے

عمل سے زیادہ اہم ذہنی رد عمل ہے ، اور یہ ذہنی رد عمل خود بہت کچھ ذہنی کیفیت اور تربیت پر منحصر ہے۔ عمل ایک واقعہ ہے، رد عمل ایک تجربہ ہے۔ تجربہ ایک حرکت ہے۔ واقعہ اور تجربہ کے مابین دو قریب المعنی لفظوں کا فاصلہ نہیں ہے بلکہ قلب ماہیت کا فرق ہے۔ ذہنی زندگی کا عمل نشوو نما میں محسوس ہوتا ہے لیکن اس میں سنگ میل نہیں ہوتے۔ تمام قدیم شاعروں میں غالب ہی ایک ایسے شاعر ہیں جنکی مختلف زمانہ کی شاعری میں بین طور پر ایک ذہنی ارتقا پایا جاتا ہے ، اس ذہنی ارتقا کے ساتھ ساتھ ان کے فن میں بھی تبدیلی ہوتی گئی ، ہم ان فنی خصوصیات کو اپنے موضوع سے باہر رکھتے ہیں ۔ مختصراً یہ کہنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ ان فنی تبدیلیوں کی سمت رنگین پیچیدگیوں سے پرکار سادگی کی طرف ہے ۔ قدیم شاعروں میں — ارتقا — جیسی کسی چیز کے نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان شاعروں کے لئے شاعری حقیقت کے اظہار کی کوشش تھی۔ غالب کی شاعری کا مرکز — انا — ہے ۔ حقیقت کی کوئی تاریخ نہیں ہوتی ، اور — دھر — اور — روزگار — کے تعلق میں — انا — خود ہی تاریخ ہے ۔

غالب کے لئے اپنے آپ کو دنیا سے علیحدہ کر کے دنیا کا تماشا دیکھنا بلکہ — اپنا آپ تماشائی بننا — خود پرستی سے نکلکر ایک طرح کی خود شناسی تک اور کشمکش سے نکلکر توازن اور پختگی کی منزل تک پہنچنا ہے ۔ یہ دانشورانہ رویہ نہ صرف زندگی کے حوادث کا مقابلہ کرنے میں ظاہر ہوتا ہے بلکہ

بھی ان کے بعد کے کلام کی جان ہے ۔

انکی عشقیہ شاعری میں وہ خود سپردگی ، وہ مانوسیت ، وہ معصومیت اور سوز و گداز اور انبساط جو مثلاً میر کی عشقیہ شاعری کی خصوصیات ہیں ، نہیں ملتیں ، انکی بجائے لطف و لذت اور رشک و حرمان سے لگا کر مغالرت اور استہزا اور لاحاصلی تک تمام تجربوں کی ترجمانی ملتی ہے ۔ ایک قوم یا کسی شاعر کی عشقیہ شاعری کا اس بات سے گہرا تعلق ہے کہ اس کا کائنات اور خدا سے کیا رشتہ ہے۔ میر اور غالب کی عشقیہ شاعری کا فرق وہ بے معنی فرق نہیں ہے جو جذباتی شاعری اور فکری شاعری میں بتایا جاتا ہے۔ بلکہ فرق عشق کے معنی کا ہے۔ یعنی عشق ادراک حقیقت کا واحد ذریعہ ہے یا نیرنگ صورت ہے ۔ معنی یا حقیقت ایک وحدت ہے ۔ — انا — کائنات اور خدا میں رشتۂ اتصال ہے۔ — انا — کو علیحدہ کرنے سے — انا — اور کائنات اور خدا میں ایک تثلیث پیدا ہو جاتی ہے اور ان کے باہمی تعلقات میں ایک خارجیت پیدا ہو جاتی ہے ۔ اسی — انا — کو علیحدہ کرنے کا نتیجہ یہ ہے غالب کی عشقیہ شاعری کے انداز میں ڈرامائیت پیدا ہوگئی ہے ۔

غالب کے کلام میں تصوف کے مضامین بہت کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ بقول حالی — توحید وجودی کے مضمون کو انہوں نے جس قدر اصناف سخن میں بیان کیا ہے غالباً نظیری اور بیدل کے بعد کسی نے بیان نہیں کیا — توحید وجودی پر ان کا عقیدہ پختہ تھا۔ لیکن تصوف انکا ذہنی ماحول تھا، انکا ذہنی مزاج نہیں تھا

انکی شاعری کی فطرت نے ان خیالات اور عقائد کو جو ماحول
میں جاری و ساری تھے محسوس کیا اور استعارہ کی زبان میں ا
کا اظہار کیا۔ شاعر کا کمال ان فلسفیانہ خیالات میں نہیں ہے
بلکہ خیالات کو فلسفہ سے شعر میں منتقل کرنے میں ہے۔ فلسفیانہ
خیالات سے قطع نظر بہت کم شاعروں کی نگاہ نے انسانی تعلقات
کے اتنے وسیع قطعہ کا احاطہ کیا ہے جتنا غالب نے کیا ہے اور
اکثر جگہ معاملات سے گذر کر نفسیاتی حقیقتوں تک پہنچنے کی
کوشش نمایاں ہے۔ اس مشاہدہ میں تشکیک جو حیرت و استعجاب
کا ایک پہلو ہے تازگی پیدا کرتی ہے اور ظرافت جو کسی معاملہ
کو بیک وقت دو مختلف نقطۂ نظر سے دیکھنے کی صلاحیت ہے
ایک شوخی اور وسعت پیدا کرتی ہے۔ زمانہ کی عادت ہی بے نیازی
ہے، اس کے مقابلہ میں خوئے تسلیم ڈالے بغیر چارہ نہیں، خوئے
تسلیم دانش کا تقاضہ ہے، محض بغاوت سے دانش حاصل نہیں
ہوسکتی۔ لیکن اس خوئے تسلیم میں شوخی اور ظرافت کو شامل
کر کے نہ صرف اس صورت حالات کو گوارا بنایا جاسکتا ہے
بلکہ یہ اپنی حق آزادی کا اثبات بھی ہے۔ یہ دید و دانش کی
پروردہ خوئے تسلیم صوفیا کے مسلک تسلیم و رضا سے بہت مختلف
چیز ہے۔ غالب کا مذہبی تجربہ گہرا اور سچا تھا۔ لیکن وہ
تصوف سے ہٹ کر تھا اور انکے مزاج کے مطابق تھا۔ اس حسین
و دلکش آرزوؤں اور تمناؤں سے بھری ہوئی دنیا میں جو سیل حوادث
کی بھی گذر گاہ ہے، جس میں غالب بیک وقت مبتلا بھی ہیں اور
جس کے تماشائی بھی ہیں انکے لئے مضبوط سہارا توحید وجودی

کے اندر یقین اور نبی؀ اور آل نبی؀ خصوصیت سے حضرت علی[۴] سے عقیدت ہے۔ کیونکہ — کعبہ آزادوں کی جائے پناہ اور نام علی[۴] فارغ البال رہنے کی راہ ہے —

غالب کو اپنے زمانہ سے ناقدری کی اکثر شکایت رہی۔ گو کہ غالب اپنے زمانہ میں بھی ایک بڑے شاعر کی حیثیت سے بہت شہرت پا چکے تھے۔ لیکن آج جب کہ زندگی کی کسی ایسی روایت سے ہم بہت دور ہٹ گئے ہیں جو انسان اور اسکی کائنات میں ایک ربط قایم کر سکے۔ جب کہ زندگی بجائے ایک تجربہ کے مسئلہ بن گئی ہے اور اس مسئلہ کا کوئی حل ہمارے پاس نہیں، جب زندگی کی رنگینیوں اور محرومیوں میں حیرت انگیز طور پر اضافہ ہو رہا ہے، جب آرزوؤں کی کشمکش اور قدروں کے انتشار میں پاؤں جما کر کھڑا ہونا اور اپنی دنیا کو دیکھنا اور سمجھنا مشکل ہوگیا ہے، غالب ہمیں دیگر تمام شاعروں کے مقابلہ میں اپنے زمانہ کے طرز احساس سے بہت نزدیک نظر آتے ہیں، اور آج غالب کی صد سالہ برسی کے موقعہ پر ہم غالب کو دنیا کے سامنے اس یقین کے ساتھ پیش کرتے ہیں کہ ان کے کلام میں دنیا کو کوئی پیغام ملے یا نہ ملے لیکن اپنے دل کی دھڑکنیں ضرور سنائی دیں گی۔

● ●

غـالـب

سپ چڱو جنهن کي چون

اردو:- پروفيسر ڪرار حسين

مترجم سنڌي :- يوسف شاهين

١- معاشرتي پس منظر

غالب جي زماني جو معاشرتي ماحول هاڻوڪي زماني کان گهڻو مختلف هو. نه رڳو ان خيال کان ته وقت گذرڻ سان گذو گذ تبديلين جو اچڻ لازمي آهي، بلڪ ان ڪري به ته اسان جي ۽ تڏهوڪيءَ دنيا جي وچ ۾ سياسي، سماجي ۽ فڪري انقلاب جي وڏي ڳاهي پيدا ٿي چڪي آهي. تاريخ جي تصور وسيلي ان زماني جي سماج جا ڪجهه اهڃاڻ اجاگر ڪرڻ لاءِ، اسان ڪي ڪي ڳالهيون پنهنجي ذهن ۾ رکنديون پونديون.

(١) بر صغير پاڪ - هند ۾ جيڪي مسلمان آيا، سي مختلف نسلن سان تعلق رکندڙ هئا— جهڙوڪ عرب، ترڪ، ايراني، پٺاڻ، وغيره. خاص طور، واپارين جي طبقي کان سواءِ، جيڪي گهڻو ڪري عرب هئا، ترڪ ۽ ايراني عنصر انهن ٻاهران آيل مسلمانن جي ثقافت جو غالب عنصر هو. اهي حڪمران، سپاهي، عالم ۽ صوفي بزرگ هئا. پر اهي جنهن به حيثيت سان آيا، بر صغير ۾ آباد ٿيڻ لاءِ آيا. ٻه-ٽي نسل گذرڻ کان پوءِ پنهنجي اباڻي وطن سان انهن جا واسطا ۽ ناتا ڪمزور ٿي ويندا هئا، ۽ اهي نيٺ هتي جا ئي رهواسي بڻجي ويندا هئا. هتي جي مقامي آباديءَ جو وڏو تعداد، ذات پات جي سماجي نظام کان الڳ ٿي، دين اسلام قبول ڪري، هن ملت ۾ شامل ٿيندو ويو. بر صغير پاڪ - هند دنيا جي وڏي حصي تي ڦهليل آهي، جتي جي آبادي مختلف نسلن سان تعلق رکي ٿي، جدا جدا ٻوليون ڳالهائي ٿي، ۽ مخصوص علائقائي تهذيبن جي

جـدا جدا ماحول ۾ گذاري ٿي. ان ۾ وحدت ۽ هڪجهڙائيءَ ج
ڪمي آهي. مسلمان رفتي رفتي هر علائقي ۾ پهچي ويا.

(٢) هند ـ مسلم معاشري ۾ بادشاهن ۽ اولياءَالله کي هـ
مرڪزي مقام حاصل رهيو آهي، بلڪ ائين چئجي ته هن معاشري
۾ قطب يا مرڪز آهن: هڪ دربار، ۽ ٻيو خانقاه. اهي هڪٻ
جي مقابل نه آهن، ته هڪٻئي جي تڪميل نه ڪن ٿا. انهيءَ ڇڪتا
۾ مسلم معاشري جي زندگي آهي. اسان جي ادب جو بهترين حص
دربار ۽ خانقاهن جي اثرن جي پيداوار آهي. دربار هـڪ سياس
مرڪز ئي نه هئي، بلڪ هـڪ ثقافتي مرڪز پڻ هئي. هر صوبي
ننڍي پيماني تي دربار جو هـڪ نمونو قائم ڪيل هـو. ٻئي طـرف
ايڏي ئي پيماني تي ملڪ جي ڪنڊ ڪڙڇ ۾ عالم ۽ اولياءَالله پکڙج
ويا هئا. زندگيءَ جي عام ڏي وٺ ڪان سواءِ اهي ٻه ذريعا هئا، ج
سان هـڪ طرف مسلم معـاشري ۾ ثقافتي مرڪزيـت ۽ هڪجهڙائ
قائم ٿي رهي هئي، ته ٻئي طرف اها ثقافت غير مسلم تهذيب جي ويجه
اچي، آن تي اثرانداز ٿي رهي هئي.

(٣) دربار ۽ خانقاه جي وچ ۾، مسلم معاشرو عام ۽ خـاص
جي طبقن ۾ تقسيم ٿيل هو. خاص طبقي ۾ امير ۽ ٻيا خانداني ماڻه
اچي ٿي ويا. مقامي سردار به ان طبقي ۾ شامل هئا. هي طبقو ذا
پات جي حدبندين ۾ قيد نه هو. عـوام ڪنهن نه ڪنهن حيثيت سا
ان طبقي سان وابسته هو. هن طبقي جو هڪ خاص ڪلچر هو. انه
وٽ قلم جي قـوت به هئي، ته تلوار جي طاقت به. دنيادار به هئا،
ديندار به. رزم جا ڌڻي ۽ بزم جي رونـق هئا. نهايت اعليٰ ادبـي
جمالياتي ذوق رکندڙ، علم دوست ۽ فن پرور هئا. اهي معاشري ج
جاندار اقليت هئا. تاريخ، هن ئي طبقي جي تاريخ آهي. ثقافتي ا
انهن منجهان ئي شروع ٿي، عوام جي هر درجـي ۾ ڦهلجي ۽ جذ
ٿي ويندا هئا.

(٤) هن معاشري جي تهذيبي زبان فارسي هئي، جيڪا هر علائقي جا پڙهيل لکيل مسلمان بلڪ مسلم تهذيب ڪان متاثر ٿيل غير مسلم به ڄاڻندا هئا. مدرسن جو تعليمي نظام پڻ ذري گهٽ هڪجهڙو ئي هو. برصغير جو ڪوبه علائقو اهڙو نه هو، جتي فارسيءَ ۾ ادبي تخليقون موجود نه هجن. فارسي زبان ۾ تعليم ۽ تربيت ٿوري ادب ۽ تخليق جون اهي روايتون مختلف علائقائي ادبن ۽ ثقافتن جي وچ ۾ رابطي پيدا ڪرڻ جو ڪم ڪنديون هيون.

ارڙهين ۽ اڻويهين صديءَ ۾ مسلم معاشري کي ڪن زبردست تاريخي تقاضائن کي منهن ڏيڻو پيو. بادشاهن جي نااهليءَ ۽ عيش عشرت، ۽ مٿانهين طبقي جي خود غرضيءَ، خانہ جنگيءَ ۽ هڪٻئي تي برتري حاصل ڪرڻ جي ڪارروائين سبب، معاشري جو سياسي مرڪز ڪمزور پوندو ويو. هندستان جون غير مسلم طاقتون اڀرڻ لڳيون، ۽ مرهٽا، سک، جاٽ وغيره پنهنجون پنهنجون خودمختيار حڪومتون قائم ڪندا ويا. اهو ته بهرحال برصغير جو داخلي مسئلو هو، جيڪو هن ريت حل ٿي رهيو هو جو مسلمان به مختلف صوبن ۽ علائقن ۾ پنهنجيون جدا جدا خودمختيار حڪومتون قائم ڪندا ويا ـــ جهڙوڪ اوڌ، روهيلکنڊ، بنگال، حيدرآباد، ميسور، سنڌ، وغيره. پر انهن اڳيان هڪ زبردست چئلينج هي هو ته يورپي طاقتون، خاص طور تي انگريز، تجارتي سرگرمين ڪان اڳتي وڌي، ملڪ ۾ سياسي اقتدار ۽ تسلط قائم ڪرڻ لاءِ هٿ پير هڻڻ لڳا هئا. ان چئلينج جو پراڻي معاشري وٽ ڪوبه جواب نه هو، ڇاڪاڻ ته اهو هڪ اهڙيءَ دنيا سان ٽڪر هو، جنهن کي هتي جا رهواسي پوري طرح سمجهي به نٿي سگهيا، ۽ جيڪا تمام منظم، مستعد، جارحانہ ارادن واري، ۽ اثرائتن سائنسي طريقن سان ليس هئي. پر ائين سمجهڻ ته ڪو اهو مسلمانن

لاءِ هرڪنهن ميدان ۾ زوال ۽ تنزل جو دور هو، صحيح نہ ٿيندو. اول تہ مسلمان انهن حالتن خلاف شعوري يا نيم شعوري طور تي پنهنجي جدوجهد جاري رکندا آيا. تنهن کان سواءِ انهن نين قائم ٿيل حڪومتن بہ ملڪ ۾ ڪيترائي نوان ادبي ۽ ثقافتي مرڪز قائم ڪيا، جن ۾ لکنؤ ۽ حيدرآباد خاص طور تي ذڪر لائق آهن. ان ئي زماني ۾ بہ اهڙيون تحريڪون شروع ٿيون، جن کي اسين بجا طور تي نئين زندگيءَ جي علامت قرار ڏيئي سگهون ٿا.

پهرين تحريڪ ديني تحريڪ هئي. ديني فڪر ۽ درس و تدريس جو جيترو ڪم دهليءَ ۽ لکنؤ ۾ ان زماني ۾ ٿيو، اوترو هن کان اڳ ڪڏهن بہ نہ ٿيو هو. ان سلسلي ۾ خاص طور تي شاهہ ولي الله جي تحريڪ قابل ذڪر آهي. مرڪز جي ڪمزور ٿيڻ کان پوءِ، نين پيدا ٿيل حالتن ۾، دين جي بنيادي اصولن مان هدايت ۽ رهنمائي حاصل ڪرڻ جي ڪوشش ڪرڻ ۽ اصلاح جو رخ دربار کان موڙي ملت ڏانهن ڪرڻ، اهو ان زماني جي بلڪل صحيح ۽ گهري شعور جي شاهدي ڏئي ٿو.

ٻي تحريڪ، اردو زبان جو اسرڻ ۽ فروغ حاصل ڪرڻ آهي. هڪ نئينءَ زبان جو پيدا ٿيڻ، وڌڻ ۽ ويجهڻ ڪنهن وڏي ۾ وڏي سياسي واقعي کان وڌيڪ با معنيٰ تاريخي حقيقت آهي. اردو زبان ۽ ادب جو ان ريت اُسرڻ، هند-مسلم معاشري ۾ خوديءَ جي پختگيءَ ۽ بيداريءَ جي علامت ۽ هڪ نئينءَ خود اعتماديءَ سان پيدا ٿيل صلاحيتن جو اظهار آهي. معاشري جي ٻنهي اهم مرڪزن، يعني بادشاهي دربارن توڙي عالمن ۽ صوفين جي سرپرستي هن زبان کي حاصل رهي. ان جي تقدير اها هئي تہ هيءَ غير مسلم برادرانِ وطن سان واسطيداريءَ ۽ اتحاد جو وسيلو بڻجي، ۽ فارسيءَ سان تعلق

لوڙن کان سواءِ، مختلف علائقائي ثقافتن جي وچ ۾ ميلاپ جو اهو درجو حاصل ڪري، جيڪو ڪنهن زماني ۾ فارسيءَ کي حاصل هو.

جنهن زماني ۾، اهڙيون ۽ وڏنديون وڌندڙ ويجهندڙ تحريڪون پيدا ٿيون هجن، تنهن کي هروڀرو زوال جو زمانو ـ ذڪن ڪمفهمي آهي.

جڏن ته اردو زبان ۽ ادب جي فروغ جو زمانو اهو آهي، جنهن ۾ هند ـ مسلم معاشرو تهذيب جي گهڻين ئي ارتقائي منزلن کان گذري چڪو هو ۽ پڻ علم ۽ ادب جي ڪن خاص شعبن ۾ ترقي ڪري چڪو هو، تنهن ڪري اردو زبان ۾ تمام جلد پختگي اچي ويئي. هاڻ ائين ٿو معلوم ٿئي ته روز ازل کان وٺي هن زبان ۾ علم ڪلام جي منطقي باريڪين ۽ شاعرانه احساس جي نزاڪتن ۽ لطافتن جي اظهار جون صلاحيتون موجود هيون. ڪنهن به معاشري جي ثقافتي مزاج کي سمجهڻ لاءِ، ان معاشري جون عوامي، ادبي ۽ فني تحريڪون گهڻي قدر مدد ڏين ٿيون. هن معاشري جو مخصوص ادارو ”معاشرو“ آهي، جنهن جا پنهنجا مخصوص آداب ۽ طور طريقا آهن، جنهن ۾ هڪ طرف بادشاهه ۽ صوفي بزرگ شريڪ ٿين ٿا ته ٻئي طرف عوام، ۽ جنهن جي حيثيت ان معاشري ۾ ايتري ئي مرڪزي آهي، جيتري ايلزابيٿ جي زماني ۾ لنڊن جي ٿيٽر جي. شاعر هر ملڪ ۾ هر زماني ۾ ٿيندا آيا آهن، پر شايد ٻيءَ ڪنهن به تهذيب اهڙو ادارو پيدا نه ڪيو آهي.

٢- اڪبر آباد (آگره)

غالب ترڪ نسل مان هو. هن جو ڏاڏو قوقان بيگ ارڙهين صديءَ جي وچ ڌاري سمرقند کان برصغير ۾ آيو. هند مسلم معاشري

۾ ابتري ڪشش ۽ ڪشادگي هئي جو ايراني يا توراني نسل جا جيڪي به اعليٰ خاندان جا فرد، سپاهي يا شاعر يا علم يا ٻي ڪنهن فن جا ماهر هتي آيا ته انهن کي هن معاشري ۾ پنهنجو مقام حاصل ٿي ويندو هو. غالب جي ڏاڏي جي زبان ترڪي هئي. هو اردو ۽ فارسي زبان نه ڄاڻندا هئا مگر غالب جيڪو هنن جي هتي اچڻ کان چاليهه سال بعد پيدا ٿيو اهو هتي جي فارسي ۽ اردو ادب جي تاريخ ۽ هند-مسلم ثقافت جو جزو لاينفڪ بنجي ويو.

سياسي انتشار ۽ طوائف‌الملوڪي جي هن دور ۾ جڏهن برصغير ۾ ڪيترين ئي رياستون مسلمانن، مرهٽن ۽ انگريزن جون ٿي ويون ۽ هر رياست جدا جدا پنهنجي فوج رکي ته سپاهگيري به هڪ پيشو بنجي ويئي ۽ ان فن جا ماهر قومي عصبيت، يا وفاداريءَ جي جذبن کان هٽي مختلف حڪومتن ۾ قسمت آزمائڻ ۽ مهرجوئي ڪرڻ لڳا. مرڪز جي ڪمزور ٿيڻ سان ئي شريفن مان شرافت ۽ وفاداريءَ جو معيار ذاتي رهجي ويو. غالب جو ڏاڏو سمرقند مان اچي لاهور ۾ نواب معين‌الملڪ جي سرڪار ۾ ملازم ٿيو. هن جي انتقال کان پوءِ شاهه دهليءَ وٽ ملازمت ڪيائين. ان زماني جي دستور مطابق هن جي ۽ سندس خاندان جي خرچ پکي پوري ڪرڻ لاءِ ڪيس هڪ پرڳڻو عنايت ڪيو ويو. غالب جو والد عبدالله بيگ اوڌ ۾ آصف‌الدوله جي سرڪار ۾، ۽ ان بعد حيدرآباد جي نظام علي خان جي سرڪار ۾ ڪجهه ڏينهن ملازم رهيو. آگري ۾ خواجه غلام حسين ڪميدان جي ڌيءَ سان هن جي شادي ٿي. خواجه غلام حسين ڪميدان شهر جي چڱن مڙسن ۾ شمار ٿيندو هو ۽ شايد غالب جو والد هن وٽ **گهر داماد** جي طور رهڻ لڳو. آخر ۾ هو ملازمت جي لاءِ الور ويو ۽ اتي ئي ڪنهن لڙائيءَ ۾ مارجي ويو. غالب

جو چاچو وڏيڪ باحيثيت شخص هو. مرهٽن طرفان آگري جو صوبيدار رهيو ۽ بعد ۾ جڏهن انگريزن آگرو فتح ڪيو ته انگريزن جي فوج ۾ رسالدار بڻجي ويو ۽ سندس ذات ۽ رسالي جي خرچ پکي لاءِ ڪيس ۾ پرڳڻا سجي چمار واسطي مقرر ڪري ڏنا ويا. هن جو ڪنهن حادثي ۾ انتقال ٿيو.

غالب ٢٧ ڊسمبر ١٧٩٧ع ۾ پنهنجي ناني جي گهر پيدا ٿيو، سندس نالو اسدالله خان هو. مرزا نوشاه عرف، ابتدا ۾ اسد تخلص طور استعمال ڪندو هو بعد ۾، غالب ۽ ڪڏهن ڪڏهن اسد پڻ. هي جڏهن پنجن ورهين جو هو ته سندس والد انتقال ڪري ويو. نون سالن جي عمر ۾ هنجو چاچو جيڪو هنن جي پرورش ڪندو هو اهو به گذاري ويو. هنجو سمورو ننڍپڻ سندس ناني جي گهر ۾، تمام عيش و آرام بلڪ آزادانه ماحول ۾ گذريو. رانديون روندليون، لغڙ بازي، شطرنج، سندس عمر جي چگن مڙس سان صحبتون، ۽ ان کان علاوه شعر و شاعري، شمع - دل جون ڳالهيون، مطلب ته اهي سڀئي اميرانا شغل بنا ڪنهن جهل پل جي ڪندو رهندو هو. ان وقت اميرزادن کي گهرن ۾ تعليم ڏيڻ جي عام رسم هئي. ڪجهه روايتن مطابق هنن آگري جي هن استادن شيخ محمد معظم ۽ مشهور شاعر ميان نظير اڪبر آبادي وٽ تعليم حاصل ڪئي. ان سلسلي ۾ غالب هڪ پارسي ايرانيءَ جو ذڪر پڻ ڪيو آهي جنهنجو آتش پرستيءَ جي زماني ۾ هرمزد نالو هو ۽ مسلمان ٿيڻ کانپوءِ هنکي عبدالصمد سڏيندا هئا. اهو شخص سياح بنجي ١٨١٠ع ڌاري آگري ۾ آيو ۽ ٻن سالن کان وڌيڪ عرصي تائين هو غالب جي صحبت ۾ رهيو. بقول غالب مومن، موحد ۽ صوفي بزرگ هو — استاد بي مبالغه جا ماسپ عهد و بزرجمهر عهد" هو. جهڙي طرح غالب جي ڪلام مان ظاهر ٿئي ٿو.

غالب ان زماني ۾ رائج علم منقول، منطق، فلسفہ کان بخوبي واقف هو ۽ جئن تہ "فارسي زبان سان لاڳاپو ۽ شعر و سخن جو ذوق فطري و طبعي هو" ان ڪري فارسي زبان جي تاريخ و مزاج ۽ آئين جي رمزن سان غيرمعمولي حد تائين واقف ۽ ڪجھ وقت جي فارسي شاعريءَ جي روح جو علم رکندو هو. اردو زبان ۽ ادب جو علم ڪتابي نہ بلڪ هڪ ماحول جو حصو هو.

غالب جي شادي تيرهن ورهين جي ڄمار ۾ دليءَ جي هڪ ممتاز خاندان مان فخرالدولہ نواب احمد بخش والي فيروزپور جهرڪ و رئيس لوهارو جي ننڍي ڀاءُ نواب الاهي بخش خان معروف جي صاحبزادي امراؤ بيگم سان ٿي. هي خاندان بہ غالب جي خاندان وانگر ۽ تقريباً انهيءَ ئي زماني ۾ سمرقند کان آيو هو. انگريز جنرل لارڊ ليڪ جي معيت ۾ جنهن دلي ۽ آگري مان مرهٽن جو اقتدار ۽ تسلط ختم ڪيو، نواب احمد بخش وڏيون شاندار خدمات انجام ڏنيون جنهنجي صلي ۾ کيس ميوات واري علائقي مان فيروزپور جهرڪ جي رياست ملي ۽ لوهارو کي بعد ۾ رياست ۾ شامل ڪيو. شاديءَ کان اڳ بہ غالب جي خاندان جا لوهارو خاندان وارن سان پنهنجائيءَ وارا تعلقات ٿي چڪا هئا. هنن جي چاچي نصرالله بيگ جي شادي نواب احمد بخش ۽ نواب الاهي بخش جي ڀيڻ سان ٿي هئي ۽ هن جي مرڻ کان پوءِ هن جي وارثن جي سار سنڀال پرورش (جنهن ۾ غالب بہ شامل هو) انگريز سرڪار طرفان نواب احمد بخش جي سپرد ڪئي ويئي هئي.

شاديءَ کان بہ ٻي سال پوءِ لڏي وڃي دهليءَ ويٺو. ڪجھ سالن تائين تہ سندس آگري اچڻ وڃڻ ٿيندو رهيو. سندن والده، جيڪا

آگري ۾ ئي هئي، سا سنڌس مالي امداد به ڪندي رهي. آهستي آهستي آگري سان هن جو تعلق گهٽبو ويو، تان جو ١٨١٧ع ڌاري هو مستقل طرح دهليءَ جو رهاڪو ٿي ويو.

آگرو، جيڪو مغل بادشاهن جي زماني ۾ گاديءَ جو هنڌ رهي چڪو هو، سو هاڻ پنهنجي مرڪزيت ۽ عظمت وڃائي چڪو هو. اهو معاشرو جنهن کي مغل دربار فروغ ڏنو هو، تنهن جي موجود هئڻ جي باوجود آگري مان هاڻي اها اڳين رونق ۽ اهو اوج ختم ٿي چڪو هو. غالب ان کي "آبادچهء ويران" ۽ "ويرانهء آباد" چيو آهي. سنڌس جنهن نسل سان تعلق هو، ان جي خصوصيتن ۾ عيش پرستي، وڏماڻهپائي ۽ ذاتي شهرت جون ڳالهيون شامل هيون. نالي ناموس ۽ شهرت حاصل ڪرڻ لاءِ آگرو هڪ ننڍو علائقو هو. دهليءَ کي وري به مرڪزيت حاصل هئي. ان جي نالي ۾ هڪ ڪشش هئي. تنهن کان سواءِ، باوجود ان جي ته غالب جو تعلق آگري ۾ هڪ خوشحال خاندان سان هو ۽ سنڌس نالي جو شمار شهر جي وڏن ماڻهن ۾ ٿيندو هو، غالب ان گهراڻي ۾ وارث منجهان نه، بلڪ وسيلي وارن مان هو. شايد ان گهراڻي جي خوشحاليءَ ۾ به فرق اچڻ شروع ٿي ويو هو، ۽ سندن ناني جي ملڪيت وڪامجڻ لڳي هئي. لوهارو خاندان ۾ شادي ٿيڻ کان پوءِ هن جا تعلقات دهليءَ سان وڌيڪ ويجها ٿي ويا. اهڙيءَ ئي قسم جي حالتن کيس آگرو ڇڏائي، دائمي طرح دهليءَ ۾ رهڻ تي مجبور ڪيو.

شاعريءَ سان سندس شوق آگري ۾ ئي شروع ٿي چڪو هو. اٺن نون سالن جي عمر ۾ اردوءَ ۾، ۽ يارهن ٻارهن سالن جي عمر ۾ فارسيءَ ۾ شعر جوڙڻ شروع ڪرڻ لڳو هو. آگري ۾ رهڻ واري وقت ۾ ئي هو آتي جي ادبي حالتن ۾ شاعر جي حيثيت سان روشناس

ٿي چڪو هو، ۽ ان زماني جي تذڪرن ۾ سندس نالو اچڻ شروع ٿي ويو هو. غالب کي شايد سڄي عمر هن ڳالھ جو احساس رهيو ته سندس تعلقات، دوستي ياري ۽ اُن وقت دولت ۽ درجي وارن ماڻهن سان هئڻ جي باوجود، سندس پنهنجي حيثيت هميشه ڏيل رهي. انهيءَ ڪري هو ڪيس مليل خطابن ۽ خلعتن توڙي پنهنجيءَ پينشن کي پاڻ کان — عرف ”مرزا نوشه“ کان — ۾ وڌيڪ عزيز رکندو هو، ۽ پنهنجيءَ شاعرانه حيثيت کان وڌيڪ، پنهنجيءَ نوابي حيثيت کي پنهنجي شخصيت جي حصي بنائڻ تي زور ڏيندو هو. پاڻ هڪ فارسي خط ۾ پنهنجن تمنائن ۽ آرزوئن جو هن ريت اظهار ڪيو اٿس :-

”آه از من که مرا زبان زده و سوخته خرمن فريدند، نه بآئين نياگان خويش سلطان سنجر دارائے کلاه و کمرے، و نه بغير هنگ فرزانگان پيش بو علي آسا علم و هنرے، گفتم درويش باشم و آزادانه ره سپرم - ذوق سخن که ازلی آورده بودم راهزنی کرد و راه بدان فرفته که آئينه زدودن و صورت معنی نمودن نيز کار که نمايان است سر لشکري و دانشوری خود نيست، صوفي گری بگزار، و سخن گستری روئے آر - ناگزير همچنين کردم و سفينه در بحر شعر ... روان کردم - قلم علم شد و تير هاے شکستهء نياگان قلم“

اسان جي معاشري ۾ شعرگوئيءَ جي روايت جو هڪ اهڙو دستور هو، جيڪو مشاعري وانگر انهي ئي معاشري سان مخصوص معلوم ٿيندو هو. اهو دستور هو استادي ۽ شاگرديءَ جو. شعرگوئيءَ ۾ استاد ۽ شاگرد جو ناتو اهڙو هو، جهڙو ڪنهن پيشي يا هنر ۾

استاد ۽ شاگرد جو، يا روحانيت ۾ مرشد ۽ مريد جو. شاعري هڪ هنر ۾ هو، ته نسبت ٻن. بلڪ هنر ۽ نسبت جو اهو فرق به اسانجي ئي ذهن جي پيداوار آهي.

شعر گوئي جو مشغلو ائين هو، جڻ ڪنهن طريقت جي سلسلي ۾ داخل ٿيڻ. ان دستور جي برخلاف، غالب جي شاعريءَ جي ميدان ۾ داخل ٿيڻ ائين هو، جڻ ڪو سورمو هٿيار پنوهار ڪٿي ڪنهن ملڪ ۾ وارد ٿئي ۽ ان کي فتح ڪري وٺي. ڪمال ۽ شهرت حاصل ڪرڻ جا ٻيا طريقا—جهڙوڪ سپاهگيري يا دانشوري يا صوفيپڻو—مسدود ۽ محدود هئا، يا وري سندس مزاج ۽ طبيعت جي خلاف هئا. ٻر سخن جي انهيءَ ذوق جي زور تي، جيڪو ڏٺي تعاليٰ کيس عطا ڪيو هو، سخنوريءَ جي ميدان ۾ هو پنهنجي جولاني ڏيکاري سگهيو ٿي. هيءَ ڳالهه به هڪ معنيٰ رکي ٿي ته ان زماني جي دستور خلاف غالب جو شعر ۽ سخن ۾ ڪوبه استاد ڪونه هو.

غالب هٽي چاٿايل خط ۾ شاعريءَ لاءِ هڪ تمام بليغ فقرو—"آئينه زدودن و صورت معني نمودن"— استعمال ڪيو آهي. "آئينه زدودن" اظهار ۽ آپٽار جو فن آهي، ۽ "صورت معنى نمودن" ۾ ان "معنيٰ" طرف اشارو آهي، جنهنجو اشارو شعر ۾ ٿئي ٿو. روايتي شاعرن جي ويجهو "معنيٰ" جو مطلب آها وسيع حقيقت آهي، جا حواسن جي پهچ کان ٻاهر آهي، ۽ پنهنجيءَ جاءِ تي قائم آهي. هنن وٽ 'معنيٰ آفريني' ڪابه معنيٰ نٿي رکي، جيتوڻيڪ حقيقت جي پرک ۾ بي انتها آونهائي ممڪن آهي. غالب وٽ 'معنيٰ' جو مطلب گهٽي ڀاڱي حسياتي ۽ نفسياتي قسم جي نادر صداقتن جي دريافت يا تشبيهن ۽ اشتعارن وسيلي نون مقصدن ۽ نون مطلبن جي تلاش آهي. 'آئينه زدودن' جو مفهوم به روزمره ۽ محاورن جي وسيلي زبان کي چمڪائي

ان ۾ وڌيڪ اثر ۽ جاذبيت جون صلاحيتون پيدا ڪرڻ نہ آهي، بلڪ نين نين ترڪيبن جي ايجاد ۽ اختراع ڪرڻ آهي، جنجي وسيلي نون ۽ انوکن مضمونن کي شڪار ڪري سگهجي.

شايد انفراديت جي انهن ئي اڻپرندڙ تقاضائن غالب کي ان ڳالھ تي آماده ڪيو تہ اهو اردو زبان ۾ فارسي شاعر مرزا 'بيدل' جي پيروي ڪري. بيدل پنهنجي نادر ۽ غريب ترڪيبن ۽ مشڪل پسنديءَ جي ڪري فارسيءَ جي شاعرن ۾ هڪ منفرد مقام رکندو هو. غالب جي ابتدائي ڪلام ۾ اهائي طرز غالب آهي. پر اها طرز گهڻو وقت هلي نہ سگهي. ان جو سبب هيءَ نہ آهي تہ ڪو اردو زبان بيدل جي طرز کي قبول نہ ڪري سگهي، بلڪ ان ڪري تہ غالب ۽ بيدل جي شاعريءَ جي آڏام جو پس منظر ئي مختلف هو. بيدل جي ايجاد واري بهار 'عالمِ بيرنگ' جي رنگيني آهي، ۽ سرو سمن سان تعلق نٿي رکي. اها ان چمن سان تعلق رکي ٿي، جنهن ۾ دل جا دروازا کولي بيوءَ اچڻو پوي ٿو. غالب 'نيرنگِ صورت' ۽ 'نيرنگِ تمنا' جو تماشائي هو. البت ابتدائي دور ۾ غالب جي لاءِ بيدل جي پيروي هڪ مفيد مشق ثابت ٿي.

٣- دهليءَ مرحوم

دهلي شهر جو نالو آهي، پر 'دهليءَ مرحوم' هڪ تهذيب کي چيو وڃي ٿو، جنهن جو مرڪز دهلي هو، جيڪا پري پري کان مشهادار ماڻهو ٻاڻ ڏانهن ڇڪي ولندي هئي، جنهن جو اثر ڏورانهن هنڌن تائين پکڙيل هو، ۽ جنهن جا ٻوٽا اوپري اولهہ ۽ ڏکڻ جي سرزمينن ۾ لڳي، بهار پيدا ڪري چڪا هئا. دهلي ڪيترائي دفعا

اجڙي، پر انجو اجڙڻ ايترو حيرت انگيز نہ آهي، جيترو تيزيءَ سان وري سندس آباد ٿيڻ. مغل سلطنت جي زوال واري زماني ۾ هيءَ سدا سهاڳڻ بستي ڪيترائي ڀيرا ويران ٿي، ۽ وري آباد ٿي. ”مير“ ۽ ”سودا“ جي زماني ۾ مرهٽا گردي، عام فسادن ۽ بد امنيءَ هن کي ڀيجان بنائي ڇڏيو. ’مير‘ جي لاءِ دهليءَ جون گهٽيون مصور جا ورق هيون، جتي هر شي تصوير هئي. هي دنيا جو هڪ يادگار شهر هو، جنهن ۾ دنيا جون برک ۽ چونڊ هستيون ٿي رهنديون هيون. ”سودا“ هن اجڙيل شهر کي ڪنهن عاشق جي دل سمجهندو هو. هي شهر دنيا جي سمنڊ جو هڪ عجيب ڪنارو هو، جنهنجي مٽيءَ منجهان خدا جي خلق ڪئين ماڻڪ موتي ماڻيندي هئي. ’مير‘ ۽ ’سودا‘ ٻہ انهيءَ دهليءَ کي ڇڏڻ تي مجبور ٿي پيا.

مرهٽن کان پوءِ هن شهر تي انگريزن جو تسلط ٿيو ۽ امن امان قائم ٿي ويو. ڪيترن ئي سٺن خاندانن جا ماڻهو، انگريزن وٽ ملازمت ڪرڻ لڳا. انگريز بہ اُن زماني ۾ هتي جي معاشري کان ايترو علحده نہ رهندا هئا، جيترو ”غدر“ کان پوءِ رهڻ لڳا. شهر جي گهڻن ئي امير خاندانن سان سندن دوستانہ لاڳاپا هئا. ڪجهہ عرصي کان پوءِ، دهلي ڪاليج بہ قائم ڪيو ويو، جنهن مان ڪيترائي طالبعلم جديد علم ۽ فن کان آشنا ٿيا. دهليءَ جي بادشاهہ جا اختيارات درجي بدرجي گهٽبا ٿي ويا. لال قلعي ۾ دربار موجود هئي، حڪومت ڪمپني بهادر جي هئي، پر خلقت خداءَ جي ۽ ملڪ بادشاهہ جو سمجهيو ويندو هو. دربار مان سياسي ۽ انتظامي سرگرميون ختم ٿي چڪيون هيون. قلعي جي آبادي، جنهن ۾ بادشاهہ جو خاندان ۽ ٻيا امير امراءَ شامل هئا، تن کي پالڻ هڪ مشڪل مسئلو بڻجي ويو هو. پر دربار جون ظاهري رسمون ۽ آداب قديم دستور موجب موجود هئا، ۽

انتظامي ۽ سياسي سرگرمين جي جاءِ هاڻي شعر و شاعريءَ جي سرگرمين اچي والاري هئي.

ان امن امان واري عرصي ۾ دهليءَ ۾ وري رونق اچي ويئي. بقول حالي، "تيرهين صدي هجريءَ ۾، جڏهن مسلمانن جو زوال انتها کي پهچي چڪو هو، انهن جي عزت، مال ۽ حڪومت سان گڏ، علم و فضل ۽ ڪمال جا ڪارناما به موڪلائي چڪا هئا. حسن اتفاق سان دارالسلطنت دهليءَ ۾ ڪي باڪمال شخصيتون اهڙيون اچي گڏ ٿيون هيون، جن جون صحبتون ۽ جلسا اڪبر ۽ شاهجهان واري زماني وارين صحبتن ۽ جلسن جي ياد ڏياريندڙيون هيون." هتي جي علم دين، شعر ۽ حڪمت، طب، تاريخ ۽ نجوم هر طرف هاڪ مچائي ڇڏي هئي، ۽ باوجود انجي جو اوڌ ۽ حيدرآباد جي خود مختار رياستن ۾ قدردانيءَ جا وڌيڪ موقعا هئا، هن معاشري ۾ ڪا اهڙي ڪشش ۽ جاذبيت هئي، جو هتي جون باڪمال شخصيتون ڪنهن به قيمت تي دهلي ڇڏڻ لاءِ تيار نه ٿيون.

غالب جڏهن دهليءَ ۾ آيو ته هتي وارن ۾ بلڪل غير معروف ڪونه هو. جنهن خاندان ۾ سندس شادي ٿي هئي، تنهن جو شمار دهليءَ جي معزز گهراڻن ۾ ٿيندو هو. سندس سهرو نواب الاهي بخش، معروف فخرالدوله نواب احمد بخش رئيس فيروزپور جهرڪ جو ڀاءُ هو. خانداني لاڳاپن جي ڪري، غالب جو اٿڻ ويهڻ ۽ اچڻ وڃڻ معاشري جي اعليٰ ترين طبقي ۾ بنا تڪلف ٿيندو هو. انهن حلقن ۾ ادبي ۽ علمي ذوق تمام بلنديءَ تي هو. دهليءَ ۾ ٽڪسالي اردو زبان جو رواج هو. مثال طور، خود غالب جو سهرو نواب الاهي بخش خان "ذوق" جو شاگرد هو ۽ شعرگوئيءَ ۾ زبان جي صفائيءَ ۽ روزمره تي خاص ڌيان ڏيندو هو. ان جو دوست، نواب حسام الدين

حيدرخان، جيڪي غالب جي وڏن قدردانن مان هو، سو مير محمدتقي "مير" ۽ مير مستحسن "خليق" (ميرانيس جو والد) جو شاگرد هو. اهي بزرگ اردو زبان جي معياري فنڪارانه استعمال جا وڏا ماهر هئا. 'ديوان غالب' جي حميديه نسخي ۾، جيڪو سندس ابتدائي ڪلام تي مشتمل آهي، جتي اهڙا شعر شامل آهن، جن جي زبان فارسي زده ۽ بيان جو انداز بيحد پيچيدو آهي، اتي اهي مشهور غزل به شامل آهن، جيڪي زبان جي صفائيءَ ۽ بيان جي سلاست جي لحاظ کان اردو جي معياري شعري زبان جو بيش بها نمونو آهن. ائين چوڻ ۾ ڪو به وڌاءُ نه ٿيندو ته اها تبديلي غالب جي آگري کان دهليءَ اچڻ جو ۽ دهليءَ جي سوسائٽيءَ ۾ اٿڻ ويهڻ جو نتيجو آهي.

مطلب ته غالب جو آگري کان دهليءَ اچڻ نه رڳو ائين هو، جيئن ڪو شخص هڪ تنگ ۽ محدود جاءِ مان نڪري وڌيڪ ڪشاديءَ فضا ۾ اچي، بلڪ ان فضا جو پس منظر به مختلف هو. جيڪڏهن غالب آگرو ڇڏي دهليءَ نه اچي ها ته اهو گمان ڪري سگهجي ٿو ته هو نادر مضمونن جي ڳولا ۾ اردو ۽ فارسيءَ جي نه ٺهڪندڙ جملن منجهان تيار ٿيل تشبيهن ۽ استعارن جي گورکڌنڌي ۾ ڦاٿو رهي ها. غالب جي "جينيس" (GENIUS) جي بناوت ۾ اصلاح جو اهڙو خودڪار پرزو موجود هو، جو حيرت ۾ وجهڻ واري حد تائين حساس هو. غالب جي ان زماني جي دوستن ۾ هڪ خاص طور تي قابل ذڪر شخصيت مولانا فضل حق خيرآباديءَ جي هئي، جو نه صرف علم ۽ فضل ۾ پنهنجو مٽ پاڻ هو، بلڪ سندس ادبي ذوق به بيحد مهذب ۽ شائسته هو. غالب جي دل ۾ مولانا فضل حق لاءِ جيڪو احترام هو، تنهن کي ڏسندي، هي اندازو ڪرڻ غلط نه ٿيندو ته غالب جي مذاقِ سخن جي ارتقا ۾ انهيءَ

صاحب جي صحبت جو بہ وڏو دخل هو. غالب تي بيدل جو جيڪو چڙهيل هو، تنهن جو طلسم هاڻي ٽٽي پيو، ۽ اڪبر جي زماني وارن فارسي شاعرن، جهڙوڪ نظيري، عرفي ۽ ظهوريءَ سان سندس مناسبت وڌيڪ گهري ٿي وئي. فارسي زبان جي جهونن استادن، مثلاً سعدي، حافظ ۽ خسرو کي ڇڏي، انهن شاعرن سان تعلق قائم ڪرڻ، جيڪي فارسيءَ جي تاريخ ۾ وڏي اهميت رکن ٿا، سو غالب جي فطري مزاج ۽ مناسبت جي ڪري هو. اهي شاعر، جن کي فغانيءَ جي سلسلي ۾ 'سبڪ هندي' جي نمائندن ۾ شمار ڪيو وڃي ٿو، مضمون آفرينيءَ جي ڪنايي ۽ استعاري جي جدت ۽ ڪثرت ۽ زور ڪلام سان گڏوگڏ، انساني زندگيءَ جي معاملن جي ترجمانيءَ لاءِ مشهور آهن. انهن تي ان ذهني تحريڪ جو بہ اثر آهي، جنهن ۾ منقولات کان وڌيڪ معقولات تي زور ڏنو ويندو هو، ۽ جيڪا ايران کان شروع ٿي، پر ان کي سازگار ماحول هندستان ۾ مغلن جي دور واري هندستان ۾ حاصل ٿيو.

١٨٢٥ع کان اڳ، غالب گهڻو ڪري اردو غزل، ۽ ڪڏهن ڪڏهن فارسي غزل لکندو هو. هاڻ هن پنهنجو پورو ڌيان فارسي غزل لکڻ ڏانهن ڪري ڇڏيو، ۽ تقريباً ويهن سالن تائين هن جو اهوئي معمول رهيو. ان جو هڪڙو سبب تہ اهو ٿي آهي جو غالب جي لاءِ فارسي بہ 'قريب قريب' مادري زبان وانگر هئي. ان جو شايد پيو بہ ڪو سبب هجي. سڄي مسلم معاشري ۾ سڀ کان گهٽ قومي عصبيت ۽ سڀ کان زياده تواضع ۽ انڪساريءَ جون خصوصيتون هند-مسلم معاشري ۾ رهيون آهن. اسان هميشه پئن اسلامي ملڪن جي علمي ۽ عملي ڪارنامن کي عقيدت جي نظر سان ڏٺو آهي. فارسيءَ کي اردو کان بهتر سمجهيو آهي. ٿي سگهي ٿو تہ غالب ائين

سوچيو هجي ته ان وقت جي اردو شاعرن کان گوءِ کٽي وڃڻ لاءِ، اردو کان اڳتي وڌي، فارسيءَ ۾ پنهنجا جوهر ڏيکاري. هيءَ ڳالهه يقين سان چئي سگهجي ٿي ته هو گهٽ ۾ گهٽ هڪ عرصي تائين ضرور پنهنجي فارسي ڪلام کي پنهنجي لاءِ فخر جو باعث ۽ اردو ڪلام کي باعثِ ننگ سمجهندو رهيو يا چوندو رهيو. هيءَ سچ آهي ته فارسيءَ کي اردو زبان جي مقابلي ۾ هڪ ڪلاسيڪي حيثيت حاصل آهي، ۽ اسان جي تواضع ۽ انڪسار واريءَ نيتيءَ جي ڪري اسان کي وڏو فائدو پهتو. غالب جي معاملي ۾ به سندس ادبي شخصيت ۽ مقام جي اندازي ڪرڻ لاءِ، سندس فارسي ڪلام کي نظرانداز ڪرڻ نه صرف جهالت ٿيندي، بلڪ ظلم پڻ. بلڪ هيءَ به حقيقت آهي ته دنيا ۾ غالب جي شهرت اڄ اردو شاعر جي حيثيت سان آهي، ۽ آهي به ائين ته اردو شاعريءَ ۾ هو مجتهد آهي، ۽ فارسي شاعريءَ ۾ مقلد ـــ ۽ مجتهد ۽ مقلد جي حيثيت ۾ فرق آهي.

۴- زندگيءَ جي ڪشمڪش

غالب جڏهن دهليءَ ۾ آيو ته سندس گذاري جو ذريعو فقط اها پينشن هئي، جيڪا انگريز سرڪار کيس سندس چاچي نصرالله بيگ جي هڪ وارث هجڻ جي حيثيت سان، فيروز پور جهرڪه جي رئيس جي معرفت مقرر ڪري ڏني هئي. اها پينشن تمام ٿوري هئي ۽ غالب جو رهڻ ڪرڻ رئيساڻو هو. شاهه خرچي، بلڪ فضول خرچي، ان زماني ۾ رئيسن جو شان سمجهيو ويندو هو. انهيءَ ڪري رئيس ۽ امير گهڻو ڪري قرض ۾ ورتل هوندا هئا، ۽ قرض ڏيندڙ هندو شاهوڪار ۽ سيٺيون هوندا هئا. غالب گذران جي تنگيءَ ۽ قرضدارن

جي تقاضائن ڪري ڏاڍو ششدر هوندو هو. صحيح يا غلط، هو ائين سمجهندو هو ته ڪيس جيڪا پينشن جي رقم فيروز پور جهرڪ جي رياست وٽان ملي ٿي، سا اصل مقرر ڪيل رقم کان گهٽ ٿي ملي. انهيءَ معاملي جو واسطو انگريز سرڪار سان هو، جنهن جو هيڊ ڪوارٽر ان وقت ڪلڪتي ۾ هو. غالب ان ڪري فيصلو ڪيو ته ڪلڪتي وڃي اعليٰ انگريز عملدارن وٽ پنهنجو معاملو پيش ڪري. سندس ڪلڪتي ڏانهن آسهڻ جي صحيح تاريخ معلوم نه آهي. پر ايترو خاطريءَ سان چئي سگهجي ٿو ته هو ١٨٢٧ع جي اوائل ۾ دهليءَ کان ڪلڪتي روانو ٿيو، ۽ ١٨٣٠ع تائين ڪلڪتي مان دهليءَ موٽي آيو. واٽ تي هو لکنؤ، ڪانپور، بانده، بنارس، عظيم آباد وغيره شهرن ۾ ترسيو.

لکنؤ تنهن زماني ۾ اوج تي هو. انگريزن جي صلاح سان، اوڌ جي نائب وزير غازي‌الدين حيدر پنهنجي بادشاهت جو اعلان ڪري ڇڏيو هو. غالب هڪ قصيدو غازي‌الدين حيدر جي شان ۾، فارسي زبان ۾ لکيو هو، ۽ سندس خيال هو ته انهيءَ مدح جي معاوضي ۾ جيڪا رقم ملندي، تنهن مان سندس ڪلڪتي تائين پهچي وڃڻ جو خرچ نڪري پوندو. ڪلاسيڪي شاعريءَ ۾ قصيدي جي صنف، بادشاهت بابت هڪ خاص عقيدي جو اظهار آهي. انهيءَ عقيدي موجب، جهڙيءَ ريت ڪائنات جو مرڪز الله تعاليٰ جي ذات آهي، يا جهڙيءَ ريت آسماني نظام ۾ سج کي مرڪزي حيثيت حاصل آهي، يا جهڙيءَ ريت دين ۾ نبي‌ڪريم (صلعم) ۽ امامن سڳورن جو مرتبو سڀ کان مٿانهون آهي، تهڙيءَ ريت دنيا جو مرڪز بادشاه جي ذات آهي، جيڪو زمين تي الله تعاليٰ جو 'ظل' يا پاڇو آهي، ۽ هن زمين جو سمورو انتظام بادشاهه ۽ سندس اميرن جي وجود سان وابسته آهي، ۽

شاهي دربار جو شان ۽ شرف بادشاھ جي انهيءَ جاھ ۽ جلال کي ظاهر ڪندڙ آهي. قصيدہ گو شاعر اھا ڪوشش ڪندو آهي تہ هو انهيءَ دربار جي تعريف ۾، لفظن جي وسيلي هڪ شاندار محل تعمير ڪري ڏيکاري. بادشاھ ذات بہ آهي، ۽ علامت بہ، تنهن ڪري سندس رزم ۽ بزم، سندس بهادري ۽ فياضي، سندس گهوڙن ۽ سندس تلوار جي بيان ۾ مبالغو بلڪل ناممڪن آهي. غالب جي حقيقت پسند نگاهن ۾ بادشاهت جو اهو تصور ڪونہ هو. ها، ايترو ڪيس معلوم هو تہ قصيدي لکڻ جي عيوض پئسا ملي سگهن ٿا، ۽ قصيدي لکڻ ذريعي پنهنجي فن جو ڪمال ڏيکاري سگهجي ٿو. ان ڪري قصيدو هن جي نظر ۾ 'شيوهٔ گدائي' هو، ۽ هو گدائيءَ جي انهيءَ طريقي ۾ 'نوآموز' هو. انهيءَ قصيدي ۾ بہ هن بار بار انهن مجبورين ڏانهن اشارو ڪيو آهي، جن جي ڪري کيس قصيدو لکڻو پيو هو، ۽ دستِ قبولائڻ جي معذرت بہ هن طرح ڪئي اٿس تہ جيڪڏهن مجبور ٿي ڪريمن جي درگاھ ۾ وڃي حاضر ٿيو تہ اها ڪيڏي نہ شرمساريءَ جي ڳالھ آهي، ڇاڪاڻ تہ هو خود بہ ڪريمن جي قبيلي مان آهي. غالب انگريز حاڪمن ۽ انگلنڊ جي رائيءَ جي شان ۾ بہ قصيدا لکيا آهن، پر سندس مقصد پنهنجي فن جو ڪمال ڏيکارڻ هو، تہ جيئن اهڙي ڪامل هنرمند جي قدرداني ڪئي وڃي ۽ ان جي حاجت روائي ڪئي وڃي. بقول حالي: "مرزا جي سڄي چمار قصيدن ۽ مداحن جوڙڻ ۾ گذري، چو تہ ضرورت انسان کان سڀڪجھ ڪرائي ٿي."

غازي الدين حيدر جي دربار ۾ انهيءَ قصيدي پيش ڪرڻ جي نوبت ئي ڪانہ آئي، بلڪ نائب وزير سان بہ سندس ملاقات نہ ٿي سگهي؛ چو تہ بادشاھ سان ملاقات لاءِ نذر ۽ تعظيم جي جن اصولن تي نائب وزير زور پئي ڏنو، سي غالب جي نظر ۾ 'خويشتن داريءَ' جي اصول

جي خلاف هئا. قديم معاشري ۾ شاعري يا ته درويش صفت ماڻهو ڪندا هئا، يا اهي رئيسن ۽ فارغ البال ماڻهن جو مشغلو هوندي هئي. ٻيا اهي شاعر هئا، جيڪي صرف 'شاعر' ئي هئا، يعني جن جو گذر ئي شاعريءَ ذريعي ٿيندو هو. اهڙن شاعرن کي سدائين بادشاهن، رئيسن ۽ اميرن جي سرپرستيءَ جي ضرورت رهندي هئي. نائب وزير، غالب کي انهيءَ پوئين طبقي ۾ شمار ٿي ڪيو، پر غالب جي اها دعوا هئي ته سائس رئيسن جهڙو سلوڪ ڪيو وڃي. غالب جي اها 'رئيس' ۽ 'شاعر' جي ڇڪتاڻ سڄي ڄمار قائم رهي. غالب شاعر ته وڏو هو، پر تلخ حقيقت هيءَ آهي ته رئيسانو ٺٺ ۽ سازسامان وٽس ڪونه هو، تنهن هوندي به هن جي گهر اها هئي ته ڪيس شاعر کان وڌيڪ رئيس سمجهيو وڃي. ١٨٤٧ع ۾ جيل واري بدناموسيءَ جهڙي واقعي کان پوءِ، کيس سڀ کان وڏو افسوس هن ڳالهه جو آهي ته "هاڻي ڪنهن به رياست ۾ داخل ٿي نٿو سگهان ـــ سواءِ پير، مداح يا اُستاد ٿي وڃڻ جي حيثيت جي."

پاڻ جي ٿو ته غالب لکنؤ جي رونق ۽ رنگينيءَ کان متاثر نه ٿيو، بلڪ پنهنجي ذاتي ناڪاميءَ جي ڪري کيس اتي جي بد انتظاميءَ جو تجربو ٿيو: "چون حال اين ديار بدين رنگ ست، آن خوشتر که سخن از خود نه گويم." البت انهيءَ سفر جي ڪري لکنؤ جي ڪن معزز ماڻهن سان سندس رستو پيدا ٿيو، ۽ انهن سان خط ڪتابت ٿيڻ لڳي. انهن مان هڪڙو، لکنؤ جو مشهور شاعر شيخ امام بخش 'ناسخ' به هو. دهليءَ کان پوءِ اردو زبان ۽ شاعريءَ جو ٻيو وڏو مرڪز لکنؤ هو، جنهن ۾ 'ناسخ' جي حيثيت سڀ کان برک هئي. زبان جي اصلاح جو جيڪو ڪم لکنؤ ۾ ٿي رهيو هو، ۽ غزل جو جيڪو نئون انداز اتي رائج هو، تنهن کي وبجهڙائيءَ کان ڏسڻ ۽ سمجهڻ

جو غالب کي انهيءَ سفر جي دوران موقعو مليو.

غالب جي طبيعت هڪ طرف آزاد رهڻ ٿي گهريو، ته ٻئي طرف مٿس وضعداريءَ جون پابنديون، مالي مجبوريون ۽ خانگي زندگيءَ جون ذميداريون هيون، (جن سان خوش اسلوبيءَ سان نباهه ڪرڻو هو). غالب جي خانگي لاڳاپن کي سمجهڻ جو راز، مٿين ٻنهي پاسن ـــ سندس طبيعت ۽ حالتن ـــ جي ڇڪتاڻ ۾ آهي. سير سياحت لاءِ سندس دل گهڻو چاهيندي هئي، پر غريبيءَ ۽ مصيبتون ۾ ڦيٿيون. هرڪا سهڻي شي جيڪا ڏسجي ٿي، سا دل کي پاڻ ڏانهن ڇڪي ٿي. بنارس 'بهشت خرم' ۽ 'فردوس معمور' آهي. اهو هندستان جو ڪعبو آهي، جتي جا 'بُت' سراپا 'نورِ ايزد' آهن. بنارس هڪ 'شاهدِ مست' آهي، جيڪو 'گلچينيءَ ۾ مصروف' آهي. ٻر دهليءَ جي يادگيري دل مان نڪري ئي نٿي. دهلي روح آهي، ۽ سڄو جهان جسم آهي. دهليءَ جا دوست ياد اچن ٿا. پنهنجا گهر جا ڀاتي ياد اچن ٿا، جيڪي ڀڪسيءَ جي حالت ۾ پنهنجيون سموريون اميدون سندس هن سفر ۽ انهيءَ سفر جي نتيجي سان وابسته ڪري ويٺا آهن. غالب لاچار بنارس کان پنهنجو پلاند ڇڏائي، پنهنجيءَ منزل ڏانهن روانو ٿي وڃي ٿو ـــ يعني ڪلڪتي ڏانهن. ڪلڪتو هڪ ٻيهر نرالي دنيا آهي، جتي هر ملڪ ۽ هر فن جو ماڻهو موجود آهي، جتي جي هنرمندن لاءِ موت جي علاج کان سواءِ هرڪا ڳالهه آسان آهي، ۽ جتي جي بازارن ۾ قسمت کان سواءِ هرڪا شي سستي آهي. جيڪڏهن گهرٻار جو طوق گلي ۾ نه هجيس ها، ته غالب جيڪر هتي جو ٿي ٿي وڃي ها. اتي جي تازگي ۽ رونق، اتي جي سبزي ۽ ساوڪ، اتي جون نازنين محبوبائون، اتي جا ميوا ۽ اتي جا شراب، غالب کي ڪافي مدت تائين رکي رکي ياد ايندا رهيا.

اتيڻي هن نئين زماني جي ترقيءَ جا ڪرشما ـــ ريل، جهاز، ٽپال ۽ تار جو سرشتو وغيره ـــ پنهنجين اکين سان ڏٺا، ۽ دهليءَ ۽ لکنؤ جي اجڙندڙ تهذيبن کان پوءِ هڪ نئين دور کي پنهنجي پوري جاھ ۽ جلال سان آسرندو ڏٺائين، جنهن جي اڳيان قديم نظام ۽ ڪاريگريون هيچ ٿي نظر آيا. تاريخ جي انهيءَ ڏکئي ۽ عبوري دور ۾، غالب ۾ حالتن کي پرکڻ جي صلاحيت انهن ماڻهن جي پيٽ ۾ وڌيڪ هئي، جيڪي سن ١٨٥٧ع ۾ انگريزن سان ٽڪريا هئا. هن ڄاتو ٿي ته هيءُ ڪو حال جي زماني جي ٻن طاقتن جو مقابلو ڪونهي، بلڪ حال جي ميدان ۾ ماضيءَ ۽ مستقبل جي وچ ۾ ٽڪر آهي.

پنهنجي پينشن واري معاملي ۾ غالب جون اميدون روشن ٿيون، ۽ وري اجهامي ويون. ان کان پوءِ انتظار ۾ وڌيڪ ڏيگهه پوڻ لڳي. معاملو ڪلڪتي کان دهليءَ ڏانهن آماڻيو ويو. غالب دهليءَ پهتو، ۽ پنهنجي منهن ڪوشش ڪندو رهيو. آخرڪار مايوس ٿي، انگلنڊ ڏانهن اپيل آماڻيائين. ان مان ڪو ڪَرُ تيل ڪونه نڪتو. پينشن اوتري جا اوتري، ٻاهٺ رپيا ۽ آٺ آنا قائم رهي. رڳو ايترو ٿيو جو فيروزپور جهرڪ جي رياست ضبط ٿيڻ ڪري، هاڻي سندس پينشن دهليءَ جي ڪليڪٽريءَ مان ادا ٿيڻ لڳي. غالب جا لفظ آهن :

”هن دور ۾ هر شي کان ڊڄندو رهڻ ئي فائديمند آهي. هي ’خوبانِ ڪشور لنڊن‘ دل ته رکن ٿا، پر لوھ جي، انهن کان داد طلبڻ اڻين آهي، جيئن پٿر مان ششو هڻڻ.“

ڪلڪتي ۾ تنهن زماني ۾، انگريزي اثر هيٺ، راجا رام موهن راءِ جي سرڪردگيءَ ۾، بنگالي هندن ۾، ادب ۽ فڪر کي نئين سر اجارڻ ۽ ان جي اصلاح ڪرڻ جي تحريڪ هلي رهي هئي. ظاهر آهي ته غالب جو انهيءَ تحريڪ سان ڪو واسطو نٿي ٿي سگهيو. اتي ئي

گورنر جنرل، لارڊ وارن هيسٽنگس، فورٽ وليم ڪاليج برپا ڪيو هو، جنهن ۾ هڪڙي پاسي نئين هنديءَ جو پايو پئي وڌو ويو، ته ٻئي پاسي سليس اردو نثر ۾ ڪتابن جي ترجمي ۽ تصنيف جو ڪم ڪيو پئي ويو. اردو نثر جي اوسر ۽ ترقيءَ ۾ فورٽ وليم ڪاليج جو جيڪو حصو آهي، سو سڀني کي معلوم آهي. غالب به انهيءَ تحريڪ کان متاثر ٿيو. سندس فارسي خطن جي ڀيٽ اردو خطن سان ڪبي ٿي، ته وڏو فرق نظر اچي ٿو. فارسي خط، جيڪي ان وقت جي ڪيترن ئي برک ۽ چوٽيءَ هستين ڏانهن لکيل آهن، هڪ تمام قيمتي ذخيرو آهن. نه رڳو ايترو، بلڪ غالب جي پنهنجي شخصيت، پڻ سان سندس لاڳاپن، ۽ سندس ماحول کي سمجهڻ لاءِ غالب جي فارسي خطن جو مطالعو لازمي آهي. انهن خطن جي زبان به ايراني محاوري جوسٺو نمونو آهي. هندوي (اردو) زبان رکڻ وارن فارسي لکندڙن طرفان فارسي زبان ۾ ڪيل تصرف کان هن پنهنجيءَ عربيءَ جي ملاوت واريءَ فارسيءَ کي پاڪ رکيو آهي، باڪ پوءِ جي خطن ۾ ته هن جيتريقدر ٿي سگهيو آهي، عربي لفظن کي ترڪ ڪرڻ جي ڪوشش ڪئي آهي. فارسي خطن ۾ رسمي تڪلف وارا فقرا ـــ جن کي 'ادبيت' جي جان سمجهيو ويندو هو ـــ ايتريءَ حد تائين موجود آهن جو اصل مطلب انهن ۾ دٻجيو وڃي. انجي ابتڙ، اردو خطن ۾ جيڪا رواني ۽ سلاست، مڪالمن جي بيساختگي، شوخيءَ ۽ ظرافت سان گڏ سنجيدگي، مخاطب جي درجي جو لحاظ، سادگي ۽ اثر انگيزي آهي، تنهن هنن خطن کي اردو نثر جو هڪ شاهڪار بنائي ڇڏيو آهي. انهن خطن جي انداز کي نقل ڪرڻ جون ڪيترين ئي ڪوششون ٿيون، پر اهي پنهنجيءَ جاءِ تي بي نظير رهيا. انهن جو اردو نثر جي اوسر ۾ هڪ اهم حصو آهي. اهو ڏسندي ته غالب جي

اردو ۾ خطن لکڻ جي ابتدا ڪلڪتي مان موٽي اچڻ کان پوءِ ٿي. هيءَ ڳالهه قياس کان ٻاهر نه آهي ته انهيءَ سلاست، رواني ۽ برجستگيءَ ۾ انهن اثرن جو نتيجو به شامل آهي، جيڪي اثر غالب جي ذهن فورٽ وليم جي اردو نثر واريءَ فضا مان پرايا.

انهيءَ فورٽ وليم ڪاليج ۾ مشرقي عامن کي سهيڙڻ جو ڪم به ٿي رهيو هو، ۽ ڪيترائي عالم فاضل اتي جمع هئا. ان سلسلي ۾ اتي هر مهيني فارسيءَ ۾ مشاعرو به ٿيندو هو. اهو غالب جو ميدان هو. پر ميدان ۾ ايندي ئي، جهڙپون شروع ٿي ويون. فارسي زبان صدين تائين مسلم معاشري جي ادبي، علمي، مجاسي ۽ خط ڪتابت جي زبان رهي هئي، پر تذهن به ستند انهن جي مڃي ويندي هئي، جن جي اها مادري زبان هئي. روزمره جي ڪاروبار جي ٻولي هندوي يعني اردو هئي، ۽ ان جو دائرو ڏينهون ڏينهن ڪشادو ٿيندو ٿي ويو. جيستائين ڪا ٻولي روزمره جي استعمال ۾ نٿي اچي، تيستائين ان جون پاڙون ڪنهن سرزمين ۾ نٿيون کپڻ. ان ڪري، فارسي زبان ۽ ادب هتي آزاديءَ سان وڌي ويجهي نه سگهيا. زبان ستند جي سهاري سان ئي هلندي رهي— ۽ جيتوڻيڪ ستند مناسب حدن ۾ زبان جي معيار کي قائم رکڻ جي ضامن آهي، پر ان تي حد کان وڌيڪ ڀروسو ڪرڻ زبان کي وڌڻ کان روڪي ٿو، ۽ ان طرح زبان ۾ آورد ۽ تصنع پيدا ٿيو پوي. جڏهن ايران مان لاڳاپا گهٽجي ويا، ته هتي ئي جا لغت نويس ۽ شاعر، جن ۾ ڪجهه هندو ۽ نومسلم به هئا، ستند طور پيش ٿيڻ لڳا. غالب به فارسي زبان جي حد تائين تقليد واري حلقي کان ٻاهر ڪونه هو، پر سندس دعوا اها هئي ته ڪيس فارسي زبان وارن ۾ شمار ڪيو وڃي، ۽ اهل زبان کان سواءِ ٻين وٽ ڀي ڪابه ستند معتبر ڪانه هئي. دهليءَ جي فضا وري ان

معاملي ۾ ڪلڪتي ڪان وڌيڪ ڪشادي هئي. دهليءَ غالب کي 'بيدل' جي طلسم منجهان ڪڍي، فارسي شاعريءَ جي شاهي گس تي لڳائي ڇڏيو. 'زبان آورانِ ڪلڪته' هندستان جي فارسي شاعرن جي تقليد ۽ لفظي تڪرارن ۾ رڌل هئا. غالب هڪ فارسي غزل مشاعري ۾ پڙهيو، جنهن ۾ هڪڙيءَ ترڪيب جي استعمال مٿان اعتراض اٿاريو ويو، ۽ ان لاءِ سَنَد هنديءَ جي نثر نويس ۽ فارسيءَ جي شاعر 'قتيل' جي رسالي مان پيش ڪئي وئي. غالب، جيڪو انهن فارسي عالمن ڪان علميت ۾ گهٽ ۽ ذهانت ۾ تيز هو، سو انهن کي حقارت سان ڏسندو هو. جڏهن معاملو وڌي ويو، ته هن هڪ فارسي مثنوي لکي، جنهن ۾ معذرت سان گڏ هجو مليح ۽ طنز به آهي. معذرت ڪان پوءِ به دل صاف ڪانه ٿي. ان ڪري، ڪجھ ڏينهن ڪان پوءِ، جڏهن غدر جي زماني ۾ پاڻ اڪيلائيءَ ۽ گوشي نشينيءَ ۾ وقت گذاري رهيو هو، وري هڪ پيرو سندس دل ۾ هندي نسل جي فارسي لغت نويسن سان هٿ اٽڪائڻ جو جذبو اڀري آيو. 'برهانِ قاطع' فارسي لغات جو هڪ مشهور ڪتاب آهي، جيڪو اڄ تائين ايران ۾ به استعمال ٿئي ٿو. ان جو مؤلف محمد حسين تبريزي آهي. هو هندستان ۾ پيدا ٿيو، ۽ سڄي حياتي دکن ۾ گذاريائين. غالب ان ڪري کيس 'دکني' ٿي ڪوٺي ٿو. ١٨٦٠ع ۾ غالب هڪ ڪتابڙو لکيو، جنهن ۾ 'برهانِ قاطع' جون غلطيون چونڊيون اٿس. ان جو نالو رکيائين 'قاطعِ برهان'. اهو ڪتاب ١٨٦٢ع ۾ شايع ٿيو، ۽ ان جي شايع ٿيندي ئي مخالفت جو وڏو طوفان کڙو ٿي ويو. غالب جي ڪتابچي جي جواب ۾ ڪئين ڪتاب شايع ڪيا ويا. انهن ۾ سڀ کان اهم ڪتاب 'مويد برهان' هو، جيڪو جهانگير نگر (ڍاڪا) جي هڪ مشهور فارسي عالم، آغا احمد عليءَ لکيو هو.

انهيءَ چوڪنهيءَ مخالفت جو جواب غالب پاڻ ڏنو ٿي، يا وري ڪنهن ٻئي ڪان ڏياريائين ٿي. انهن ڪتابڙن ۾ جيتوڻيڪ غالب علم ۽ تحقيق ڪان ڪم ورتو آهي ۽ لغات نويسيءَ جا ڪي صحيح اصول ب واضح ڪيا اٿس، پر جنهن انداز سان اهو بحث هليو ۽ جنهن نموني سان علمي بحثن اندر جذبات ۽ ذاتيات ڪان ڪم ورتو ويو، سو مخالف توڙي موافق، ٻنهي ڌرين سان ڪنهن لاءِ ب فخر جو باعث ڪونهي. شايد ان زماني ۾ مباحثن جو اهو ئي رنگ هو.

غالب جي خود شناسيءَ جي اها ب هڪڙي منزل هئي جو هو پنهنجو پاڻ ڪي هڪ اهڙو پرديسي سمجهندو هو، جنهن وٽ ٻڌائڻ لاءِ ڪيتريون ئي ڳالهيون هجن، پر ٻستيءَ ۾ سندس ڳالهه سمجهڻ وارو ڪير ب نہ هجي. انهيءَ سفر ۾ هن دنيا ڏٺي— پراڻي دنيا، ۽ نئين دنيا. ذهن جو افق وڏيڪ ڪشادو ۽ وسيع ٿيو. گهڻن ئي مشهور ۽ ممتاز ماڻهن سان ملاقاتون ٿيون. پر سندس اجنبيت ۽ اوپرائيءَ وارو احساس تهان وڌي ويو. اهو ئي اجنبيت جو احساس، پنهنجو پاڻ ڪي پنهنجيءَ دنيا ڪان الڳ ڪري ڏسڻ، 'ديد و دانش' جو اولين شرط آهي—۽ 'ديد و دانش' جو غالب جي ڪلام ۾ اهو درجو آهي، جيڪو قديم شاعرن جي ڪلام ۾ تصوف جو درجو هو.

غالب ڪلڪتي ڪان دهليءَ موٽي آيو، تہ مالي حالتون ويتر خراب ٿي چڪيون هيون. پينشن جو رڳڙو ١٨٢٦ع ڪان وٺي هليو هو، ۽ ١٨٤٤ع تائين هلندو رهيو. اميد جي ڏڍ تي، انگريز حاڪمن جي شان ۾ قصيدن پويان قصيدا لکندو رهيو، ٻر نتيجي ۾ مايوسي ئي نصيب ٿيس. پوءِ ب اهو خيال ويٺو رهيس تہ جهڙيءَ طرح اڳيان ٻادشاهہ عالمن ۽ فنڪارن جي سرپرستي ڪندا هئا، تهڙيءَ طرح انگريز سرڪار ب قدرداني ڪري، مٿان ڪو وظيفو يا اعزاز ڏيئي

وجهي. پر هي نئون زمانو هو، جنهن جا طور طريقا ئي ٻيا هئا.
اسراف يا فضول خرچي سندس ايثار ۽ ڪرم واريءَ طبيعت جي تقاضا
هئي ۽ اهو رئيسائي شان لاءِ بلڪل لازمي هو، ته مٿان وري شراب
پيئڻ جي عادت ڪچيءَ ڪان پنجي ويئي هيس، سو قرض جو بار مٿس
وڌندو ئي ٿي رهيو. قرض گهرندڙ ڊڪري وٺيو ايندا هئا، ته هي گهر
۾ بند ٿي ويهي رهندو هو. ان زماني ۾ اهو دستور هوندو هو ته
ڪنهن عزت واري ماڻهوءَ کي قرض جي ڊڪري جي سلسلي ۾ گهر
اندر گهڙي نه، بلڪ گهر کان ٻاهر گرفتار ڪري سگهبو هو. غالب
لاءِ، ان ڪري، گهر اندر ويهي رهڻ ۾ ئي خيريت هئي. اهڙيءَ
حالت ۾، شاعري، جنهنجي شروعات ننڍپڻ جي راند جيان ٿي هئي،
سا هاڻي هن لاءِ زندگيءَ جو واحد مشغلو بنجي وئي. تن ڏينهن ۾
فارسي ۽ اردو شاعريءَ جو رواج اوج تي هو. غالب ان زماني بابت
پنهنجي هڪ فارسي قطعي ۾ لکيو آهي ته: هندستان ۾ ڪوڙا ڪهڙا
نه سُرهي ساه وارا سخنور آهن، جو انهن جي ڪري هوا ۾ به
مشڪ جهڙي سُرهاڻ ڦيلجي وئي آهي! ان ڪان پوءِ هن، مومن،
مير، صهبائي، علوي، حسرتي، اشرف ۽ آزرده جا نالا ورتا آهن.
ان زماني ۾ غالب جو خاص طرح نواب مصطفيٰ خان، جهانگير آباد
جي رئيس سان خلوص ۽ محبت جو رستو وڌي ويو هو، جيڪو اردو
۾ 'شيفته' ۽ فارسيءَ ۾ 'حسرتي' تخلص ڪندو هو، جيڪو مجازي
عشق سان گڏوگڏ زهد ۽ تقويٰ، ۽ درويش-صفتيءَ ۽ علم و فضل
سان گڏوگڏ تمام مهذب ۽ معياري ذوق جو مالڪ هو. غالب
ڪڏهن ڪڏهن مشاعرن ۾ شريڪ ٿيندو هو، ۽ فارسي شاعريءَ کان
سواءِ هاڻي وري اردو غزلن ڏانهن وڌيڪ توجه ڏيڻ لڳو هو. اهو
زمانو سندس شاعريءَ جي شباب جو هو.

١٨٤٧ع ۾ غالب جي زندگيءَ ۾ هڪ اهڙو انقلاب آيو، جنهن سندس انهيءَ وڏمائپيءَ جو ڀرم ختم ڪري ڇڏيو، جنهن ۾ هو هيستائين رهندو هو. جوابازيءَ جي الزام ۾، شهر جي ڪوتوال کيس سندس گهران اچي گرفتار ڪيو، ۽ ڪورٽ کيس ڇهن مهينن جي سزا ڏيئي ڇڏي. نه سندس پنهنجو ذاتي وقار کيس ڪم آيو، ۽ نه وري لال قلعي جي بادشاهه جي سفارش ئي کيس انهيءَ ذلت کان بچائي سگهي. انهيءَ مصيبت واري وقت ۾، پنهنجا به پرايا ٿي ويا، ۽ يار دوستار سڀ اغيار بڻجي ويا. رڳو نواب مصطفيٰ خان 'شيفته' پنهنجيءَ شرافت جو ثبوت ڏنو، جنهن هن وقت ۾ غمخواريءَ جو حق ادا ڪيو. ٽن مهينن کان پوءِ، رسوائيءَ جو داغ کڻي، انگريزن جي قيد ۽ زندگيءَ جي ڪشمڪش واري فريب مان آزاد ٿيو.

٥- زماني جا حادثا

قيد مان آزاد ٿيڻ کان پوءِ غالب تي جيڪي باهريون حالتون گذريون، تن جو مختصر بيان ڪجي ٿو.

قيد مان ڇٽڻ کان ڪجهه عرصي کان پوءِ، دوستن جي مدد سان، شاهي دربار ۾ سندس رسائي ٿي. ان کان اڳ به هو ڪيترن موقعن تي قصيده پڙهي ڪري، دربار مان خلعتون حاصل ڪري چڪو هو، پر دربار سان سندس ڪو باقاعدي تعلق قائم ڪونه ٿيو هو، جيتوڻيڪ غالب پنهنجن قصيدن ۾ اها تمنا ضرور ظاهر ڪئي هئي. ممڪن آهي، ان جو سبب اهو هجي ته، غالب کي پنهنجيءَ پينشن ۾ اضافي جي خاطري هئي ۽ هن انهيءَ ڪري قلعي جي ملازمت جي

ضرورت نہ محسوس ڪئي هجي. ممڪن آهي تہ انگريز سرڪار جي پينشن ڪائڻ ڪري دربار وارن وٽ سندس وفاداريءَ ۾ شڪ هجي. ۽ هيءَ حقيقت آهي تہ غالب کي بادشاھ سان ڪڏهن بہ اهڙي عقيدت نہ پيدا ٿي، جهڙي شيخ ابراهيم "ذوق" کي هئي. نہ وري سندس نظر ۾ بادشاھ جو اهڙو مرتبو هو، جهڙو "ذوق" جي نظر ۾ هو. "ذوق" وٽ بادشاھ سان وفاداري ۽ عقيدت جو هڪ لازمي جزو هو. نماز کان پوءِ بہ هو دعائن ۾ بادشاھ کي ياد ڪندو هو. غالب جو بادشاھ سان تعلق فقط ضرورت جي ڪري هو، ۽ هو رسمي احترام ۽ آداب ۾ شوخيءَ ۽ خوش طبعيءَ جي هلت بہ روا رکندو هو. ممڪن آهي تہ دربار تائين سندس رسائي نہ هجڻ جو سبب دربار وارن جي سازش هجي، يا وري اهو بہ سبب ٿي سگهي ٿو تہ بادشاھ جو استاد شيخ ابراهيم "ذوق" هو، جيڪو اردو غزل ۽ قصيدي جو مڃيل استاد هو، پر غالب ان کي ليکيندو ئي ڪونہ هو. هونئن بہ ذوق ڪنهن اوچي خاندان سان تعلق رکندڙ نہ هو. انهن قصيدن ۾ ۾، جيڪي غالب دربار ۾ پيش ڪيا، "ذوق" تي نہ رڳو همعصرانہ ٽوڪ ڪيل آهي، بلڪ ان تي کليءَ ريت مذاق ڪيل آهي. ممڪن آهي تہ غالب، ذوق کان گهٽ درجي جي ملازمت قبول ڪرڻ ۾ عار سمجهيو هجي. پر هاڻي حالتون بدلجي چڪيون هيون. انهيءَ ئي دربار ۾، ڇهہ سؤ روپين جي ساليانې وظيفي تي، تيموري بادشاهن جي تاريخ لکڻ جي ملازمت کي رحمت سمجهي قبول ڪيائين. ساليانو وظيفو تہ ڇهہ سؤ رپيا مقرر هو، پر خطاب "نجم الدوله دبيرالملڪ نظام جنگ" جو حاصل ڪيائين. ١٨٥٤ع ۾ ذوق جي مري وڃڻ کان پوءِ، بادشاھ پنهنجو ڪلام بہ اصلاح لاءِ غالب کي ڏيکاريندو هو، ۽ اهو سلسلو ١٨٥٧ع واري هنگامي تائين هلندو رهيو.

انگريزي حڪومت دهليءَ جي درٻار کي آهستي آهستي ختم ڪري رهي هئي. اهو ٻه طي ٿي چڪو هو ته بهادر شاهه جي ذات سان گڏو گڏ، تيموري بادشاهن جي سلسلي کي ٻه ختم ڪري ڇڏيو ويندو. انگريز شعر شاعريءَ جي ذوق ۽ علمي ادبي سرگرمين جي سرپرستي ٻه رڳو رسمي طرح ڪري رهيا هئا. پراڻا وضعداري آخر ڪيستائين هلي سگهي ٿي. البت جيڪي ڏيهي حڪومتون قائم ٿي رهيون هيون، سي ادب جي خدمت ڪنديون رهيون. ١٨٥٧ع واري هنگامي کان پوءِ ته دهليءَ ۾ مسلم معاشري جو تختو ئي اونڌو ٿي ويو، ۽ ڪاٻه ڏيهي رياست اهڙي نه بچي، جنهن ۾ دهليءَ جا عالم ۽ فاضل پناهه وٺي لاءِ نه پهتا هجن. غالب جيتوڻيڪ ان وقت دهلي ڪانه ڇڏي هئي، پر تڏهن ٻه ڏيهي رياستن جي درٻارن سان پنهنجا لاڳاپا قائم رکيا — خاص طرح رامپور جي درٻار سان. جيڪڏهن اهو سهارو نه هجيس ها، ته الائي مٿس ڪهڙي حالت گذري ها. ١٨٥۴ع ۾، اوڌ جي والي واجد علي شاهه غالب کي پنهنجيءَ مدح گوئيءَ جي سلسلي ۾ ساليانو پنج سؤ رپين جي رقم مقرر ڪري ڏني. پر ٻن سالن کان پوءِ اوڌ جي سلطنت ئي ختم ٿي وئي. ١٨٥٧ع جي شروع ۾، مولوي فضل حق خيرآباديءَ جي وسيلي سان، رامپور جي درٻار سان غالب جي لهه وچڙ ٿي، ۽ ١٨٥٩ع کان وٺي ته باقاعدي هڪ معقول رقم کيس استاديءَ جي حق طور ماهوار ملڻ لڳي، ۽ اهو سلسلو سندس حياتيءَ تائين قائم رهيو. رامپور جو والي، نواب يوسف علي خان "ناظم" ته غالب جو دلي طرح قدردان هو، ۽ شاگردي هجڻ کان وڌيڪ، غالب سان سندس هلت دوستاڻي هئي. ان جو جانشين، نواب ڪلب علي خان، ڪن شڪر رنجين جي باوجود، انهيءَ تعلق کي نباهيندو رهيو. انهيءَ سلسلي ۾ غالب ٻه ڀيرا رامپور ٻه ويو، هونئن هو گهڻو ڪري

رياستن جـي والين ۽ اميرن ڏانهن پنهنجا قصيدا يا قطعا موڪليندو رهندو هو، ۽ انهن جي عيوض ڪيس ڪجهه نہ ڪجهه ملي ويندو هو. ڪي دوست بہ ڪيس هديي طور امدادون پيش ڪندا ٿي رهيا. ١٨٥٧ع واري هنگامي ۾ سندس پينشن بہ بند ٿي وئي هئي، پر ١٨٦٠ع جي وچ ڌاري پينشن وري بحال ٿي وئي، ۽ ڪيس رهيل بقايا بہ ڏيـاري وئي. اهڙيءَ ريت، غالب جي زندگيءَ جـي آخري ڏهن سالن ۾، آمدنيءَ جي ڪنهن حد تائين مستقل صورت پيدا ٿي چڪي هئي، ۽ جڏهن پاڻ وفات ڪيائين تہ مٿس فقط آٺ سؤ روپيا قرض هو.

١٨٥٧ع ۾ آتر هندستان ۾ اهو هنگامو ٿيو، جنهن کي انگريزن جي زماني ۾ "غدر" چيو ويندو هو، ۽ هاڻي "آزاديءَ جي جنگ" چئجي ٿو. بادشاهہ جي رهڻ جي هنڌ هجڻ ڪري، دهلي انهيءَ هنگامي جو اهم ترين مرڪز هو. انهيءَ هنگامي بابت غالب جا تاثرات سندس هڪ فارسي رسالي "دستنبو" ۾ ـــ جيڪو هن انهن ئي ڏينهن ۾ لکيو هو ـــ ۽ پڻ سندس خطن ۾ موجود آهن. مختصر طرح، اسين غالب جي تاثرات مان هيٺيان نتيجا ڪڍي سگهون ٿا :-

(١) غالب انگريزي آئين کي انتظام توڙي عدل جي لحاظ کان بهتر سمجهندو هو. سندس حقيقت بين نگاهن کان هيءَ ڳالهہ بہ لڪل ڪانہ هئي تہ انگريزن جي طاقت جي پٺ ۾ ڏيهي رياستون بيجان هيون ۽ انهن جو لشڪر بہ هيڻو، فتني ۽ فساد وارو هو. بادشاهہ سپاهين جي هٿن ۾ قيد هو. بادشاهہ جي عارضي اقتدار لاءِ نہ ڪيس خوشي هئي، ۽ نہ وري ڪيس انهيءَ اقتدار جي مستقل ٿيڻ جي ڪا اميد هئي. سندس نظر ۾ اهو سڄو هنگامو اجايو هو.

(٢) انهيءَ هنگامي جي سياسي رخ کي ڇڏيندي، ان سلسلي ۾ جيڪي انسانيت سوز حرڪتون ٻنهي ڌرين طرفان ٿي گذريون، تن تي

غالب کي گهڻو ڏک ٿيو. جيڪڏهن هڪ پاسي ڏيهي سپاهين پاران دهليءَ تي يلغار ڪرڻ کان پوءِ انگريز عورتن ۽ ٻارن جي بيدرديءَ سان قتل ٿيڻ تي هن ڳوڙها وهايا آهن، ته ٻئي طرف چئن مهينن ۽ چئن ڏينهن کان پوءِ انگريزن هٿان دهلي فتح ٿي وڃڻ بعد، دهلي جي بربادي‌ءَ تي به هن نهايت ئي پر سوز مرثيو لکيو آهي — بلڪ ”دستنبو“ توڙي سندس خطن جو گهڻو حصو انهيءَ قتلام ۽ خونريزي، شهر جي خالي ٿيڻ، لٽمار، ڪورٽ مارشل ۽ سزائن، دهليءَ جي ويرانيءَ ۽ مسجدن، بازارن ۽ قلعي جي ڪيترين عمارتن جي انهيءَ تباهيءَ جي داستان تي ٻڌل آهي، جيڪا تباهي انگريزن هٿان دهليءَ تي ۽ خاص طرح مسلمانن تي آئي. انهن هنگامن بابت غالب جي رويي جي خصوصيت سياسي جانبداري نه، بلڪ انسانيت دوستي آهي.

(٣) غالب کي ان ڳالهه جو بيحد ڏک هو ته انهن هنگامن ۾ اميرن، رئيسن، عالمن، شاعرن ۽ معززن جي اها دنيا برباد ٿي وئي، جنهن جو هو پاڻ به هڪ فرد هو. ٻئي طرف ڏيهي سپاهين جي لٽمار ۾ سوين گهرن جي روشني گُل ٿي وئي، ۽ جن جي بزم ۾ گلاب جا ڏيئا ٻرندا هئا، سي پيانڪ انڌيرن ۾، ناڪاميءَ جي صدمي وچان سڙڻ لڳا. هوڏانهن، دهليءَ جي فتح کان پوءِ ڪوبه مسلمان شريف گهراڻو اهڙو نه رهيو، جنهن تي آفت نه آئي هجي. انهن ۾ گهڻا غالب جي دوستن احبابن مان هئا. غالب جي چوڌاري دنيا ئي اجڙي وئي.

(٤) ”دستنبو“ ۾ گهڻو ڪري غالب پاڻ تي گذريل مصيبتن جو بيان ڪيو آهي. دهليءَ جي فتح ٿيڻ کان پوءِ مسلمان گوشو ڪري لڪي ويهي رهيا يا ڀڄي ويا، يا وري مارجي ويا. غالب جنهن وسڙهي ۾ رهيو ٿي، تنهن ۾ ڏهه-ٻارهن گهر هئا. وسڙهي جو

دروازو بند ڪري ڇڏيو ويو. گهرن جا دروازا به بند ڪيا ويا. غالب پنهنجي خاندان سميت ــ جنهن ۾ غالب جي گهر واري ۽ ٻه ڀاڻيجا شامل هئا، جن جو پيءُ مرزا عارف جوانيءَ ۾ ئي غالب کي جدائيءَ جو داغ ڏيئي ويو هو ــ گهر ۾ بند ٿي ويهي رهيو. سودو سلف، حجامت، ڌوٻي، بهشتي، ڀنگي، سڀ بند. پاڻي به ختم ٿي ويو. برسات پيئي ته ان جو پاڻي گڏ ڪيائون. انهيءَ ئي ويڙهي ۾ دهليءَ جي هڪ مشهور شريف خاندان مان حڪيم ۽ رئيس، حڪيم محمود خان رهيو ٿي، جو پٽيالا سرڪار جو طبيب هو، ۽ حڪيمن جي پاڙي جي حفاظت ڪرڻ لاءِ مهاراجا پٽيالا، جيڪو انگريزن جو وڏو طرفدار هو، پنهنجن سپاهين جو پهرو بيهاري ڇڏيو هو، انهيءَ ڪري غالب انگريز سپاهين هٿان بچيو رهيو. پوءِ به غالب کي پنهنجي صفائي پيش ڪرڻ لاءِ هڪ انگريز ڪرنل اڳيان پيش ٿيڻو پيو.

غالب جو ڀاءُ مرزا يوسف، ڏهن سالن کان چريو ٿي پيو هو، ۽ هڪ الڳ جڳهه ۾ پنهنجي ڀاتين سان گڏ رهندو هو. جڏهن مصيبت آئي، ته گهر وارا کيس اتي ئي ڇڏي، پاڻ ڀڄي نڪتا، فقط ٻه نوڪر اتي رهي پيا. انهن ئي ڏينهن ۾ مرزا يوسف بيمار ٿي پيو، ۽ آخر وفات ڪري ويو. مشڪل سان پاڙي وارن چادرون ڪٺيون ڪري، کيس پاڙي جي مسجد ۾ دفن ڪيو. جڏهن اهو هنگامو رفع دفع ٿيو، ته غالب وٽ کائڻ پيئڻ لاءِ به ڪجهه ڪونه رهيو هو. پينشن به بند ٿي چڪي هئي، ۽ غالب گهر جا ڪپڙا لٽا ۽ ٻيو سامان وڪڻي گذر ڪرڻ لڳو. جڏهن هندن جي آباديءَ جو حڪم ٿيو، ته غالب سان سندس هندو دوستن چڱا ٻير ڀريا. ڪافي عرصي تائين سندس مستقبل اونداهو رهيو. پوءِ هن پنهنجي پينشن جي ٻيهر جاري ڪرائڻ لاءِ ڊڪ ڊوڙ شروع ڪئي. آخر ١٨٦٠ع ۾ پينشن بحال ٿي، ۽ ١٨٦٣ع

۾، گهڻين ڪوششن کان پوءِ، خلعت ۽ درٻاري درجو بہ بحال ٿي ويو.

(ه) انهيءَ سموري وکوڙ واري عرصي دوران، غالب جي روئي ۾ هڪ عجيب توازن، وقار ۽ بردباري نمايان آهي. چئني پاسن قيامت برپا هئي، پر غالب بنا ڪنهن هراس ۽ بدحواسيءَ جي، پنهنجي گهر جي چوديواريءَ ۾، هر حادثي لاءِ تيار، سانت سان ويٺو رهيو. نہ ڏيهي لشڪر جي اقتدار وقت قلعي ۾ ويو، نہ دهليءَ جي فتح ٿيڻ کان پوءِ گهر ڇڏي ڀڳو، ۽ نہ وري انگريز حاڪمن وٽ هاي ويو. گويا دهليءَ جي بربادي، ۽ پنهنجن دوستن جي تباهيءَ ۽ خود پنهنجين مصيبتن جو تماشو ڏسندو رهيو. سندس انسان دوستيءَ واري دل رت ٿي پئي، پر حوصلي ۽ خودداريءَ ۾ ڪوبہ فرق اچڻ نہ ڏنائين — بلڪ پنهنجو پاڻ تي کلندو ۽ لوڪ ڏيندو رهيو. جڏهن گرفتار ٿي انگريز ڪرنيل جي اڳيان پيش ٿيو، تہ ان وقت بہ زندہ‌دلي کان باز نہ آيو. اها بہ هڪ تسليم و رضا جي منزل هئي، جتي هو روحاني تربيت جي ذريعي نہ سهي، ذهني تربيت جي ذريعي، زندگيءَ جي انيڪ تجربن سان آڪري پهتو هو. سندس ذهني تربيت هنگامي ٿيڻ واري وقت تائين راس ٿي چڪي هئي، تنهن ڪري جڏهن هنگامو برپا ٿيو تہ نہ ڪيس ڪا حيراني ٿي، ۽ نہ وري اهو واقعو سندس زندگيءَ لاءِ ڪو نئون موڙ ثابت ٿيو بلڪ ائين پيو ڀانئجي تہ هو هر قسم جي ايندڙ حادثي لاءِ اڳ ئي تيار ٿيو ويٺو هو — پل تہ اهو "مرگ ناگهاني" ئي ڇو نہ هجي.

غدر کان پوءِ زندگيءَ جي ڏهن- ٻارهن سالن ۾ غالب بيمارين جو شڪار رهيو. سندس ان وقت جي خطن ۾ ڪٿي قولنج (پيٽ جي سخت سور جي بيماري) جو ذڪر آهي، تہ ڪٿي وري هٿ تي ڦٽن نڪري پوڻ جو. اهي ڦٽ وري سڄي بت کي وچڙي ويا. پيرن تي

سوج ٿي پيئي. ذيابيطس(مٺو پيشاب)، رت جو بگاڙو، ۽ ٻيا ڪيترائي عارضا ٿي پيا. عمر سان گڏ ضعف، ۽ ضعف سان گڏ تڪليف ۾ وڌي ويئي. ڪاڏي جي طلب گهٽجڻ لڳي. ڪنن جي ٻوڙاڻ ته ٿي پيئي. هڪڙيءَ اک جي بينائي صفا ختم ٿي وئي، ۽ ٻيءَ اک ۾ نظر گهٽجي وئي. وفات کان ٿي- چار سال اڳ ته هلڻ چلڻ کان ۾ چڪجي ويو. شعروشاعريءَ جو مشغلو آخري چمار تائين قائم رهيو. زنده دليءَ ۽ ظرافت آخري دم تائين پٺ نه ڇڏي. ايتري قدر جو هر سال پنهنجي مرڻ جي تاريخ جو قطعو لکي، موت جو انتظار ڪندو هو، ۽ وري جڏهن ان سال موت نه ايندو هو ته پنهنجيءَ شوخ بيانيءَ سان ان جو ڪو دلچسپ سبب ۾ بيان ڪندو هو. وفات کان اڳ ڪجهه ڏينهن مٿس گهٽو ڪري بيهوشيءَ جي حالت رهندي هئي، ۽ وچ وچ ۾ ڪيس هوش ايندو هو ته ان وقفي ۾ طبيعت ٺيڪ رهندي هيس. گهٽو ڪري هي شعر سندس زبان تي رهندو هو:

دم واپسيں بر سر راه ہے
اے عزیزو اب الله ہی الله ہے

آخر پندرهين فيبروري ١٨٦٩ع تي، ٿيهتر ورهين ۽ ڇهن مهينن جي چمار ۾، مرزا اسدالله خان "غالب" هن جهان مان لاڏاڻو ڪري ويو. کيس حضرت نظام الدين رح جي بستيءَ ۾، لوهارو خاندان جي قبرستان ۾ دفن ڪيو ويو.

رشکِ عرفی و فخرِ طالب مرد
اسدالله خان غالب مرد

٦- توازن ۽ پختگي

غالب جي ابتدائي دور واري ڪلام ۾ سندس خودپرستيءَ جي

مذهبي جذبي ۽ تحقيق سان ڪلاڪل، پنهنجي انفراديت جي ڏيکارڻ جي ڪوشش نمايان نظر اچي ٿي. انهن ٻنهي لکين ۾ هڪ نوجوان، جنهن کي دنيا جو تجربو گهٽ ۽ پنهنجين صلاحيتن تي ڀروسو وڌيڪ آهي، ڪجهه ذهني ڪرتبن ۽ لفظن جي بازيگريءَ سان ماڻهن تي رعب وجهي، انهن کان پنهنجي برتريءَ جو اعتراف ڪرائي رهيو آهي ۽ ڪٿي رکو داد ۽ آفرين جي طلب آهي. انهيءَ مشغلي سان سندس ان ڪري ۾ وڌيڪ لڳاءُ آهي جو هڪ ته سانس فطري مناسبت رکي ٿو، ۽ ٻيو ته هن لاءِ ذهني ولي خود نمائيءَ جو ٿي ڪشادو ميدان وجهي رهيو آهي — ته هو ٻهرين رئيس آهي ۽ ٻيو شاعر.

اڪبرآباد (آگرو) کان دهليءَ اچي، هڪ تمام ڪشاديءَ ۽ وسيع علمي ۽ ذهني ماحول سان سندس واسطو پيو. غالب جي فطرت ۾ زندگيءَ ۽ بيداريءَ جو ڪشادو دليل هي آهي ته سنجهس پنهنجي ماحول سان پنهنجي مزاج سان اهڪنڊ اثرن کي جهٽي ۽ قبول ڪرڻ جي توڙي انهن اثرن کي پنهنجيءَ ذهني تعمير ۾ جذب ڪرڻ جي غير معمولي قوت ۽ صلاحيت هئي. هاڻي هن فارسي شاعريءَ جي شاهي رستي کان ڪجهه هٽيل هڪ سهڻيءَ پر اونداهيءَ ڪٿي سنجهان نڪري، فارسيءَ جي انهن وڏن شاعرن کان فيض وٺڻ شروع ڪيو، جن جو ادبي تاريخ ۾ تمام اوچو درجو آهي. هاڻي سندس شاعريءَ جي مشغلي ۾ هڪ اونهي سنجيدگي پيدا ٿيڻ لڳي، جنهن جو اثر سندس فارسي توڙي اردو شاعريءَ ۾ صاف پڪي ٿو. سفر جي مشاهدن سان سندس ذهني افق ۾ وڌيڪ وسعت ٿي ۽ ان سان گڏ رنگارنگ خيال ۽ ڏکيءَ ڇڪتاڻ کان پوءِ سندس ذهن سان صف ٿيڻ لڳا. انهن نه آهي ته ڪو غالب پنهنجيءَ "نيرنگِ تمنا" واريءَ دنيا سان ٻاهر نڪري آيو هو، يا سندس نگاهن

۽ انهيءَ ڪري دنيا جي زندگيءَ جي ڏکن ۽ اهنجن جي احساس کان تنگ
ٿي هئي. پر ٻئي طرف حقيقت معلوم ڪرڻ جي جستجو هئي ته زندگيءَ جي
صوريون تماشون پوريون ڪهڙيون ٿينديون آهن. ۽ ڪهڙين حد
جو صحيح علم ڪهڙو آهي ته ان کي قبول ڪري ۽ ان جي نقط
کي ختم ڪرڻ جو علاج آهي. غالب ان جي وسيلي خدا کي
پڪڙڻ چاهي ٿو پر ان کي ڇڏائي وڃي ٿو. هو خدا جي سامهون ... آڻ
ڪڙڻ ٿو، پر زندگيءَ جي اڪيلائي آخر بنجي ويو. وٺي اچي ۽ بنا
۽ صحيح معنيٰ ۾ دانشور بنجي وڃي ۽ دانشور بنجڻ لاءِ سندس سڄ
هو. غالب جڏهن بهرحال کي "آئينه راز" ٿو ڪوٺي، جڏهن سند
مراد آئينه راز واري ڪتاب آهي، جنهن جي هر صورت ڳولا ڪندڙ
آهي بلڪ اهو راز، جنهن کي هڪ دانشور تلاش ڪندو آهي. ا
جي وڌيڪ وضاحت ڪري ته هو بهرحال کي "محرم راز نهاد
روزگار" يا "رازدانِ خوي دهر" سڏي ٿو.

غالب جي خارجي زندگيءَ ۾ جوابازيءَ جي الزام هيٺ سندس
گرفتار ٿيڻ جو واقعو سندس پوري ٿي سخت تلخ ۽ ساڻ ... آهي.
خارجي زندگي ۽ ذهني اوسر جي وچ ۾ هڪ ڳوڙهو لاڳاپو آهي. ۽
اهو لاڳاپو بن ڌريو جوڙي ڪڙهن جهڙو سڌو سنوٽو لاڳاپو نه ٿيندو
آهي. خارجي حادثن جي عمل کان وڌيڪ اهم ذهني رد عمل آهي
۽ اهو رد عمل خود ڪهڙي ڀاڱي ذهني ڪيفيت ۽ تربيت تي سڌار
رکي ٿو. عمل هڪ واقعو آهي ۽ رد عمل هڪ تجربو. تجربو هڪ
حرڪت آهي. واقعي ۽ تجربي جي وچ ۾ ٻن لفظن جي ويڇولي ڪانهي،
بلڪ دل ۽ ان جي ماهيت جيترو فرق آهي. ذهني زندگيءَ جي اوسر
محسوس ٿيندي آهي. پر اها ڪڏهن ۾ شڪ سان نه بني آهي.
تمام قديم شاعرن ۾ غالب تي هڪ اهڙو عنصر آهي جنهن جي
مختلف دورن جي شاعريءَ ۾ جنهن طرح ذهني اوسر ڪبجي ٿي انهيءَ

ذهني اوسر سان گڏوگڏ سنڌ جي فن ۾ به تبديلي ٿيندي ويئي. اسين انهن فني خصوصيتن کي پنهنجي موضوع کان ٻاهر رکندي، رڳو ايتري چوڻ تي ڪفايت ڪريون ٿا ته انهن فني تبديلين جو رخ رنگين پيچيدگين کان پختي قسم جي سادگيءَ ڏانهن آهي. قديم شاعرن ۾ اوسر يا 'ارتقا' جهڙيءَ ڪنهن شي جو نه هجڻ ان ڪري آهي جو انهن شاعرن لاءِ شاعري حقيقت جي اظهار جي ڪوشش هئي. غالب جي شاعريءَ جو مرڪز 'انا' آهي. حقيقت جي ڪا به تاريخ ڪانه ٿيندي آهي، ۽ 'دهر' ۽ 'روزگار' جي لاڳاپي سان، 'انا' خود ئي تاريخ آهي.

غالب جي لاءِ پنهنجو پاڻ کي دنيا کان الڳ ڪري دنيا جو تماشو ڏسڻ، بلڪ پنهنجو پاڻ تماشائي بڻجڻ، سو خود پرستيءَ منجهان نڪري هڪ قسم جي خود شناسيءَ تائين، ۽ ڪشمڪش ۽ الجهاءَ منجهان نڪري توازن ۽ پختگيءَ تائين پهچڻ آهي. اهو دانشوريءَ وارو رويو نه رڳو زندگيءَ جي حادثن جي مقابلي ڪرڻ سان ٿئي ٿو، بلڪ اهو ئي سنڌ پوءِ لکيل ڪلام جو روح آهي.

سنڌ عشقي شاعريءَ ۾ انهيءَ پاڻ ارپڻ، انهيءَ پنهنجائپ، انهيءَ معصوميت، انهيءَ سوز ۽ گداز، ۽ انهيءَ دلي راحت جون خصوصيتون ٿيون ملن، جيڪي مثال طور 'مير' جي عشقي شاعريءَ جون خصوصيتون آهن. ان بدران، لطف ۽ لذت، رشڪ ۽ محروميءَ کان ولي، بيگانگيءَ، ڏک ڏمر ۽ رواجي ڳالهين تائين، سمورن تجربن جي ترجماني ملي ٿي. ڪنهن قوم يا ڪنهن شاعر جي عشقي شاعريءَ جو هن ڳالهه سان ڳوڙهو واسطو آهي ته ان جو خدا سان ڪهڙو رستو آهي. مير ۽ غالب جي عشقي شاعريءَ جو فرق اهو بي معنيٰ فرق ڪونهي، جيڪو جذبي ۽ فڪر جي وچ ۾ ٻڌايو ويندو آهي. بلڪ فرق آهي 'عشق' جي معنيٰ جو، يعني، عشق جان ۽ حقيقت جو واحد ذريعو آهي، يا 'صورت' جي نيرنگي؟ معنيٰ ۽ حقيقت هڪڙي وحدت آهن.

'انا'، 'ڪائنات' ۽ 'خدا' ۾ ميلاپي واسطو آهي. 'انا' کي علحده ڪرڻ سان، 'انا' ۽ 'ڪائنات' ۽ 'خدا' ۾ هڪ تثليث پيدا ٿيو پوي، ۽ انهن جي باهمي لاڳاپي ۾ هڪ خارجيت پيدا ٿي پوي ٿي. انهيءَ 'انا' کي الڳ ڪرڻ سبب غالب جي عشقي شاعريءَ جي انداز ۾ ڊراماٺيت پيدا ٿي پئي آهي.

غالب جي شاعريءَ ۾ تصوف جون ڳالهيون تمام ڪثرت سان ڏسجن ٿيون. حاليءَ جي لفظن ۾، "وجودي توحيد جي موضوع کي جيتري قدر شاعريءَ ۾ غالب بيان ڪيو آهي، غالباً 'نظيري'۽'بيدل' کان پوءِ ڪنهن به پيش نہ ڪيو آهي". وجودي توحيد بابت سندس عقيدو پختو هو. ليڪن تصوف سندس ذهني ماحول هو، سندس زندگي ڪونہ هو. سندس شاعريءَ جي فطرت انهن خيالن ۽ عقيدن کي، جيڪي ماحول ۾ جاري ۽ رائج هئا، محسوس ڪيو، ۽ استعارن جي زبان ۾ انهن کي ظاهر ڪيو. شاعر جو ڪمال انهن فيلسوفاڻن خيالن ۾ ڪونهي، بلڪ انهن خيالن کي شعر جي فلسفي ۾ پلٽائڻ ۾ آهي. فيلسوفاڻن خيالن کي ڇڏيندي، تمام گهڻن شاعرن جي نگاهہ انساني لاڳاپن واري دنيا جي ايتريءَ وسعت کي گهيري ۾ آندو آهي، جيتري غالب جي نگاهن آندي آهي. سندس ڪلام ۾ ڪيترن هنڌن تي ظاهري معاملن کان اڳتي اڪري، نفسياتي حقيقتن تائين پهچڻ جي ڪوشش نمايان آهي. انهيءَ مشاهدي ۾ 'تشڪيڪ' جيڪا حيرت ۽ عجب جو هڪ پهلو آهي، تازگي پيدا ڪري ٿي؛ ۽ ظرافت، جيڪا ڪنهن معاملي کي هڪ ئي وقت ۾ مختلف نقط نظرن سان ڏسڻ جي صلاحيت آهي، شوخي ۽ وسعت پيدا ڪري ٿي. زماني جي عادت ئي بي نيازي آهي. ان جي اڳيان 'خُوي تسليم' بنا چارو ڪونهي. 'خُوي تسليم'، دانشمنديءَ جي تقاضا آهي. زماني سان فقط بغاوت ڪرڻ سان دانشمندي حاصل نٿي ٿي سگهي. پر انهيءَ

’خودي تسليم‘ ۾ شوخي ۽ ظرافت کي شامل ڪري، نہ رڳو انهيءَ صورتحال کي خوشگوار بنائي سگهجي ٿو، بلڪ ائين ڪرڻ، پنهنجي آزاديءَ جي حق جي موٽتا بہ آهي. عقل ۽ دانش جي پاليل اها ’خودي تسليم‘ صوفين واري ’تسليم و رضا‘ واري مسلڪ کان گهڻي مختلف آهي. دلڪش آرزوئن ۽ تمنائن سان ڀريل هن دنيا ۾، جيڪا حادثن جي گذرگاهہ بہ آهي، جنهن ۾ غالب هڪ ئي وقت مبتلا بہ آهي تہ پاڻ ان جو تماشائي بہ آهي، تنهن ۾ وجودي توحيد ۾ ويساهہ ۽ نبي صلعم ۽ آل نبي صلعم، خاص طرح حضرت عليؑ سان عقيدت هن لاءِ مضبوط سهارو آهي، جو تہ ”ڪعبو آزاديءَ جي جاءِ پناهہ ۽ عليءَ جو نالو فارغ البلاغ رهڻ جو رستو آهي.“

غالب کي گهڻو ڪري پنهنجي زماني سان نا قدريءَ جي شڪايت رهي، جيتوڻيڪ هو پنهنجي زماني ۾ بہ هڪ وڏي شاعر جي حيثت سان مشهور ٿي چڪو هو. پر اڄ جڏهن زندگيءَ جي ڪنهن اهڙي روايت کان اسين تمام گهڻو پري هٽي ويا آهيون، جيڪا انسان ۽ ان جي ڪائنات جي وچ ۾ ڪو رابطو قائم ڪري سگهي، جڏهن زندگي تجربي بدران مسئلو بڻجي وئي آهي، ۽ انهيءَ مسئلي جو ڪوبہ حل اسان وٽ ڪونهي، جڏهن زندگيءَ جي رنگينين ۽ محرومين ۾ حيرت انگيز حد تائين اضافو ٿي رهيو آهي، جڏهن آرزوئن جي چڪتاڻ ۽ قدرن جي انتشار ۾ پير ڪپائي بيوڻ ۽ پنهنجيءَ دنيا کي ڏسڻ ۽ پرکڻ ڏکيو ٿي پيو آهي، تڏهن غالب اسان کي پين موڙني شاعرن جي ڀيٽ ۾ پنهنجي زماني جي احساس جي طرز جي لحاظ کان تمام ويجهو نظر اچي ٿو. ۽ اڄ غالب جي سؤ ورهين جي ورسيءَ جي موقعي تي اسين غالب کي دنيا جي سامهون انهيءَ يقين سان پيش ڪريون ٿا تہ سندس ڪلام ۾ دنيا کي ڪو پيغام مليو يا نہ مليو، پر ان کي پنهنجيءَ دل جي دڙڪ ضرور ٻڌڻ ۾ ايندي.

غالب جنھوں ہر کوئی چنگا آکھے

اردو

پروفیسر کرار حسین

پنجابی

شفیع عقیل

انٹرنیشنل پریس میکلوڈ روڈ - کراچی

سماجی پچھوکڑ

غالب دا سماجی چوگردا ساھڈے سمے توں بڑا مختلف سی ـ صرف ایس لئی نہیں پئی سماں بیتن دے نال نال تبدیلیاں دا آؤنا ضروری ہندا اے سگوں ایس لئی وی پئی ساھڈے تے اوس دنیا دے وچکار اک سیاسی ، سماجی، تے سوچ دے انقلاب دی خلیج ٹھا ٹھاں مار رہی اے ـ تاریخی تصور دے راھیں ایہدا کجھ مونہہ مہاندرا وکھاؤن لئی ساھنوں چند اک گلاں ذہن وچ رکھن دی لوڑ اے.

(۱) بر صغیر ہند پاکستان وچ جیہڑے مسلمان آئے اوہ اڈواڈ نسلاں نال تعلق رکھدے سن ـ عربی ، ترکی، ایرانی ، پٹھان ـ خاص طورتے ترکی تے ایرانی ـ ترکی تے ایرانی اینہاں دی ثقافت وچ ودھیک سرکڈھویں سن ـ تاجراں دے علاوہ جیہڑے بہتے عربی سن ایہہ لوک حاکم ، سپاھی ، عالم تے صوفی سن پر اوہ جیہڑی حیثیت نال وی آئے اوہ ایس برصغیر وچ رھن سہن تے رسن وسن لئی آئے سن ـ دو تن نسلاں گذرن مگروں آپنے جدی پشتی وطن نال اونہاں دا ملن ورتن گھٹ ہو جاندا سی تے اوہ ایتھوں ای دے ہوکے رہ جاندے سن ـ مقامی لوکاں دی اک وھڈی تعداد دین اسلام قبول کردی گئی تے آپنیاں ذاتاں برادریاں دے سماجی نظام توں لگ ہوکے ایس ملت وچ شامل ہوگئی ـ برصغیر ہند پاکستان اک وسیع خطہ اے جتھوں دی آبادی

مختلف نسلاں نال تعلق رکھدی اے، اوھدیاں مختلف بولیاں نے تے اک دوجی توں نکھڑی آپنے آپنے علاقے دیاں تہذیباں دے چوگردے وچ رھندی ای۔ ایہدے وچ ایکے تے وحدت دی گھاٹ اے۔ مسلمان ہولی ہولی ہر علاقے وچ پہنچدے گئے تے وسدے گئے۔

(۲) ھندی مسلم سماج وچ بادشاھاں تے اولیاء اللہ نوں مرکزی درجہ حاصل رہیا اے۔ اینج سماج وچ دربار تے درگاھواں دو قطب نے۔ ایہہ اِک دوجے دے مقابلے تے وی نے تے اِک دوجے نوں مکمل وی کردے نے۔ ایسے تناتنی وچ مسلم سماج دی زندگی اے۔ ساھڈے ادب دا سبھ توں چنگا حصہ درباراں تے درگاھواں دے اثر دی پیداوار اے۔ دربار صرف اِک سیاسی مرکز ای نہیں سی سگوں اِک ثقافتی مرکز وی سی تے ہر صوبے وچ نکے درجے تے دربار دا اِک نمونہ قائم سی۔ عالم لوک تے اولیاء اللہ برابر طور تے ملک دیاں چاراں کوٹاں وچ پھیلے ہوئے سن۔ زندگی دی عام ورتوں دے علاوہ ایہہ دو ذریعے سن جنہاں نال اِک پاسے مسلم معاشرے وچ مرکزی حیثیت نے ایکتا سرکڈھ رھی سی تے دوجے پاسے ایہہ ثقافت غیر مسلماناں دی تہذیب دے نیڑے آکے اوھدے تے اثر پا رھی سی۔

(۳) دربار تے درگاہ دے وچکار مسلم معاشرہ خاصاں تے عاماں وچ ونڈیا ھویا سی۔ خاصاں وچ امراء تے شرفاء آؤندے سن تے مقامی سردار وی ایسے ای طبقے وچ شامل سن۔ ایہہ طبقہ ذات برادری دیاں حد بندیاں وچ بند نہیں سی۔ عام لوک کسے نہ کسے حیثیت نال ایسے طبقے نال تعلق رکھدے سن۔ ایس طبقے دا اِک خاص کلچر سی۔ ایہہ قلمکار وی سن تے تلوار دے دھنی وی سن۔ دنیادار وی سن تے دین نال وی دلچسپی رکھدے سن۔ میدان جنگ دے شیر تے محفلاں

دی رونق سن ۔ ستھرے ادبی ذوق دے مالک تے روپ پسند سن نال ای علم دے سرتے ہتھ رکھن والے وی سن ۔ ایہہ سماج دی سرگرم اقلیت سی ۔ مغل سمے دی تاریخ ایسے طبقے دی تاریخ اے ۔ ثقافتی اثر اینہاں توں شروع ہوکے عام لوکاں دے ہر درجے وچ جذب ہندے تے گھر کر دے سن ۔

(۴) ایس معاشرے دی تہذیبی زبان فارسی سی جنھوں ہر علاقے دے پڑھے لکھے مسلمان ای نہیں سگوں مسلم تہذیب توں اثر قبول کرن والے غیر مسلم وی جاندے سن ۔ مدرسیاں دی تعلیم دا نظام وی نیڑے تیڑے اِکو جہاسی ۔ بر صغیر دا کوئی علاقہ اجہا نہیں سی جتھے فارسی زبان وچ ادبی تخلیقاں موجود نہ ہون ۔ وکھو وکھ علاقیاں دیاں ثقافتاں وچ فارسی زبان دی تعلیم تدریس تے ادب تے تخلیقاں دی روایت اینہاں نوں کٹھا کرن دا کم کردی سی ۔

اٹھارویں انیویں صدی وچ مسلم معاشرے نوں چند وڈے تاریخی تقاضیاں دا مقابلہ کرنا پیا ۔ بادشاہاں دیاں نااھلیاں تے عیش پرستیاں ، خاصاں دی خود غرضی دیاں جنگاں تے مہماں نال معاشرے دا سیاسی مرکز کمزور ہو گیا ۔ ہندوستان دیاں غیر مسلم طاقتاں سر کڈھ رہیاں سن تے مرہٹے ، سکھ ، جٹ آپد خود مختار حکومتاں قائم کررہے سن ۔ ایہہ تے خیر برصغیر دا داخلی مسئلہ سی جیہڑا انج حل ہو رہیاسی پئی مسلمان وی مختلف صوبیاں تے علاقیاں جیویں اودھ ، روھیلکھنڈھ ، بنگالہ ، حیدرآباد ، میسور ، سندھ وچ آہنیاں خود مختاریا نیڑے تیڑے خود مختار حکومتاں قائم کررہے سن ۔ پر اِک وڈا چیلنج ایہہ سی پئی یورپی طاقتاں ، خاص طورتے انگریز آہنیاں تجارتی سرگرمیاں توں اگانہہ لنگھ کے ملک وچ سیاسی اقتدار

تے ملکیتاں تے قبضہ کرن وچ لگے ہوئے سن ۔ ایس چیلنج دا پرانے معاشرے کول کوئی جواب نہیں سی کیوں پئی ایہہ اِک اجہی دنیا نال ٹاکراسی جنہوں ایتھوں دے لوک حالی پوری طرح سمجھ وی نہیں سکدے سن تے جیہڑی بہتی منظم ، ہوشیار ، تے جارحانہ ارادے رکھن والی ، موثر سائنسی ٹیکنیک نال مسلح سی ۔ پر ایہہ خیال کرنا پئی ایہہ زمانہ مسلماناں دے پورے تنزل تے زوال دا زمانہ سی کجھ ودھیک درست نہیں جاپدا ۔ پہلی گل تے ایہہ پئی اینہاں حالات دے خلاف مسلماناں دیاں شعوری یا نیم شعوری کوششاں برابر جاری رہیاں ۔ فیر اینہاں نویاں قائم ہون والیاں حکومتاں نے ملک وچ نویں ادبی تے ثقافتی مرکز قائم کردے سن جنہاں وچ لکھنؤ تے حیدرآباد خاص طور تے دھیان دین قابل نے ۔ ایہدے علاوہ ایسے سمے دو ایسیاں تحریکاں شروع ہویاں جنہاں نوں اسیں بجا طور تے نویں زندگی دی علامت قرار دے سکدے آں ۔

پہلی تحریک تے دینی تحریک سی ۔ دینی سوچ تے درس تدریس دا جنا کم دلی تے لکھنؤ وچ اوس سمے ہویا اونا پہلوں کدی نہیں ہویا سی ۔ ایس سلسلے وچ خاص طور تے شاہ ولی اللہ دی تحریک دھیان دین والی اے ۔ مرکز دے کمزور ہون دے بعد ، نویں پیدا ہون والے حالات وچ دین دے قائم اصولاں توں ہدایت تے رہنمائی حاصل کرن دا جتن کرنا تے اصلاح دا رخ دربار وّلوں موڑ کے ملت ول کردینا آپنے سمے دے بڑے درست تے کجھے شعور دا پتہ دیندا اے ۔

دوجی تحریک اردو زبان دا فروغ اے ۔ کسے نویں زبان دا پیدا ہونا تے پھلناں پھلناں کسے وڈے توں وڈے سیاسی واقعے توں

بھتی بامعنی تاریخی حقیقت اے۔ اردو زبان تے ادب دا پیدا ھونا ھندی مسلم معاشرے وچ خودی دی یکپائی تے بیداری دی علامت اے۔ اِک نویں خود اعتمادی دے نال پیدا ھون والیاں صلاحیتاں دے اظہار دا ذریعہ اے۔ معاشرے دے دونویں مرکز یعنی اِک بنے بادشاھاں دے دربار تے دوجے بنے صوفیاں تے عالماں دی سرپرستی اینھوں حاصل رھی۔ ایہدا مقدر ایہہ سی پئی ایہہ وطن دے غیر مسلم بھراواں نال ملن ورتن، وٹاندرے تے ایکے دا ذریعہ بنے تے فارسی نالوں آپنا رشتہ توڑیاں بغیر مختلف علاقیاں دیاں ثقافتاں وچ اکٹھ پیدا کرن دا اوہ درجہ حاصل کرے جیہڑا کسے سمے فارسی نوں حاصل سی۔

جس سمے دو ایسیاں وھدن، پھیلن تے پنھلن پنھلن والیاں تحریکاں پیدا ھون اوس نوں بالکل زوال دا سماں خیال کرنا ناسمجھی اے۔

اردو زبان تے ادب دے فروغ دا زمانہ اوہ اے جدھے وچ ھندی مسلم معاشرہ تہذیب دیاں بہت ساریاں ارتقائی منزلاں توں لنگھ چکیا سی تے علم ادب دے چند خاص حصیاں وچ ترقی کرچکیا سی ایس کارن اردو زبان وچ بڑی چھیتی یکپائی آگئی۔ ھن اِنج جاپدا اے جیویں پہلے دن توں ایں ایس زبان وچ علم کلام دیاں منطقی موشگافیاں تے شاعرانہ احساس دیاں نزاکتاں لطافتاں دے اظہار دی صلاحیت موجود سی۔ کسے معاشرے دا ثقافتی رنگ ڈھنگ سمجھن لئی اوس معاشرے دیاں عوامی ادبی تے ھنری تفریحاں بڑیاں مددگار ثابت ھندیاں نے۔ ایس معاشرے دا خاص ادارہ معاشرہ اے جدھیاں آپنیاں رسماں تے ادب آداب نے جدھے وچ اِک پاسے بادشاہ تے

صوفی لوک شامل ہندے نے تے دوجے پاسے عوام جنہاں دی حیثیت ایس معاشرے وچ اینی ای مرکز اے جنی الزبتھ دے سمے لندن دے تھیٹر دی سی۔ شاعر ہر ملک تے ہر زمانے وچ ہندے نے پر شاید کسے ہور تہذیب نے ایہو جہا ادارہ پیدا نہیں کیتا۔

اکبرآباد (آگرہ)

غالب نسلوں اک ترک سن۔ اوہناں دے دادا قوقان خان بیگ اٹھارھویں صدی دے وچلے سمے سمرقند توں برصغیر وچ آئے۔ ہندی مسلم معاشرے وچ اینی کھچ تے کھل سی پئی ایرانی یا تورانی نسل دا جیہڑا اعلیٰ خانوادہ یا آدمی جنگ، شاعری، علم یا کسے ہور ہنر دا ماہر ایتھے آؤندا سی اوہ بغیر کسے رکاوٹ دے ایس معاشرے وچ آپنا درجہ حاصل کر لیندا سی۔ غالب دے دادے دی زبان ترکی سی۔ اوہ اردو تے فارسی جاندے وی نہیں سن پر غالب جیہڑے اوہناں دے ایتھے آؤن توں چالی پنجاہ ورھیاں مگروں پیدا ہوئے ایتھوں دے فارسی اردوادب دی تاریخ تے ہندی مسلم ثقافت دا اجیہا حصہ بن گئے جیہڑا وکھرا نہیں کیتا جا سکدا۔

سیاسی افراتفری تے طوائف الملوکی دے ایس دور وچ جدوں برصغیر دیاں بہت ساریاں ریاستاں مسلماناں، مرہٹیاں تے انگریزاں دیاں ہوگیاں سن تے ہر ریاست دی آپنی فوج وی ہوگئی سی اوس ویلے لڑائی لڑنا وی اک پیشہ بن گیا۔ ایس ہنر دے جانوں کسے قومی دشمنی تے وفاداری دے جذبے دے بغیر مختلف سرکاراں وچ مقدر آزماؤن لگ پئے۔ مرکز دے کمزور ہندیاں ایں

شریفاں وچ شرافت تے وفاداری دا معیار ذاتی ہو کے رہ گیا ۔ غالب دے دادا سمرقندوں آکے لاھور وچ نواب معین‌الملک دی سرکار وچ نوکر ہوگئے ۔ اوھناں دے مرن توں مگروں دلی دے بادشاہ دی نوکری کر لئی تے اوس سمے دے دستور انوسار اوھناں نوں آپنے تے اپنے رسالے دا خرچ پورا کرن لئی اک پرگنہ دے دتا گیا ۔ غالب دے والد عبداللہ بیگ نے پہلوں اودھ وچ آصف‌الدولہ دی سرکار وچ نوکری کیتی تے فیر حیدرآباد وچ نظام علی خاں دی سرکار وچ کجھ دن لئی ملازم رہے ۔ اوھناں دا ویاہ آگرے وچ خواجہ غلام حسین کمیدان دی دھی نال ہویا ۔ خواجہ غلام حسین کمیدان شہر دے سرکڈھویں لوکاں چوں سن غالب دے والد والا گھر جوائی دے طور تے اوتھے ہی رھن لگ پئے ۔ اخیر وچ اوہ نوکری لئی الور چلے گئے تے فیر اوتھے ای کسے لڑائی وچ مارے گئے ۔ غالب دے چاچا نصراللہ بیگ بڑی حثیت والے سن ۔ اوہ مرھٹیاں ولوں آگرے دے صوبیدار رہے سن تے فیر جدوں انگریزاں نے آکے آگرہ فتح کر لیا تے اوہ انگریزاں دی فوج وچ رسالدار ہو گئے ۔ انگریزاں نے اوھناں دا آپنا تے رسالے دا خرچ چلاؤن لئی آگرے دے کول دو پرگنے ساری حیاتی لئی مقرر کردتے ۔ ایہناں دا کسے حادثے وچ انتقال ہوگیا سی ۔

غالب ۲۷ دسمبر ۱۷۹۷ء نوں آگرے وچ آپنے نانے دے گھر پیدا ہوئے ۔ اسداللہ خاں ناں سی تے مرزا نوشہ عرفیت سی ۔ مڈھ وچ اسد تخلص کردے سن پر بعد وچ غالب نے کتے کتے اسد لکھن لگ پئے ۔ اوہ پنجاں ورھیاں دے سن جدوں اوھناں دے والد دا انتقال ہویا ۔ حالی نو ورھیاں دے ہوئے سن پئی چاچا جیھڑے پیو

دے مرن بعد اوھناں دے کفیل سن اوہ وی اللہ نوں پیارے ہو گئے اوھناں دا سارا بالپن آپنے نانے دے گھر بڑے عیش تے خوشحالی نال گذریا سگوں انج کہنا چاھیدا اے پئی بڑی آزادہ روی وچ گذریا۔ کھیڈنا کدنا ، گڈیاں اڈاؤنا ، شطرنج بازی ، وضح داری تے شرافت ، آپنے ھم عمراں نال رھن بہن ، فیر شاعری ، معشوق بازی شراب خوری تے جوا ، گل کیہہ اوھناں دے اوہ سارے شغل سن جیہڑے امیرزادیاں دے ھندے سن تے جنہاں نوں کوئی روکن ٹوکن والا نہیں سی۔ پر ایہہ گل وی اے پئی امیرزادیاں دے گھراں وچ تعلیم حاصل کرن دی وی اک رسم چلی آؤندی سی تے بعضیاں روائتاں دے انوسار اونہاں نے آگرے دے دو استاداں شیخ محمد معظم تے مشہور شاعر میاں نظیر اکرآبادی توں تعلیم حاصل کیتی سی۔ اس سلسلے وچ غالب اک پارسی ایرانی دا ذکر وی کر دے نے جدھا آتش پرستی سمے ھرمزد ناں سی تے مسلمان ہو کے عبدالصمد ھو گیا سی۔ ایہہ آدمی میل سپاٹے لئی ۱۸۱۰ء دے لگ آگرے وچ وارد ھویا سی۔ دو سال توں بہتے عرصے تک غالب نوں اوھدی صحبت حاصل رھی۔ غالب دے قول موجب اوہ ”مومن موحد تے صوفی صاف سی“۔ ایہہ استاد بغیر کسے شک دے آپنے سمے دا جاماسپ تے بزرجمہر سی۔ جیویں غالب دے کلام توں ثابت ھہندا اے غالب اوس سمے دے پرچلت علوم منقولہ ، منطق ، فلسفہ تے ھیت دے چنگے جانوں سن۔ علم طب دیاں کتاباں وی اوھناں پڑھیاں سن ، عربی توں وی کورے نہیں سن۔ فیر ایس کارن پئی فارسی زبان نال اوھناں نوں پیار سی ، شعر تے فن دا ذوق فطری تے قدرتی سی ایس لئی فارسی زبان دی تاریخ ، سبھا ، رمزاں

تے اصولاں توں غیر معمولی حد تک واقف سن تے کجھ سمیاں دی فارسی شاعری دی روح نوں وی سمجھدے سن ۔ اردو زبان تے ادب دا علم درس تدریس توں حاصل نہیں سی کیتا ، ایہہ اوہناں دے ماحول دا حصہ سی ۔

غالب دا ویاہ تیرہ ورھیاں دی عمر وچ دلی دے اک بڑے سرکڈھویں خانوادے وچ فخرالدولہ نواب احمد بخش والئی فیروزپور جھرکہ تے لوہارو دے رئیس دے نکے بھرا نواب الہیٰ بخش خاں معروف دی دھی امراؤ بیگم نال ہویا ۔ ایہہ خانوادہ وی غالب دے خانوادے وانگوں نیڑے تیڑے اوسے سمے سمرقندوں آیا سی ۔ انگریز جنرل لارڈ لیک دے نال جنھے دلی تے آگرے چوں مرہٹیاں دے اقتدار تے قبضے نوں ختم کیتا سی اوھدے نال نواب احمد بخش نے بڑیاں شاندار خدمتاں انجام دتیاں سن ۔ ایہدے بدلے وچ اوھناں نوں میوات دے علاقے وچ فیروزپور جھروکہ دی ریاست حاصل ہوئی تے فیر مگروں لوھارو نوں وی ریاست وچ شامل کر لیا ۔ ویاہ توں پہلوں وی غالب دے خانوادے دا لوھارو خانوادے نال میل جول تے قریبی تعلقات قائم ہو چکے سن ۔ اوھناں دے چاچا نصراللہ بیگ دا ویاہ نواب احمد بخش تے نواب الہیٰ بخش دی بھین نال ہویا سی تے اوھناں دے مرن مگروں اوھناں دے وارثاں دی رکھوالی وی (جنھاں وچ غالب وی شامل سن) انگریز سرکار نے نواب احمد بخش دے ای سپرد کیتی سی ۔

ویاہ دے دو تن ورھیاں مگروں اونھاں نے دلی وچ وسوں اختیار کر لئی ۔ کجھ کو ورھیاں تک تے آگرے وچ آون جان رہیا ،

اوھناں دی ماں آگرے وچ ھی سی جیہڑی اوھناں دی مالی مدد وی کر دی رھی پر فیر ھولی ھولی آگرے نالوں تعلق گھٹ ھندا گیا تے ۱۸۱۷ء دے کول کول اوھناں دی وسوں ھمیشہ لئی دلی دی ھو گئی۔

آگرہ جیہڑا کسے سمے مغل بادشاھاں دا دارالخلافت رہ چکیا سی ھن آہنی مرکزی حیثیت تے عظمت چھڈ چکیا سی۔ اور معاشرہ جنھوں مغل دربار نے فروغ بخشیا سی موجود تے سی پر اوھدی پہلوں والی چہل پہل تے رونق مک گئی سی۔ غالب نے ایہنوں ''آباد چہ' ویران'' تے ''ویرانہ' آباد'' آکھیا اے۔ اوہ جیہڑی نسل نال تعلق رکھدے سن اوھدیاں خصوصیتاں وچ عیش پرستی، مہم سر کرنا تے شہرت دی طلب شامل سی۔ ناں عزت تے شہرت حاصل کرن لئی آگرہ بڑی چھوٹی تھاں سی۔ دلی نوں تے فیر وی اِک مرکزی حیثیت حاصل سی۔ ایہدے ناں وچ اِک کھچ سی فیر ایہدے باوجود پئی غالب دا تعلق آگرے دے اِک کھاندے پِیندے گھرانے نال سی تے اوھناں دے نانے ھوریں عمائدین شہر وچ گئے جاندے سی پر ایس گھرانے وچ غالب وارثاں چوں نہیں سگوں اوھناں دے وسیلے نال سن۔ شاید ایس گھرانے دی خوشحالی وچ وی کجھ فرق آؤن لگ پیا سی تے اوھناں دے نانے دی جائداد وکن لگ پئی سی۔ لوھارو خانوادے وچ ویاہ ھون دے بعد دلی نال اوھناں دا تعلق ھور پکا ھو گیا۔ کجھ اجیہے محرکات نے اوھناں نوں آگرہ چھڈ کے مستقل طور تے دلی دی وسوں اختیار کرن تے تیار کر لیا۔

شاعری دا شوق آگرے ای توں شروع ھو گیا سی۔ اوھناں نے

آٹھ نو ورھیاں دی عمروں اردو وچ تے یاراں باراں ورھیاں دی عمرے فارسی وچ شعر کہنے شروع کر دتے سن ۔ آگرے دے قیام ویلے ای توں اوہ ادبی حلقیاں وچ شاعر دی حثیت نال جانے تے پچھانے جان لگ پئے سن ۔ اوس سمے دے تذکریاں وچ اوہنا دا ناں وی آؤن لگ پیا سی ۔ غالب نوں شاید ساری عمر ایس گل دا احساس رہیا پئی بھاویں اوھناں دے تعلقات ، میل جول ، دوستی تے وڈاندرا دولتمند تے اچے لوکاں نال رہیا پر ایس لحاظ نال اوھناں دی اپنی حثییت ہمیشہ گھٹ تے دبی رہی ۔ ایہو سبب سی جیہڑا اوہ اپنے خطاباں خلعتاں تے اپنی پنشن نوں اپنے عرف "مرزا نوشہ" توں بہتے عزیز رکھدے سن تے شعر شاعری توں کتے بہتا اپنی نوابی حثییت نوں اپنی شخصیت دا اک حصہ بناؤن تے زور دیندے سن ، اوھناں نے اک فارسی خط وچ اپنیاں آساں تے امیداں دا انج اظہار کیتا اے ۔

"آہ از من کہ مرا زبان زدہ و سوختہ خرمن فریدند ، نہ بآئین نیاگان خویش سلطان سنجر دارائے کلاہ و کمرے ، و نہ بغیر ھنگ فرزانگان پیش بوعلی آسا علم و ھنرے ، گفتم درویش باشم و آزادانہ رہ سپرم — ذوق سخن کہ ازلی آوردہ بودم راھزنی کرد و راہ بدان فرفتہ کہ آئینہ زدودن و صورت معنی نمودن نیز کار نمایان است سر لشکری و دانشوری خود نیست ۔ صوفی گری بزارہ و سخن گستری روئے آر ۔ ناگزیر ھمچنین کردم وسفینہ در بحر شعر .... رواں کردم — قلم علم شد و تیر ھائے شکستہ نیاگان قلم"

ساھڈے معاشرے وچ شعر کہن دی روایت دا اک دستور سی جیہڑا مشاعرے وانگوں اوسے معاشرے نال مخصوص جاپدا اے تے

اوہ دستور سی استادی شاگردی دا۔ شعرشاعری وچ استادی شاگردی دا رشتہ ایہوجہا سی جیویں اِک بنے کسے پیشے، ہنر، یا صنعت وچ استاد شاگرد دا رشتہ ہندا سی تے دوجے بنے روحانی سلسلیاں وچ مرشد تے مرید دا تعلق اے۔ شعر کوئی اک صنعت وی سی تے نسبت وی سگوں انج کہنا چاہیندا اے پئی صنعت تے نسبت دا ایہہ فرق وی ساھڈے دماغاں دا پیدا کیتا ہویا اے، اوس ویلے شعر گوئی انج سی جیویں کسے سلسلے نال تعلق پیدا کرنا۔ ایس دستور دے برخلاف غاؔلب دا شعر شاعری دی سلطنت وچ داخل ہونا اِنج سی جیویں کوئی بہادر طبل پرچم تے تیر شمشیر لے کے کسے ملک تے دھاوا کردے تے اوہنوں فتح کرلئے۔ کمال تے شہرت حاصل کرن دیاں دوجیاں راھواں جیویں سرداری، دانشوری، یا صوفی مت بند سن یا فیر طبیعت دے خلاف سن پر اوس ذوق سخن دے زور نال جیہڑا اللہ نے اونہاں نوں ودلعیت کیتا سی شاعری دے میدان وچ تے کارنامے انجام دتے جا سکدے سن۔ ایہہ گل وی بڑے معنی رکھدی اے پئی اوس سمے دے دستور دے خلاف غاؔلب دا شعر شاعری وچ کوئی استاد نہیں سی۔

غاؔلب نے آتے آؤن والے آپنے خط وچ شعر گوئی لئی اک بڑا بلیغ فقرہ ''آئینہ زدودن و صورت معنی نمودن'' استعمال کیتا اے۔ ''آئینہ زدودن'' اظہار تے ابلاغ دا ہنر اے تے ''صورت نمودن'' وچ ایس ''معنی'' ول اشارہ اے جدھا اظہار شعر وچ ہندا اے۔ روائتی شاعراں دے نیڑے ''معنی'' دا مطلب بسیط حقیقت اے جیہڑی حسیات توں ماورا اے تے آپنی تھاں تے قائم اے۔ اونہاں دے نیڑے ''معنی آفرینی'' کوئی معنی نہیں رکھدی بھاویں حقیقت دے

ادراک وچ نا مکن والی ڈوھنگائی ممکن ہووے۔ غاؔلب دے نزدیک "معنی" دا مطلب بتھا حسیاتی تے نفسیاتی انمول سچائیاں نوں لبھناں یا فیر تشبیہاں تے استعاریاں دے ذریعے نویں مضموناں دی کھوج اے۔ "آئینہ زدودن" دا مطلب دی روزمرہ تے محاورے دے ذریعہ زبان نوں بناسنوار کے اوھدے وچ بہتیاں جلوہ سامانیاں دی صلاحیت پیدا کرنا نہیں سگوں نویاں نویاں ترکیباں دی ایجاد تے اختراع اے جنہاں دے ذریعے انمول تے انوکھے مضموناں نوں شکار کیتا جا سکے۔

شاید انفرادیت دے ایہناں سرکڈھدے ہوئے تقاضیاں نے اونہاں نوں ایس گل تے تیار کیتا ہئی اوہ اردو زبان وچ فارسی شاعر مرزابیدل دی پیروی کرن۔ آپنیاں انمول، انوکھیاں تے ون سونیاں ترکیباں تے مشکل پسندی دے سببیں بیدل دا فارسی شاعراں وچ اک منفرد مقام سی۔ غالب دے مڈھلے کلام وچ ایہو طرز غالب اے۔ پر ایہہ طرز بہتی نہ چل سکی۔ ایس کارن نہیں ہئی اردو زبان بیدل طرز دی سہارو نہیں سی سگوں ایس لئی ہئی غالب تے بیدل دی شاعری دے محرکات دا پچھوکڑ ای مختلف سی۔ بیدل دی "بہار ایجادی عالم بے رنگ" دی رنگینی ایں تے "سرووسمن" نال تعلق نہیں رکھدی، اوہ اوس چمن نال تعلق رکھدی اے جدھے وچ دل دے دروازے کھول کے داخل ہندے نے۔ غاؔلب "نیرنگ صورت" تے "نیرنگ تمنا" دے تماشائی سن۔

ہاں، ایہہ گل ٹھیک اے ہئی مڈھلے دور وچ غاؔلب لئی بیدل دی پیروی اک مفید مشق ثابت ہوئی۔

مرحوم دلی

دلی اک شہر دا ناں ایں پر "مرحوم دلی" اک تہذیب نوں کہندے نے جدھا مرکز دلی سی، جیہڑی قابلاں تے عاقلاں لوں

دوروں دوروں آپنے ول کھچدی سی ، جدھا اثر دور دور تک پھیلا یا ہویا سی تے جدھیاں قلماں نے پورب ، پچھم تے دکھن دیا سرزمیناں وچ اک نویں بہار پیدا کر دتی سی ۔ دلی کئی وار اُجڑی پر اوھدا اُجڑنا اینی اچنبھے دی گل نہیں جنی تیزی نال اوھدا فیر توں وسنا تے آباد ہونا ایں ۔ مغل سلطنت دے زوال سمے ایہہ سدا سہاگن بستی وار وار اجڑی تے فیر آباد ہوئی ۔ میر تے سودا سمے مرہٹہ گردی ، عام فساد تے بد امنی نے ایس نوں بے جان جسا بنا دیتا ۔ میر لئی دلی دیاں گلیاں ''اوراق مصور'' سن جھتوں دی ہر شے مورت سی ۔ ایہہ دنیا وچ یادگار شہر سی جتھے زمانے دے چونویں لوک ای رھندے سن ۔ سودا ایس اُجڑے ہوئے نگرنوں کسے عاشق دا دل سمجھدے سن ۔ دنیا دے سمندر وچ ایہہ اِک انوکھا کنڈھا سی جدھی مٹی چوں خلقت موتی رولدی سی ۔ میر تے سودا وی ایس دلی نوں چھڈن تے مجبور ہوگئے ۔

مرہٹیاں مگروں اس شہر تے انگریزاں دا قبضہ ہویا تے ایتھے امن اماں قائم ہوگیا ۔ بہت سارے ''شرفاء'' انگریز سرکار دے نوکر ہوگئے ۔ انگریز وی اوس سمے ایتھوں دے معاشرے توں اینے الگ نہیں رھندے سن جنے ''غدر'' دے بعد رھن لگ پئے سن شہر دے اکثر ''امراء عمائدین تے شرفاء'' نال اوھناں دا بھائی چارہ تے وٹاندرا سی ۔ کجھ چر مگروں دلی کالج وی قائم کر دتا گیا جدھے وچ بہت سارے ہونہار طالب علم نویں علم تے ھنر دے جانوں ہوئے ۔ دلی دے بادشاہ دے اختیارات ہولی ہولی گھٹ ھندے جارہے سن ۔ لال قلعے وچ دربار موجود سی ، حکومت کمپنی بہادر دی سی پر خلقت خدا دی سی تے ملک بادشاہ دا سمجھیا

جاندا سی ۔ دربار وچ سیاسی تے انتظامی سرگرمیاں مک گیاں سن ۔ قلعے دی آبادی جیہڑے بادشاہ دے خانوادے تے اوہدے وسیلے نال زندہ رہن والے سن اوہدا پالنا اِک اَوْکھا مسلہ بن گیا سی پر دربار دیاں ظاہری رسماں انج ای موجود سن ۔ انتظامی تے سیاسی سرگرمیاں دی تھاں شعر شاعری دی چہل پہل نے لے لئی سی ۔

ایس امن امان دے سمے دلی وچ فیر رونق آ گئی ۔ حالی دے کہن موجب ''تیرھویں صدی وچ جدوں مسلماناں دا تنزل اخیری درجے تے اپڑ گیا سی اوھناں دی دولت ، پت تے حکومت دے نال علم ، فضیلت تے کمالات وی رخصت ھو چکے سن رب سببیں دارالخلافے دلی وچ کجھ اجہے اھل کمال کٹھے ھو گئے سن جنھاں دیاں محفلاں تے جلسے اکبری تے شاھجہانی سمے دیاں محفلاں تے جلسیاں دی یاد دواؤندے سن''۔ ایتھوں دے دینی علم، شعر ، حکمت ، طب ، تاریخ تے نجوم نے چارے کوٹاں دھماں پائیاں ھویاں سن ، تے ایہدے باوجود پئی اودھ تے حیدرآباد دیاں خود مختار ریاستاں وچ قدردانی دے بہتے موقعے حاصل سن ایس معاشرے وچ کجھ اجہی کھچ تے دلکشی سی پئی ایتھوں دے اھل کمال کسے مل تے دلی نوں چھڈنا پسند نہیں کردے سن ۔

غالب جدوں دلی آئے تے اوہ نامشہور نہیں سن ۔ جیہڑے خانوادے وچ اوھناں دا ویاہ ھویا سی اوہ آپ دلی دے چونویں تے عزت والے گھرانیاں چوں اِک سی ۔ اونہاں دے سوھرے نواب الہیٰ بخش معروف ، فخرالدولہ نواب احمد بخش رئیس فیروزپور

جھروکہ دے بھرا سن تے خاندانی تعلقات سببیں اونہاں دا ملن‌جلن تے اٹھن بہن کسے تکلف دے بغیر معاشرے دے اعلیٰ توں اعلیٰ حلقیاں وچ سی ۔ اینہاں حلقیاں وچ ادبی تے علمی ذوق بڑا اُچا سی تے دلی دی ٹکسالی اردو زبان دا رواج سی ۔ مثال دے طور تے غالب دے سوھرے نواب الٰہی بخش خان آپ ذوق دے شاگرد سن تے شعر گوئی وچ زبان دی ستھرائی تے روزمرہ تے زور دیندے سن ۔ اوھناں دے دوست نواب حسام‌الدین حیدر خان جیہڑے غالب دے وھڈے قدرداناں چوں سن میر محمد تقی میر تے مستحسن خلیق (میر انیس دے والد) دے شاگرد سن ۔ ایہہ لوک اوہ سن جیہڑے معیاری تے اردو زبان دے فنکارانہ استعمال وچ بڑے ماہر سن ۔ دیوان غالب دا نسخۂ حمیدیہ جدھے وچ اوھناں دا مڈھلا کلام شامل اے اھدے وچ جھتے اجہے شعر نے جنہاں دی زبان فارسی وچ رنگی ہوئی اے تے بیان استعاریاں دی بجھارت اے اوتھے اوہ مشہور غزلاں وی نے جیہڑیاں بیان دی صفائی تے روانی وچ اردو دی معیاری شعری زبان دے انمول نمونے نے ۔ ایس گل نوں منن لئی کوئی شے رکاوٹ نہیں پئی ایہہ تبدیلی غالب دے آگرے توں دلی آؤن تے دلی دی سوسائٹی وچ اٹھن بہن دا نتیجہ سی ۔

غالب دا آگرے توں دلی آؤنا نہ صرف انج سی جیویں کوئی آدمی اک سوڑی تے حد بند تھاں توں نکل کے بہتی کھلی فضا وچ چلا جائے سگوں ایس فضا دا پچھوکڑ وی مختلف سی — جے غالب آگرہ چھڈ کے دلی نہ آؤندے تے ایہہ گل منن والی اے پئی اوہ انمول مضموناں دی کھوج وچ اردو تے فارسی دے کڈھب رلے نال تیار

کیتیاں تشبیہاں تے استعاریاں دے گورکھ دھندے وچ ای بھلے پھردے غالب دی جنیئیں دی بناوٹ وچ سدھار دا اک اجیہا خودکار پرزہ موجود سی جیہڑا حیرتناک حد تک حساس سی ـ غالب دے ایس سمے دے دوستاں وچ اک خاص طور تے دھیان دین والی شخصیت مولانا فضل حق خیر آبادی دی سی جیہڑے نہ صرف علم تے فضیلت وچ منے پر منے تے پر سدھ سن سگوں اونہاں دا ادبی مذاق وی بڑا ستھرا تے نتھریا ہویاسی ـ غالب دے دل وچ مولانا فضل حق دا جیہڑا احترام سی اوس نوں ویکھدیا ہویاں ایہہ گل منی جا سکدی ای پئی غالب دے شاعرانہ مذاق دے سدھار تے ترقی وچ اونہاں دی صحبت دا وی بڑا حصہ سی ۔

غالب نوں جیہڑی دلچسپی بیدل نال سی ھن اوھدا جادو ٹٹ گیا سی تے اکبری سمے دے فارسی شاعراں نظیری، عرفی، تے ظہوری نال محبت ہور ودھ گئی سی ـ فارسی دے پرانے استاد جیویں سعدی، حافظ، خسرو نوں چھڈ کے اونہاں شاعراں نال تعلق جوڑنا جیہڑے فارسی شاعری دی تاریخ وچ اھم موڑ دا پتہ دیندے نے غالب دی فطری افتاد تے مناسبت دی وجہ نال سی ـ ایہہ شاعر جنہاں نوں فغانی سلسلے وچ ''سبک ھندی'' دے نمائندیاں وچ متھیا جاندا اے مضمون آفرینی، کنایہ تے استعارے دی جدت، کثرت تے زور کلام دے نال نال انسانی زندگی دے معاملیاں دی ترجمانی کرن لئی مشہور نے ـ اونہاں تے اوس ذھنی تحریک دا وی اثر اے جدھے وچ ''منقولات'' توں بتھا ''معقولات'' تے زور دتا جاندا سی تے جیہڑی ایران وچ شروع ھوئی پر انھوں من بھاؤندا ماحول مغل ھندوستان وچ حاصل ھویا ۔

۱۸۲۵ء توں پہلاں غالب بہتیاں اردو غزلاں تے کدی کدی فارسی غزلاں لکھدے سن پر ہن اوھناں نے آپنی ساری توجہ فارسی غزلاں لکھن ول کر دتی تے کوئی ویہہ ورھیاں دی مدت تک اوھناں دا ایہو ای معمول رہیا۔ایہدا اِک سبب تے ایہہ اے پئی غالب لئی فارسی وی نیڑے تیڑے مادری بولی وانگوں سی۔ دوجا شاید ایہدا اِک سبب ہور ہووے۔ سارے مسلم معاشریاں وچ سبھ توں گھٹ قومی دشمنی تے سبھ توں بہتی آؤ بھگت تے عاجزی دیاں خصوصیتاں ہندی مسلم معاشرے وچ رہیاں نے۔ اساں ہمیشہ دوجے اسلامی ملکاں دے عام تے علمی کارنامیاں نوں عقیدت دیاں نظراں نال ویکھیا، فارسی نوں اردو توں ودھیک سمجھیا، ہوسکدا اے غالب نے سوچیا ہووے پئی آپنے سمے دے اردو شاعراں توں بازی لے جان دا اوھناں لئی اِک سوکھا طریقہ ایہو ای اے پئی اردو توں اگانہہ لنگھ کے فارسی وچ ''نقش ہائے رنگ رنگ'' پیدا کیتے جان۔ ایہہ گل یقینی اے پئی اوہ ہور نہیں تے اِک مدت تک ضرور آپنے فارسی کلام نوں ''باعث فخر'' تے اردو کلام نوں ''باعث ننگ'' سمجھدے رہے یا کہندے رہے۔ ایہہ وی ٹھیک اے پئی فارسی نوں اردو دے مقابلے تے اک کلاسیکی حیثیت حاصل سی تے ساھڈی آؤ بگھت تے عاجزی توں ساھنوں بڑا فائدہ پہنچیا۔ غالب دے معاملے وچ وی اوھناں دی ادبی شخصیت تے قلم دا اندازہ کرن لئی اوھناں دے فارسی کلام نوں نہ ویکھنا نہ صرف جہالت اے سگوں اک ظلم وی اے پر ایہہ وی حقیقت اے پئی اج دنیا وچ غالب دی شہرت اردو شاعر دی حیثیت نال اے۔ تے سچی گل وی ایہواے پئی اردو شاعری وچ اوہ مجتہد نے تے فارسی شاعری

وچ مقلدنے۔ ظاہر اے مجتہدانہ حیثیت اور مقلدانہ حیثیت وچ فرق ہیگا اے ۔

غالب جدوں دلی آئے تے اونہاں دی گذر تے گھان پین دا ذریعہ اوہ پینشن سی جیہڑی انگریزی سرکار نے اونہاں دے چاچا نصراللہ بیگ دے اک وارث ہون دی حیثیت نال اونہاں لئی فیروزپور جھروکہ دے رئیس دے ذمے کردتی سی - ایہہ پینشن بہت گھٹ سی تے غالب دا رھن سہن بڑا رئیساں وانگوں سی۔ شاہ خرچی سگوں فضول خرچی اوس سمے امیری لئی ضروری سمجھی جاندی سی - ایس کارن رئیس تے شرفاء عام طور تے قرضدار رھندے ـن تے قرضہ دین والے ھندو شاھوکار تے مہاجن ھندے سن - غالب آپنی آمدن دی تھوڑتے قرضہ دین والیاں دے تقاضیاں توں بڑے تنگ رھندے ـن - ایہہ گل صحیح ھو وے یا جھوٹ پر اوہ ایہہ سمجھدے سن پئی فیروزپور جھروکہ دی ریاست توں اونہاں لئی جیہڑی پینشن حکمیہ متھی ھوئی اے اوہ پوری نہیں ملدی سگوں اوس توں گھٹ ای ملدی اے - ایس معاملے دا تعلق انگریز سرکار نال سی جدھا صدر مقام اوس سمے کلکتہ سی - ایہہ ویکھدیاں ھویاں غالب نے ارادہ کیتا پئی کلکتہ جاکے آپنا معاملہ اعلیٰ انگریز حاکماں دے کول پیش کرن - اونہاں دی کلکتہ جان دی درست تاریخ تے پتہ نہیں پر ایہہ گل یقینی کہی جاسکدی اے پئی اوہ سنہ ۱۸۲۷ء دے مڈھلے سمے دلی توں کلکتہ لئی چل پئے سن تے سنہ ۱۸۳۰ء تک کلکتے توں دلی پرت آئے سن - راہ وچ اوہ لکھنؤ، کانپور، باندہ، بنارس، عظیم آباد آید شہراں وچ وی ٹھہرے سن ۔

لکھنؤ اوس سمے بڑی اچی گڈی آڈ رہیاسی - انگریزاں دی شہہ

تے غازی الدین حیدر نواب وزیر اودھ نے آپنی بادشاھت دا اعلان کردتا سی ۔ غالب نے غازی الدین حیدر دی تعریف وچ فارسی زبان وچ اک قصیدہ لکھیا ۔ اونہاں دا خیال سی پئی ایس تعریف تے مدح دے صلے وچ جیہڑے روپئے ملن گے اونہاں نال کلکتے پہنچن دا سربندھ ھو جائے گا ۔ کلاسیکی شاعری وچ قصیدے دی صنف بادشاھت لئی اک مخصوص عقیدے دا اظہار اے ۔ ایس عقیدے دے انوں‌سار جیویں کل کائنات دا مرکز اللہ تعالیٰ دی ذات اے ، یا جیہڑی تھاں چن ستاریاں وچ سورج نوں حاصل اے یا فیر جیویں دین وچ نبی تے اماماں دا رتبہ اے انج ای ایس دنیا دا مرکز بادشاہ دی ذات اے جیہڑا دھرتی تے اللہ تعالیٰ دا پرچھاواں ایں ۔ ایس دھرتی دا انتظام بادشاہ تے امراء دے وجود نال چلدا اے ۔ دربار دی شان شوکت ایسے جاہ جلال نوں ظاہر کردی اے ۔ قصیدہ لکھن والے شاعر دا جتن ایہہ ھندا اے پئی اوہ ایس دربار دے مقابلے تے آپنے شبداں تے اکھراں دے ذریعے اک پرشکوہ عمارت بنائے ۔ بادشاہ ذات وی اے تے اک علامت وی ایس کارن اوھدی رزم بزم تے وریامی سخاوت اوھدے گھوڑے تے تلوار دے بیان وچ مبالغہ سرے توں ای ناممکن این ۔ غالب دیاں حقیقت پسند نظراں وچ بادشاھت دا ایہہ تصور نہیں سی ۔ ھاں ، ایناں اوہ جاندے سن پئی قصیدہ لکھن دے صلے وچ روپیہ مل سکدا اے ۔ ایھدے نال ای ایہہ پئی قصیدہ لکھن وچ آپنا کمال تے ھنر وکھایا جا سکدا اے ۔ ایس کارن اونہاں دے نیڑے قصیدہ لکھنا " شیوہ گدائی " سی تے اوہ " شیوہ گدائی " وچ " نو آموز " سن ۔ ایس قصیدے وچ وی وارواار اونہاں مجبوریاں تے لاچاریاں ول اشارہ کیتا اے جنہاں سببیں اوہ قصیدہ لکھ رہے نے ۔

ایہدے وچ گدائی توں معافی وی منگی اے پئی جے میں گدائی لئی کریماں دی درگاہ وچ حاضر ہو یا آں تے شرمندگی دھدی میں نے آپ کریماں دے قبیلے وچوں ہیگا آں۔ غالب نے انگریز حاکماں تے انگلستان دی ملکہ دی شان وچ وی قصیدے لکھے نے پر ایس کمال فن دے اظہار دا مقصد ایہہ اے پئی اجیہے عمل دی قدر دانی ہو وے تے اوہدی حاجت پوری کیتی جائے۔ حالی دے کہن موجب۔ ”مرزا دی ساری عمر قصیدے لکھن تے مدح کرن وچ گزری کیوں پئی ضرورت انسان کولوں سبھ کجھ کراؤندی اے“

ایس قصیدے نوں غازی الدین حیدر دے سامنے پیش کرن دی نوبت ای نہیں آئی سگوں نائب وزیر نال وی اونہاں دی ملاقات نہ ہو سکی۔ اوہدا سبب ایہہ سی پئی نائب وزیر جیہڑی نذر تے تعظیم چاہوندا سی اوہ غالب دے نیڑے ” خویشتن داری “ دے اصول دے خلاف سی۔ پرانے معاشرے وچ یا تے درویشاں نے شاعری کیتی اے یا رئیساں۔ یا اونہاں لوکاں جیہڑے گھٹو گھٹ کھاندے پیندے تے گھر دے سوکھے سن اونہاں شاعری نوں شغل جان کے اختیار کیتا تے یا فیر اوہ لوک سن جیہڑے صرف شاعر سن۔ شاعری ای اونہاں لئی زندگی گذارن دا ذریعہ سی۔ اینہاں لوکاں نوں بادشاہاں تے امیراں دی سرپرستی دی لوڑ سی۔ نائب وزیر غالب نوں ایس تیجے درجے دے شاعراں وچ رکھدے سن۔ غالب نوں دعویٰ ایہہ سی پئی اونہاں نال رئیساں جہا سلوک کیتا جائے۔ ایہہ رئیس تے شاعر دا جھیڑا غالب دی ساری حیاتی وچ موجود رہیا۔ غالب شاعر سن تے ایہہ دکھ دین والی حقیقت اے۔ پئی اونہاں کول ریاست دی شان، مرتبہ تے سامان نہیں سی پر اوہ چاہوندے ایہہ سن،

اونہاں نوں شاعر توں بتہا رئیس سمجھیا جائے ۔ سنہ ۱۸۴۷ء وچ بندی خانے دا دھبہ لگن مگروں اونہاں نوں سبھ توں بتہا ھرک ایس گل دا سی پئی ۔ ’’میں ھن کسے ریاست وچ دخل نہیں دے سکدا پر ھاں ، پیر ، مداح ، یا استاد دی حیثیت نال جا سکدا آں ‘‘

اِنج جاپدا اے پئی غالب لکھنؤ دی رونق تے چہل پہل توں متاثر نہیں ھوئے سگوں آپنی ناکامی دے سببیں اونہاں نوں اوتھے بد انتظامی دا تجربہ ھویا ۔ ’’ چوں حال این دیار بدین رنگ ست آن خوشتر کہ سخن از خود نہ گویم ‘‘ ۔ ایناں ضرور ھویا پئی ایس سفر دے سببیں لکھنؤ دے کجھ پر سدھ تے سرکڈھویں لوکاں نال میل جول ھوگیا تے اونہاں نال خط پتر دا سلسلہ وی شروع ھو گیا اینہاں وچ لکھنؤ دے اِک مشہور شاعر شیخ امام بخش ناسخ وی سن دلی دے بعد اردو زبان تے شاعری دا دوجا وھڈا گڑھ لکھنؤ سی تے ناسخ اوھدے ’’ رکن اعظم ‘‘ سن ۔ اوس سمے زبان دے سدھار دا جیہڑا کم لکھنؤ وچ ھو رہیا سی تے غزل جیہڑی اوتھے نویاں لیہاں تے چل رھی سی غالب نوں اونہوں نیڑیوں ویکھن تے سمجھن دا موقع ملیا ۔

غالب دے سبھا وچ اِک پاسے ’’ آزادگی ‘‘ تے ’’ آزادہ روی ‘‘ دے اچے تقاضے سن تے دوجے پاسے وضعداری دیاں پابندیاں ، مالی مجبوریاں ، گھروکی زندگی دیاں ذمےداریاں سن جنہاں نال سوچ سمجھ تے ھس رس کے ڈنگ ٹپاؤنا ضروری سی ۔ غالب دے گھروکی حالات نوں سمجھن دا راز ایسے کشمکش وچ اے ۔ اوہ سیاحت تے سیل سپاٹے نوں پسندوی کردے نے پر مسافرت وچ مصیبتاں تے دکھ وی ھندے نے ۔ ھر من بھاؤنی شے جیہڑی نظراں چوں گذردی اے اوہ

دل نوں آپنے ول وی کھچدی اے ۔ بنارس "بہشت خرم" تے "فردوس معمور" اے ۔ ہندوستان دا کعبہ اے جتھوں دے بت سر توں لے کے پیراں تک اللہ دا نور نے ۔ بنارس اک مست معشوق اے جیہڑا پھل توڑن وچ رجھیا ہویا اے ۔ پر دلی دی یاد فیروی دل توں دور نہئیں ہندی ۔ دلی جان نے سارا جہان تن ایں ۔ دلی دے یار یاد آؤندے نے ۔ آپنے گھر والے یاد آؤندے نے جیہڑے پچھے مایوسی تے بے کسی دی حالت وچ آپنیاں ساریاں آساں امیداں ایس سفر تے سفر دے نتیجے تے لائی بیٹھے نے ۔ ایسے کارن غالب بنارس توں آپنا پلا چھڑا کے آپنی منزل کلکتہ ول ٹرپیندے نے ۔

کلکتہ اک نویں دنیا ایں ۔ اٹھویں "اقلیم" ایں جتھے ہر ملک تے ہر ہنر دا آدمی موجود اے ۔ جتھوں دے ہنراں لئی موت دے علاج دے علاوہ ہر گل سوکھی اے تے جتھوں دے بازاراں وچ مل دے سوا ہر شے سستی اے ۔ جے عیالداری دا طوق گل وچ نہ ہندا تے غالب ایتھوں ایں دے ہو کے رہ جاندے ۔ اوتھوں دی تازگی تے رونق، اوتھوں دیاں ہریالیاں اوتھوں دیاں من موہنیاں، نازنیناں، اوتھوں دے پھل تے شراباں غالب نوں اک سمے تک رہ رہ کے یاد آوندیاں رہیاں۔ ایتھے ای اونہاں نے نویاں ترقیاں تے انکشافات دے کرشمے ، ریل ، ڈاک تار ، تے جہاز آید آپنیاں اکھاں نال ویکھے ، دلی تے لکھنؤدیاں اجڑدیاں ہویاں تہذیباں دے بعد نویں ابھر دے ہوئے قانون نوں آپنی پوری شان شوکت نال ویکھیا ۔ جدھے سامنے پرانے قانون تے ہنر ہور وی بے ملے نظر آؤن لگ پئے ۔ تاریخ دے ایس "پر آشوب عبوری دور" وچ غالب نوں حالات دا اونہاں لوکاں نالوں بہتا شعور سی جنہاں سنہ ۱۸۵۷ء وچ انگریزاں نال ٹاکرا لیا سی ۔ اوہ جاندے

سن پئی ایہہ موجودہ سمے دیاں دو طاقتاں دا مقابلہ نہیئں سگوں موجودہ سمے دے میدان وچ گذرے ہوئے تے آؤن والے سمے دا ٹاکرا اے ۔ پینشن دے سلسلے وچ غالب نوں آس ہوئی پر فیر ٹٹ گئی ۔ فیر اڈیک لمی ہوئی تے معاملہ کلکتے توں دلی بھیج دتا گیا۔ غالب دلی آئے ، آپنے ولوں جتن کردے رہے پر اخیر مایوسی ہوئی ۔ انگلستان اپیل گھلی پر کجھ نتیجہ نہ نکلیا ، پینشن اوہو باٹھ روپئے اٹھ آنے برقرار رہی ۔ بس ایہہ ہویا پئی ریاست فیروز پور جھروکہ دی ضبطی دے بعد ایس پینشن دی ادائیگی دلی دی کلکٹری توں ہون لگ پئی ۔ غالب دے خیال وچ ۔ ”ایس سمے وچ ہر شے توں ڈردے رہنا ایں بہتری اے۔ ایہہ لندن دے معشوق دل تے رکھدے نے پر لوہے دا ۔ اینہاں تے انصاف دی آس لاونا انج ای اے جیویں پتھر نال سر مارنا “ ۔

اوس سمے کلکتے وچ انگریزی اثر دے ماتحت راجہ رام موہن رائے دی پردھانگی وچ بنگالی ہندواں دی اک تحریک چل رہی سی جدھا مقصد ایہہ سی پئی ” فکر و ادب “ نوں فیرتوں زندہ تے اوھدا سدھار کیتا جائے ۔ ظاہر اے پئی غالب نوں ایس تحریک نال کوئی واسطہ نہیں سی ہوسکدا ۔ اوتھے ای گورنر جنرل لارڈوارن ہیٹنگز نے فورٹ ولیم کالج قائم کیتا سی جدھے اک پاسے نویں ہندی دی نیہنہ رکھی جا رہی سی تے دوجے پاسے آسان اردو نثر وچ کتاباں ترجمہ ہو رہیاں سن تے لکھیاں وی جا رہیاں سن ۔ اردو نثر دی ترقی وچ فورٹ ولیم کالج دا جیہڑا حصہ اے اوہ سبھ لوک جاندے نے ۔ غالب وی ایس تحریک توں اثر قبولیا ۔ اونہاں دے فارسی خطاں دا جدوں اردو خطاں نال مقابلہ کیتا جاندا اے تے بڑا فرق

نظر آوندا اے ۔ اونہاں دے فارسی خط جیہڑے اوس سمے دے پرسدھ تے چونویں لوکاں دے ناں نے اک انمول خزانہ این ۔ صرف اینی ای گل نہیں پئی غالب دی شخصیت ، اوہدے تعلقات تے اوہدے چوگردے نوں سمجھن لئی اونہاں دے فارسی خطاں دا مطالعہ ضروری اے سگوں اینہاں خطاں دی زبان وی ایرانی محاورے دا اک چنگا نمونہ این ۔ اونہاں نے ہندی زبان والیاں فارسی نویساں دے تصرفات توں آپنی عربی ملی ہوئی زبان نوں پاک رکھیا اے سگوں بعد وچ تے عربی لفظاں نوں وی جتھوں تک ممکن ہوسکیا ترک کرن دا جتن کیتا اے ۔ خطاں وچ رسمی تکلفات جنہاں نوں ”ادبیت“ دی جان سمجھیا جاندا سی ایس حد تک موجود نے پئی مطلب اونہاں تھلے دبیا ہویا اے ۔ ایہدے برخلاف اردو خطاں وچ جیہڑی روانی تے سلاست ، جیہڑی براہ راست مکالمے دی بے ساختگی ، جیہڑی شوخی تے ظرافت دے نال سنجیدگی تے حفظ مراتب ، جیہڑی سادگی تے پرکاری اے اوس نے اینہاں خطاں نوں اک اجیہا شاہکار بنادتا اے جدھیاں بڑیاں نقلاں ماریاں گیاں پر ایہہ آپنی جگہ تے بے نظیر رہیا تے ایہدا اردو نثر دی درجہ بدرجہ ترقی وچ بڑا وڈا حصہ اے ۔ فیر ایہہ ویکھدیاں ہویاں پئی غالب نے کلکتے توں پرت کے اردو وچ خط لکھنے شروع کیتے نے ، ایہہ گل منن والی اے پئی ایس روانی سلاست تے برجستگی وچ اوس اثر دا نتیجہ وی شامل اے جیہڑا غالب دے ذہن رسا نے اردو نثر دی فورٹ ولیم والی فضا چوں حاصل کیتا سی ۔

ایسے فورٹ ولیم کالج وچ مشرقی علوم دی تدوین دا کم وی ہو رہیا سی تے بہت سارے عالم فاضل ایتھے کٹھے ہوئے سن ۔ ایس

سلسلے وچ اوتھے ہر مہینے اِک فارسی مشاعرہ وی ہندا سی ۔ ایہہ غالب دا میدان سی پر میدان وچ آوندیاں ایں مقابلہ تے قلمی جگھڑا شروع ہو گیا ۔ فارسی زبان صدیاں تک ہندی مسلم معاشرے دی ادبی علمی ، مجلسی ، تے خط پتر دی زبان رہی پر سند اہل زبان ای دی منی جاندی سی ۔ لین دین دی زبان ہندوی یعنی اردو سی تے ایہدا دائرہ وھڈے توں وھڈا ہندا جا رہیاسی فیر ایہہ گل وی اے پئی جدوں کوئی زبان روزمرہ ورتن وچ نہ آئے تے اوھدیاں جڑھاں اوس سر زمین وچ قائم نہیں رہندیاں ۔ ایسے کارن فارسی زبان تے ادب نے ایتھے آزادی نال ترقی نہیں کیتی ۔ زبان سند دے سہارے چلدی رہی ۔ سند بھاویں مناسب حداں وچ زبان دے معیار نوں قائم رکھن دی ضامن اے پر حدوں بہتا ایس تے بھروسہ کرلینا زبان دی ترقی وچ رکاوٹ پاؤندا اے تے اوھدے وچ بناوٹی سبھا تے ’’آورد‘‘ پیدا کر دیند اے ۔ جدوں ایران توں تعلقات گھٹ ہوئے تے ایتھوں دے لغت لکھن والے تے شاعر جنہاں وچ کجھ ہندو یا تومسلم وی سن سند دے طور تے پیش ہون لگ پئے ۔ غالب وی فارسی زبان دی حد تک پیروی دے حلقے چوں باھر نہیئں سن پر اونہاں نوں دعوٰی ایہہ سی پئی میتوں فارسی زبان وچ گنیاں جائے ۔ تے اہل زبان دے سوا ہور کوئی سند اونہاں دے نیڑے معتبر نہیں سی ۔ دلی دی فضا ایس معاملے وچ فیروی کلکتے توں کھلی ڈھلی سی ۔ دلی نے غالب نوں بیدل دے جادو چوں کڈھ کے فارسی شاعری دے راہ تے پا دِتا پر ’’زباں آوران کلکتہ‘‘ ہندوستان دے فارسی شاعراں دی پیروی تے لفظی بحثاں وچ پھسے ہوئے سن ۔ غالب نے مشاعرے وچ اک فارسی غزل پڑھی جدھے وچ ورتی گئی اک ترکیب تے اعتراض ہویا تے سند

هندی جم پل فارسی شاعر قتیل دے رسالے وچوں دی گئی۔ غالب جیہڑے اینہاں فارسی عالماں دے مقابلے وچ علموں گھٹ پر عقلوں اگےسن، اونہاں نوں حقارت نال ویکھدے سن۔ جدوں گل بہتی ودھ گئی تے اونہاں اک فارسی مثنوی لکھی جدھے وچ معافی، نندیا تے طنز وی سی پر دل ایس معذرت دے بعد وی صاف نہ ہویا۔ چو کھے چر پچھوں جدوں غدر سمے غالب اکلاپے تے اک گٹھے بیٹھے زندگی گزار رہے سن فیر اک وار ہندوستان وچ پیدا ہون والیاں لغت نویساں نال اڈا لاؤن دا جذبہ ابھریا۔ ''برہان قاطع'' فارسی لغت دی اک مشہور کتاب اے جیہڑی حالی تک ایران وچ ورتی جاندی اے ایس کتاب دےمولف محمد حسین انج تے تبریزی مشہور نے پر اوہ ہندوستان وچ پیدا ہوئے سن تے ساری زندگی دکھن وچ رہے ایس کارن غالب اونہاں نوں ''دکنی'' ای کہندے نے۔ سنہ ۱۸٦۰ء وچ غالب نے اک رسالہ مرتب کیتا جدھے وچ ''برہان قاطع'' دیاں غلطیاں دسیاں گیاں سن تے جدھا ناں اونہاں نے ''قاطع برہان'' رکھیا سی۔ ایہہ رسالہ سنہ ۱۸٦٦ء وچ چھپیا سی۔ ایس دے چھپن تے مخالفت دا اک طوفان اٹھ کھلوتا۔ ایہدی مخالفت وچ لکھیاں جان والیاں لکھتاں وچ سبھ توں اہم کتاب ''موید برہان'' سی جیہڑی جہانگیر نگر (ڈھاکہ) دے اک مشہور فارسی عالم آغا احمد علی نے لکھی سی۔ ایس چو مکھی دا جواب غالب ای دیندے سن یا دوجے کولوں دواؤندے سن۔ ایہہ گل وی آپنی تھاں تے سچ اے بھاویں غالب نے اینہاں رسالیاں وچ علم تے کھوج نال کم لیا اے تے لغت لکھن دے کجھ اصول وی بنائے نے پر جیہڑے ڈھنگ نال ایہہ بحث ہوئی تے جیویں علمی بحث وچ جذبات تے ذاتیات نوں گڈمڈ کیتا گیا اوہ مخالفاں

تے موافقاں کسے لئی وی فخر کرن کارن نہیں ۔ شاید اوس سمے بحثاں تے مناظریاں دا ایہو ای رنگ سی ۔

غالب دی آپنے آپ نوں پچھان لین دی اک منزل ایہہ وی سی پئی اوہ آپنے آپ نوں اک اجہا پردیسی سمجھدے سن جدھے کول کہن لئی بہت ساریاں گلاں ہون پر بستی وچ اوھدی گل سمجھن والا کوئی نہ ہووے — ایس سفر وچ اونہاں نے دنیا ویکھی ۔ پرانی دنیا وی تے نویں دنیا وی ۔ اونہاں دا ذہنی افق کھلا ڈھلا تے ہور وسیع ہو گیا ۔ بہت سارے پر مدعے تے آچے لوکاں نال ملاقاتاں ہویاں پر اوپرا ہون دا احساس ہور وی ڈوھنگا ہو گیا ۔ ایہو ای اوپرا ہون دا احساس پئی آپنے آپ نوں آپنی دنیا توں الگ کر کے دنیا نوں ویکھنا ”دید و دانش“ دی پہلی شرط اے تے ”دید و دانش“ دی غالب دے کلام وچ اوہ تھاں اے جیہڑی پرانے شاعراں دے کلام وچ صوفی مت دی سی ۔

غالب کلکتے توں دلی آئے تے مالی حالت ہور وی خراب ہو چکی سی ۔ پینشن دا جھگڑا ۱۸۲۹ء توں شروع ہویا تے ۱۸۴۴ء تک چلا رہیا ۔ اک آس تے انگریز حاکماں دی شان وچ قصیدے لکھدے رہے پر اخیر ایس ساری کشمکش دا نتیجہ مایوسی نکلیا ۔ فیروی اونہاں دا ایہہ خیال سی پئی شاید جیویں پرانے بادشاہ علم تے ہنر والیاں دی سرپرستی کردے سن انج ای انگریز سرکار وی قدر دانی دے طور تے اونہاں نوں کوئی صلہ یا اعزاز بخشدے گی پر ایہہ سمے دا تواں دور سی تے ایہدے طور طریقے ای مختلف سن ۔ فضول خرچی ایثار تے کرم دا تقاضہ ہون دے نال نال رئیسی شان دا لازمہ سی ۔ فیر ایہدے نال شراب پین دی عادت جیہڑی نو عمری وچ پے گئی سی ۔ نتیجہ ایہہ ہویا پئی قرضے دا بھار ودھدا گیا ۔ جنہاں دا قرضہ دینا سی اوہ

ڈگری حاصل کرلیندے نے آپ گھر وچ بیٹھ جاندے سن ۔ اوس سمے دا دستور ایہہ سی پئی شرفاء نوں قرضے دی ڈگری دے سلسلے وچ گھر دے اندر نہیں ، باہر ای گرفتار کیتا جاسکدا سی ۔ غالب لئی ایہدے وچ بھلائی سی پئی گھر وچ بیٹھ رہن ۔ شعر گوئی جیہڑی بالپن دی کھیڈ وانگوں شروع ہوئی سی ہن زندگی دا اکلا شغل بن گئی سی ۔ اوس سمے اردو اور فارسی مشاعریاں دا رواج بڑے زوراں تے سی ۔ غالب نے اوس سمے بارے آپنے اِک فارسی قطعے وچ لکھیا اے پئی ہند وچ کیہو جیہے ''خوش نفس سخنور'' نے جنہاں دے ساہواں دے نال ہوا وی مشک والی ہوگئی اے ۔ تے فیر مومن ، نیر ، صہبائی ، علوی ، حسرتی ، اشرف ، آزردہ دا ناں لیا اے ۔ ایسے سمے غالب دے خاص طور تے نواب مصطفیٰ خاں جہانگیر آباد دے رئیس نال خلوص تے محبت بھرے تعلقات ہوگئے سن جیہڑے اردو وچ شیفتہ تے فارسی وچ حسرتی تخلص کردے سن ۔ ایہہ مجازی عشق دے نال نال زہد تقویٰ ، درویشی ، علم تے فضل دے علاوہ بڑے مہذب سن تے معیاری ادبی ذوق رکھدے سن ۔ غالب کدی کدی مشاعریاں وچ شامل ہندے سن تے فارسی شاعری دے علاوہ ہن فیر اردو غزلاں ول دھیان کر رہے سن ۔ ایہہ زمانہ اونہاں دی شاعری دے شباب دا زمانہ سی ۔

۱۸۴۷ء وچ غالب دی زندگی وچ اِک ایہا حادثہ پیش آیا جنہے اونہاں دی ریاست دا اوہ بھرم جدھے وچ اوہ ہن تک سن اُکا ای مکا دتا ۔ شہر دے کوتوال نے جوئے بازی دے جرم وچ اونہاں نوں گھر چوں پھڑلیا تے عدالت نے چھیاں مہینیاں دی سزا دا حکم سنا دتا ۔ ایس سلسلے وچ نہ تے اونہاں دی ذاتی عزت کم آئی تے

نہ لال قلعے دے بادشاہ دی سفارش نے اونہاں نوں ایس ذلتوں بچایا۔ ایس مصیبت سمے آپنے بگانے ہو گئے تے دوستاں یاراں نے مونہہ موڑلیا۔ اک نواب مصطفیٰ خان شیفتہ نے آپنی شرافت دا ثبوت دتا اونہاں ایس موقعے تے دردی بن کے غمخواری تے یاری دا حق ادا کر دتا غالب ایہدے تن مہینیاں مگروں بدنامی دا داغ تے چشم بینالے کے انگریز دی قید تے کشمکش دے دھوکے چوں نالو نال آزاد ہوئے۔

زمانے دے حادثے

قیدوں رہائی ہون دے بعد غالب دی زندگی دے باہرلے واقعات مختصر طور تے بیان کیتے جاندے نے ۔ قید توں چھٹکارا پاؤن توں کجھ چر پچھوں دوستاں یاراں دی کوشش نال اوہ شاہی دربار وچ باریاب ہو گئے ۔ اوہ ایس توں پہلوں وی بہت سارے موقعیاں تے قصیدے پیش کر چکے سن تے دربار چوں خلعت وی حاصل ہو چکیا سی ۔ پر حالی تک اوہناں دا دربار نال باقاعدہ تعلق قائم نہیں ہویا سی ، بھاویں غالب نے آپنیاں قصیدیاں وچ ایس گل دی تمنا ضرور کیتی سی ۔ ہو سکدا اے ایہدا سبب ایہہ ہووے پئی غالب نوں آپنی پنشن وچ واھدے دی پکی آمید سی ایس کارن اوھناں نے قلعے دی نوکری بہتی ضروری نہ سمجھی ہووے ۔ ایہہ وی ہو سکدا اے پئی انگریز سرکار دے پنشن خوار ہون دی حیثیت نال درباریاں دے نیڑے اوھناں دی وفاداری شکوں خالی نہ ہووے ۔ ایہہ سچ اے پئی غالب نوں بادشاہ نال کدی وی اوہ خلوص تے عقیدت پیدا نہیں ہوئی جیہڑی شیخ ابراھیم ذوق نوں

سی ۔ نہ اوہناں دیاں نظراں وچ بادشاہ دا اوہ رتبہ سی جیہڑا ذوق دیاں نظراں وچ سی ۔ ذوق لئی بادشاہ نال وفاداری عقیدے دا اک حصہ سی ۔ اوہ نماز پچھوں آپنیاں دعاواں دے وچ وی اوہنوں یاد رکھدے سن ۔ غالب دا بادشاہ نال تعلق صرف ضرورت لئی سی تے اوہ ایس رسمی ادب آداب وچ شوخی تے تفریح دا رلا وی جائز سمجھدے سن ۔ ایہہ وی ہوسکدا اے پئی اوہناں دے دربار وچ باریاب نہ ہون دا سبب درباری سازشاں ہون یا فیر ایہہ سبب ہووے پئی بادشاہ دے استاد شیخ محمد ابراہیم ذوق سن جیہڑے اردو غزل تے قصیدے دے منے پرمنے استاد سن تے غالب نوں دھیان وچ نہیں لیہاؤندے سن ۔ انج وی ذوق کسے اُچے خانوادے نال تعلق نہیں رکھدے سن ۔ اوہناں قصیدیاں وچ وی جیہڑے غالب نے بادشاہ دے سامنے پیش کیتے ذوق تے نہ صرف ہمعصراں وانگوں چوھل شکوں کھلے کھلے اعتراض موجود نے ۔ ہو سکدا اے غالب دربار وچ ذوق توں نکے درجے دی نوکری قبول کرن نوں شرم دی گل خیال کردے ہون پر ہن حالات بدل چکے سن ۔ ہن اوہناں نے ایسے دربار وچ فارسی زبان وچ تیموری بادشاہاں دی تاریخ لکھن دی نوکری چھی سو روپئے سال تنخواہ تے "نزول آیہ رحمت" سمجھ کے کر لئی سی ۔ دولت تے طاقت دےنہ زوال دے نال نال خطاباں دی شان ودھدی جاندی اے ۔ انج نے حال دے چھی ای سو روپئے مقرر سن پر خطاب "نجم الدولہ دبیرالملک نظام جنگ" حاصل سی ۔ ۱۸۵۴ء وچ ذوق دے مرن بعد بادشاہ آپنا کلام وی غالب نوں وکھاؤندے سن تے ایہہ سلسلہ ۱۸۵۷ء دے غدر تک برابر جاری رہیا ۔

انگریز سرکار ہولی ہولی دلی دربار نوں ختم کر رہی سی۔ ایہہ وی گل پکی ہوگئی سی پئی بہادر شاہ دی ذات دے نال ای تیموری بادشاہاں دی لڑی وی مکا دتی جائے گی۔ شعر شاعری تے علم دی سرپرستی وی اک رسم وانگوں جتھوں تک ہو سکدا سی پوری کیتی جا رہی سی، فیر ایہہ وضعداری کدوں تک چل سکدی سی۔ سکوں دیسی حکومتاں جیہڑیاں قائم ہو رہیاں سن اوہ ایہہ ادبی خدمت پوری کر رہیاں سن۔ ۱۸۵۷ء دے ہلڑ پچھوں تے دلی دے مسلم معاشرے دی بساط ای آلٹ گئی۔ کوئی اک دیسی ریاست اجیہی نہیں رہی سی جتھے دلی دے اہل کمال پناہ لین لئی نہ پہنچے ہون۔ غالب نے دلی تے نہ چھڈی پر آوھناں درباراں نال تعلق قائم رکھیا خاص طور تے رامپور دربار نال۔ جے ایہہ سہارا وی نہ ہندا تے فیر خبرے اوھناں دا کیہہ حال ہندا ۱۸۵۴ء وچ اودھ دے والی واجد علی شاہ نے مدح سرائی دے سلسلے وچ غالب دے پنج سو روپئے سال دے مقرر کر دتے سن پر دو ورھیاں مگروں اودھ دی سلطنت چلدی بنی ۱۸۵۷ء دے ہلڑ توں پہلے مولوی فضل حق خیر آبادی دے وسیلے نال غالب دا تعلق رامپور دے دربار نال ہو گیا فیر ۱۸۵۹ء توں تے اک مناسب رقم اوھناں نوں استادی دے حق دے طور تے ہر مہینے گھلی جان لگ پئی۔ مدد دا ایہہ سلسلہ اوھناں دی ساری حیاتی تک جاری رہیا۔ ریاست رامپور دے والی نواب یوسف علی خان ناظم غالب دے دلوں قدر دان سن تے اوھناں دے تعلقات مریاں وانگوں نہیں سگوں دوستاں وانگوں سن۔ اوھناں دے جانشیں نواب کلب علی خان نے وی کجھ کدورتاں دے باوجود ایس تعلق نوں نبھایا۔ ایسے سلسلے وچ غالب دو وار رامپور وی گئے۔ انج اوہ اکثر ریاستاں

دے والیاں تے امراء دے کول آپنے لکھے ہوئے قصیدے یا قطعے گولدے رہندے سن تے صلے دے طور تے اوھناں نوں کجھ مل جاندا سی ۔ کجھ دوست وی ھدیہ دے طور تے پیش کردے رہندے سن ۔ ۱۸۵۷ء دے ھاڑ وچ اوھناں دی پنیشن وی بند ہوگئی سی پر ۱۸۶۰ء وے وچکار لے سمے پنیشن بقایا جات دے نال فیر جاری ھو گئی ۔ انج غالب دی زندگی دے اخیری دس ورھیاں وچ اوھناں دی آمدن دی گھٹو گھٹ مستقل سبیل پیدا ھو گئی سی تے جدوں اوھناں دا انتقال ھویا اودں اوھناں تے صرف اٹھ سو روپئے قرضہ سی ۔

سنہ ۱۸۵۷ء وچ اتری ھند وچ اوہ ھلڑ ھویا جنھوں انگریزاں سمے غدر کیہا جاندا سی پر اوھدے بعد توں آزادی دی جنگ دے ناں توں یاد کیتا جاندا اے ۔ بادشاہ دلی وچ رھندا سی ایس کارن ایس ھڑ دا وھڈا گڑھ دلی سی ۔ ایس ھلڑ بارے غالب دے تاثرات اونہاں دے اک فارسی رسالے ''دستنبو'' وچ نے جیہڑا اونہاں ایسے سمے لکھیاسی، ایہدے علاوہ اونہاں دے خطاں وچ وی ایہہ تاثرات موجود نے ۔ مختصر طور تے اسیں غالب دے تاثرات بارے ھیٹھ دتے گئے نتیجے کڈھ سکدے آں ۔

(۱) غالب انگریزی قانون نوں انتظام تے انصاف دے اعتبار نال چنگا سمجھدے سن ۔ اونہاں دیاں سچائی تک پہنچن والیاں نظراں توں ایہہ گل وی لکی ھوئی نہیں سی پئی انگریزاں دی طاقت دے سامنے دیسی حکومتاں بے جان نے تے لشکری بے قابو ھلڑ کرن والے تے فساد فتنہ اٹھاون لئی تیار بیٹھے ھوئے نے ۔ بادشاہ سپاھیاں دے ھتھ وچ قیدی بنیا ھویا اے اوھدے چند دلاں دے جھوٹے اقتدار دی

اونہاں نوں نہ آس اے تے نہ اوھدے قائم رہن دی امید اے۔ اونہاں دی نظر وچ ایہہ سارا ہلڑ ”رستخیز بے جا“ اے۔

(۲) ایس ہلڑ دے سیاسی پہلوآں نوں چھڈکے جیہڑیاں انسان دشمن کاروائیاں دوآں پاسیوں ہویاں اوھناں دا غالب نوں بڑا دکھ سی جے اک بنے اونہاں دیسی سپاھیاں دے دلی تے حلے دے بعد انگریز عورتاں تے بچیاں دے بے دردی نال قتل ہون تے ہنجھو کیرے نے تے دوجے بنے چار دن تے چار مہیناں مگروں انگریزاں ہتھوں دلی فتح ہون دے بعد اونہاں دلی دی جان کندلی دا مرثیہ وی لکھیا اے سگوں ”دستنبو“ دے بہتے حصیاں تے خطاں وچ سارا اوس مارکٹائی، افراتفری، شہر خالی ہون تے لٹ مار، کورٹ مارشل تے سزاواں، دلی دی ویرانی تے بازاراں، مکاناں، بستیاں، تے قلعے دیاں اکثر عمارتاں دا ڈھینا، گل کیہہ پئی اوس تباھی تے بربادی دا قصہ اے جیہڑی انگریزاں ہتھوں دلی تے آئی تے خصوصیت نال مسلماناں نوں بھگتنی پئی۔ ایس ہلڑ بارے غالب دی وھلی خصوصیت سیاسی جانبداری نہیں سگوں منکھ پیار اے۔

(۳) غالب نوں ایس گل دا وی بڑا دکھ سی پئی ایس ہلڑ وچ امیراں رئیساں تے شریفاں دی دنیا جدھا اک فرد آپ غالب وی سن برباد ہوگئی۔ اودھر دیسی لشکریاں دی لٹ مار وچ جگمگاوندے گھراں دے دیوے بجھ گئے۔ اوہ لوک جنہاں دیاں محفلاں وچ رات نوں پھلاں دی اگ دے دیوے بلدے سن ہن آپنے ھنیرے گھراں وچ ناکامی دے داغ نال بلن لگ پئے سن۔ تے ایدھر دلی دی فتح دے بعد کوئی مسلمان شریف گھر اجہا نہیں رہیا سی جدھے تے مصیبت نہ

پئی ہو وے ۔ اینہاں لوکاں وچ بہتے مرزا غالب دے دوست سن ۔ گل کیہہ پئی غالب دی دنیا ای ہل گئی سی ۔

(۳) دستنبو وچ بہتا اوہناں حالات دا ذکر اے جیہڑے غالب نوں پیش آئے ۔ دلی دی فتح پچھوں مسلمان لک کے بیٹھ رہے یا نہس گئے یا فیر مارے گئے ۔ جیہڑی گلی وچ غالب ہوریں رہندے سن اوہدے وچ دس بارہ مکان سن ۔ گلی دا بوہا بند کر دتا گیا ، گھراں دے بوہے وی بند کردتے نے غالب آپنے خاندان نوں جدھے وچ غالب دی بیوی دے دو بھنیویں وی سن جہناں دا پیو جوانی وچ ای غالب نوں جدائی دا داغ دے گیا سی لے کے گھر وچ بہہ گئے ۔ سودا سلف ، نائی ، دھوبی ، ماشکی ، چوھڑا ، سبھ بند ہو گئے ایتھوں تک پئی پانی وی مک گیا ۔ جدوں میہنہ پیندا نے اوہ پانی کٹھا درلیندے ۔ ایسے گلی وچ دلی دے اک مشہور شریف خاندان دے رئیس حکیم محمود خان رہندے سن جیہڑے پٹیالہ سرکار دے حکیم سن ۔ ایہو سبب سی پئی پٹیالے دے مہاراجہ نے جیہڑے انگریزاں دے بڑے طرفدار سن حکیماں دی گلی دی حفاظت لئی سپاھیاں دا پہرہ لا دتا سی جدھے کارن غالب انگریزی لشکر توں بچے رہے ۔ ایہدے باوجود غالب نوں آپنی صفائی پیش کرن لئی اک انگریز کرنل دے روبرو پیش ہونا پیا ۔ غالب دے بھرا مرزا یوسف تیہاں ورھیاں توں پاگل سن تے آپنے خانوادے نال اک وکھرے مکان وچ رہندے سن ۔ ایس مصیبت سمے اوہناں دے بیوی بچے اوہناں نوں چھڈ کے نہس گئے نے صرف دو نوکر رہ گئے ۔ ایہنی دنیں مرزا یوسف بیمار ہوئے تے اللہ نوں پیارے ہو گئے ۔ آھنڈ گواھنڈ والیاں نے بڑی مشکل نال اوھناں نوں

گھر دیاں چادراں وچ کفنایا تے محلے دی مسیت وچ دفن کر دتا جدوں ایہہ ہلڑ مکیا تے غالب کول کھان پین لئی کجھ وی نہیں بچیا سی ۔ پنیشن بند سی ، گھر دا اسباب تے کپڑے ویچ ویچ کے ڈھڈ بھردے رہے سن جدوں ہندوواں دی آبادی دا حکم ہو گیا تے غالب دے ہندو دوستاں یاراں نے اوہناں نال چنگا سلوک کیتا چوکھے چر تک مستقبل اُکا ای ہنیرا رہیا ۔ پنیشن دی بحالی لئی بھج دوڑ شروع ہوئی ، اخیر ۱۸٦۰ء وچ پنیشن بحال ہوئی تے ۱۸٦۲ء وچ بڑیاں جتناں بعد خلعت تے دربار وی بحال ہو گیا ۔

(ہ) ایس سارے ہلڑ دے سمے غالب دے رویے وچ اک عجیب توازن تے وقار ظاہر ہندا اے ۔ چارے پاسے حشر دا سماں سی پر غالب بغیر کسے ڈر تے بد حواسی دے ، ہر حادثے دا مقابلہ کرن لئی تیار اپنے گھر وچ بیٹھے رہے—نہ دیسی لشکر دے قبضے تے اقتدار دے سمے قلعے وچ گئے ، نہ دلی دی فتح پچھوں گھر چھڈ کے نٹھے تے نہ انگریز حاکماں نوں جا کے ملے ۔ گل کیہہ بس دلی دی بربادی ، دوستاں دی تباہی ، تے آپنیاں مصیبتاں دا تماشہ ویکھدے رہے ۔ انسانی درد رکھن والا دل خون ہندا رہیا پر خودداری تے "خوشیتن داری" وچ فرق نہ آیا ۔ کیوں آپنے آپ تے ہسدے رہے ۔ جدوں پھڑے گئے تے انگریز کرنل دے روبرو پیش ہونے اوس ویلے وی ظرافت نے ساتھ نہ چھڈیا ۔ ایہہ وی اک دوجے دی رضا تے راضی ہون والی منزل سی جتھے اوہ روحانی تربیت دے ذریعے نہ سہی ، ذہنی تربیت دے ذریعے حیاتی دے بہت سارے دکھ دین والے تجربیاں چوں نکل کے پہنچے سن ۔ ہلڑ ہون سمے تک اوہناں دی ذہنی تربیت پختہ ہو گئی سی ۔ ایسے کارن

ایس هاڑ دے سر چکن نے اوهناں نوں نه حیرانی هوئی نے نه ایهه اوهناں دی حیاتی وچ کوئی موڑ ثابت هویا سگوں انج جاپدا اے جیویں اوه هر مصیبت لئی پهلوں ایں تیار بیٹھے سن ـ بھاویں اوه ''مرگ ناگهانی'' ای کیوں نه هووے ـ

غدر دے بعد زندگی دے اخیری دس یاراں ورھیاں وچ غالب لگاتار بیماریاں دا شکار رهے ـ خطاں وچ کتے قولنج دی درد دا ذکر اے، فیر هتھ نے پھوڑے نکل آئے تے ایهه پھوڑے سارے جسم تے پھیل گئے ـ پیر تے ورم آگیا ـ ذیابیطس، فساد خون تے احتراق دیاں بیماریاں لگ گیاں ـ عمر دے نال نال کمزوری تے کمزوری دے نال نال دکھ ودھدے گئے ـ خوراک بڑی گھٹ هوگئی سی تے کناں توں آچا سنن لگ پئے سن ـ اک اکھ توں آکا ای نهیں دسداسی تے دوجی اکھ توں گھٹ دسن لگ پیاسی ـ مرن توں دو تن ورھے پهلوں ٹرنا پھرنا وی بند هو گیا سی ـ شعر شاعری نال دلچسپی اخیری عمر تک قائم رهی ـ زنده دلی تے ظرافت نے مردے دم تک ساتھ نه چھڈیا ـ هر سال آپنے مرن دی تاریخ لکھ کے موت نوں اڈیکدے سن تے اوهدے نه آؤن نوں آپنی شوخ بیانی کهه چھڈ دے سن ـ مرن تو کجھ دن پهلوں بهتا وقت بے هوشی وچ رهندے سن ـ کجھ چر لئی هوش وچ آجاندے تے تھوڑا آفاقه هو جاندا ـ اینهی دنیں ایهه شعر اکثر پڑھدے رهندے سن ـ

دم واپسیں اب سر راه هے
عزیزو اب الله هی الله هے

اخیر پندراں فروری سنه ۱۸۶۹ء نوں تهتر ورھے تے چار مهینے

دی عمر وچ اللہ نوں پیارا ہوگئے تے حضرت نظام الدین دی بستی وچ لوہارو خاندان دے قبرستان وچ دفن کیتے گئے ۔

رشک عرفی و فخر طالب مرد
اسد اللہ خان غالب مرد

توازن تے پختہ کاری

غالب دے کلام دے مڈھلے دور وچ اونہاں دی خود پرستی دا جذبہ، تکلف تے آپنی انفرادیت دے اظہار دی باقاعدہ کوشش، کلام دیاں وڈیاں خصوصیتاں نے ۔ انج لگدا اے جیویں اک نوجوان جنہوں دنیا دا تجربہ گھٹ تے آپنیاں صلاحیتاں تے بہتا بھروسہ اے اوہ کجھ دماغی کرتباں تے لفظی عجوبیاں دے چلینج نال لوکاں دے دماغ نوں ماؤف تے نظراں نوں حیران کر کے آپنے وڈے ہون دا اعتراف کرا رہیا اے ۔ جیویں او تعریف تے آفرین دا خراج وصول کرنا چاہوندا ہو وے ایس شغل وچ اوہدی دلچسپی ایس کارن ہور وی ودھی ہوئی اے پئی اک تے اوس نوں ایس نال فطری مناسبت اے تے دوجا نے دے کے آپنے آپ نوں وڈا تے اچا دسن لئی اک ایہو ای تے میدان رہ گیا اے ۔ نہیں تے پہلوں اوہ رئیس اے تے پچھوں شاعر اے ۔

اکبرآباد (آگرہ) توں دلی آکے اونہاں نوں اک بہتی کھلی تے بہتی چوڑی فضا نال واسطہ پیا سی ۔ غالب دی فطرت دی زندگی تے بیداری دی اک دلیل ایہہ اے پئی اونہاں وچ آپنے چوگردے چوں

آپنے مزاج انوں‌سار اثرات نوں حاصل تے قبول کر کے اینہاں اثرات نوں آپنی ذہنی تعمیر وچ سماؤن دی غیر معمولی صلاحیت سی ۔ ہن اونہاں نے فارسی شاعری دے راہ توں تھوڑا دور ہٹنی ہوئی اک حسین تے ہنیری گٹھ چوں نکل کے اچیے وڈے فارسی شاعراں توں فیض حاصل کیتا جنہاں دا ادبی تاریخ وچ اِک اچانک اچا مقام اے ۔ ہن شاعری دے شغل وچ اِک ڈونگی سوچ پیدا ہونی شروع ہوئی جدھا اثر اونہاں دی فارسی تے اردو شاعری وچ اگھڑیا ہویا اے ۔ سفر دے مشاہدیاں تے تجربیاں نال اونہاں دا ذہنی افق وی ہور وسیع ہویا تے ایہدے نال ای نال اونہاں دی ریاست دے سفنے وی ڈرنے آس دی اِک لمی کشمکش دے بعد مکنے شروع ہو گئے ۔ ایہہ نہیں پئی غالب ”نیرنگ تمنا“ چوں باہر نکل آئے یا اونہاں دیاں نظراں وچ حیاتی دیاں دلچسپیاں تے آسائشاں دی کشمکش گھٹ ہو گئی پر اونہاں نوں ایس سچائی دا پتہ چل گیا پئی دنیا وچ ساریاں آساں مراداں پوریاں نہیں ہندیاں تے ایہہ وی پئی کسے سچائی دا صحیح معنیاں وچ معلوم ہو جانا ای اوس نوں قبول کرنا تے اوہدیاں تلخیاں دا علاج اے ۔ ایس رد کیتے ہوئے ارادیاں نال غالب خدا نوں تے نہیں پچھانے پر آپنے آپ نوں ضرور پچھان گئے ۔ خدا دے سامنے تے شیشہ نہیں بنے پر زندگی دے سامنے شیشہ ضرور بن گئے ۔ ولی نہ بن سکے پر صحیح معنیاں وچ دانشور بن گئے تے دانشور بننا ای اونہاں دا مقدر سی ۔ جدوں غالب آپنے آپ نوں ”آئینہ راز“ کہندے نے تے اونہاں دی مراد اوس راز توں نہیں ہندی جدھی کھوج کوئی صوفی لاؤند اے سگوں اوہ راز جنہوں اِک ”دانشور“ معلوم کرن دا چتن کردا اے ۔ گل نوں ہور بہتا صاف کرن لئی اوہ

آپنے آپ نوں "محرم راز نہاں روزگار" یا "راز داں خوئے دھر" کہندے نے۔

غالب دی باہرلی زندگی وچ جوئے دے الزام وچ پھڑیا جانا اوہناں دے ھنکار نوں توڑن والا دھکا اے۔ باہرلی زندگی تے ذھنی ترقی وچ اِک گہرا تعلق اے پر ایہہ تعلق دو برابر لکیراں دا سیدھا جیہا تعلق نہیں ھندا۔ باہرلے حادثیاں دے عمل توں بہتا ضروری ذھنی ردعمل ھندا اے۔ عمل اک واقعہ اے تے ردعمل اک تجربہ اے۔ تجربہ اِک حرکت اے۔ واقعے تے تجربے دے وچکار صرف دو شبداں دا ای پندھ نہیں سگوں دل دی ماھیت دا فرق اے۔ ذھنی زندگی دی درجہ بدرجہ ترقی محسوس ھندی اے پر ایہدے وچ راہ دیاں نشانیاں نہیں ھندیاں۔ سارے پرانے شاعراں وچ اک غالب ای اجیہے شاعر نے جنہاں دی مختلف زمانیاں دی شاعری وچ صاف طور تے ذھنی ترقی دے درجے ملدے نے۔ ایس ذھنی ترقی دے نال نال اونہاں دے ھنر وچ وی تبدیلی ھندی گئی۔ ایس ویلے اسیں ھنر دیاں خصوصیتاں نوں آپنے موضوع توں باھر رکھنے آں تے مختصر طور تے ایہہ کہہ دینا کافی سمجھنے آں پئی اینہاں ھنری تبدیلیاں دی ٹور رنگین گنجھلاں توں اثر کرن والی سادگی ول اے۔ پرانے شاعراں وچ "ارتقاء" جیہی کسے چیز دے نہ ھون دا سبب ایہہ اے پئی اونہاں شاعراں لئی شاعری حقیقت نوں پرکھن کرن دا جتن سی پر غالب دی شاعری دا مرکز "انا" اے۔ حقیقت دی کوئی تاریخ نہیں ھندی تے "دھر" تے "روزگار" دے تعلق وچ "انا" آپ ای آپنی تاریخ اے۔

غالب لئی آپنے آپ نوں دنیا توں وکھرا کرکے دنیا دا تماشا

ویکھنا سگوں '' آپنا آپ تماشائی بننا '' خود پرستی چوں نکل کے اِک قسم دا آپنے آپ نو پچھانن تک تے کشمکش چوں نکل کے توازن تے پکیائی دی منزل تے پہنچنا ایں ۔ ایہہ '' دانشورانہ '' رویہ نہ صرف حیاتی دے حادثیاں دا مقابلہ کرن توں ظاہر ھندا اے سگوں ایہو ای رویہ اونہاں دے بعد دے کلام دی جان ایں ۔ اونہاں دی عاشقانہ شاعری وچ اوہ خود سپردگی ، اوہ مانوسیت ، اوہ معصومیت تے سوز گداز جیہڑیاں میر دی عاشقانہ شاعری دیاں خصوصیتاں نے نہیں ملدیاں ، اینہاں دی تھاں لطف تے لذت ، رشک تے حرماں ، توں لے کے اوپراپن حقارت تے نا حاصلی تک ساریاں تجربیاں دی ترجمانی ملدی اے ۔ اِک قوم یا کسے شاعر دی عاشقانہ شاعری دا ایس گل نال گہرا تعلق اے پئی اوھدا کائنات تے خدا نال کیہہ رشتہ اے ۔ میر تے غالب دی عاشقانہ شاعری دا فرق اوہ بے معنی فرق نہیں جیہڑا جذبے تے سوچ وچ دسیا جاندا اے سگوں ایہہ فرق عشق دے معنیاں دا فرق اے ۔ عشق ادراک تے حقیقت دا اکلا ذریعہ اے یا فیر '' نیرنگ صورت '' اے ۔ معنی یا حقیقت اِک وحدت اے ۔ '' انا '' کائنات تے خدا نوں ملاؤن والا رشتہ اے ۔ '' انا '' نوں وکھریاں کرن نال '' انا '' تے کائنات تے خدا وچ اِک تثلیث پیدا ہو جاندی اے تے ایہدے نال ای اونہاں دے آپو وچ دے تعلقات وچ اِک خارجیت پیدا ہو جاندی اے ۔ ایسے '' انا '' نوں وکھریاں کرن دا سبب ایہہ اے پئی غالب دی عاشقانہ شاعری دے انداز وچ ڈرامائیت پیدا ہو گئی اے ۔

غالب دے کلام وچ صوفی مت دے مضمون بہت نے ۔ حالی دے کہن موجب '' وجودی توحید دے مضمون نوں اونہاں نے جنیاں

وی صنفاں وچ بیانیا اے ''شاید نظیری تے بیدل دے بعد کسے نے بیان نہیں کیتا''۔ وجودی توحید تے اونہاں دا پختہ عقیدہ سی پر صوفی مت اونہاں دا ذہنی چوگرداسی ، اونہاں دی زندگی نہیں سی اونہاں دی شاعری دی فطرت نے اونہاں دے خیالاں تے عقیدیاں نوں جیہڑے چوگردے وچ جاری سن محسوس کیتا تے استعارے دی زبان وچ اونہاں دا اظہار کیتا۔ شاعر دا کمال فلسفے والے خیالاں وچ نہیں سگوں اوھدا کمال ایہہ اے پئی خیالاں نوں شعر دے فلسفے وچ بدل دے۔ فلسفے دے خیالاں توں ہٹ کے بڑے گھٹ شاعراں دی نظر نے انسانی تعلقات دے اینے چوڑے تے وڈے ٹکڑے نوں گھیریا اے جنا غالب نے گھیر کے دسیا اے۔ فیر اوھدے وچ اکثر ''معاملات'' توں اگانہہ لنگھ کے نفسیاتی حقیقتاں تک اپڑن دی کوشش ملدی اے۔ ایس مشاہدے وچ شک جیہڑا حیرت تے تعجب دا ای اک پہلو اے تازگی پیدا کردا اے تے ظرافت جیہڑی کسے معاملے نوں اکو وقت وچ دو مختلف نقطۂ نگاہ نال ویکھن دی صلاحیت اے ، اک شوخی تے چوڑائی پیدا کردی اے۔ زمانے دی عادت ای بے نیازی اے ایہدے مقابلے وچ ''خوئے تسلیم'' دے بغیر چارہ نہیں۔ ''خوئے تسلیم'' دانش دا تقاضا اے تے خالی بغاوت نال دانش حاصل نہیں ہو سکدی پر ایس ''خوئے تسلیم'' وچ شوخی تے ظرافت نوں شامل کر کے صرف ایہو ای نہیں پئی صورت حال نوں گوارا بنایا جا سکدا اے سگوں ایہہ آپنی آزادی دے حق دا اثبات وی اے ایہہ '' دیدو دانش'' دی پالی پوسی ''خوئے تسلیم'' صوفیاں دے مسلک ''تسلیم ورضا'' توں بڑی وکھری شے اے۔ ایس خوبصورت تے دلکش ، آساں تے مراداں نال بھری ہوئی دنیا وچ جیہڑی حادثیاں

دے طوفان دی وی گذرگاہ اے، جدھے وچ غالب اکو وقت وچ پھسے وی ہوئے نے تے جدھے تماشا ویکھن والے وی نے۔ اونہاں لئی ہکا سہارا وجودی توحید وچ یقینی تے نبی ص تے آل نبی ص خاص طور تے حضرت علی رض نال عقیدت اے۔ ایس کارن پئی۔ ''کعبہ آزاداں دی پناہ گاہ تے علی رض داناں خوشحال رہن داراہ اے''۔

غالب نوں آپنے زمانے نال ناقدری دی بڑی شکایت رہی اے، بھاویں غالب نے آپنے زمانے وچ وی اک وڈے شاعر دی حیثیت نال بڑی شہرت پالئی سی پر اج جدوں اسیں زندگی دی کسے اچھی روایت توں بڑی دور ہٹ گئے آں جیہڑی انسان نے اوہدی کائنات وچ تعلق قائم رکھ سکے، جدوں زندگی اک تجربے دی تھاں اک مسئلہ بن گئی اے تے ایس مسئلے دا ساڈے کول کوئی حل نہیں ہیگا، جدوں زندگی دیاں رنگینیاں تے ناکامیاں وچ حیرتناک طور تے واہدا ہو رہیا اے، جدوں آساں مراداں دی کشمکش تے قدراں دے کھلار وچ پیر جماکے کھلونا، تے آپنی دنیا نوں ویکھنا تے سمجھنا اؤکھا ہوگیا اے، غالب ساہنوں دوجے سارے شاعراں دے مقابلے وچ آپنے سمے دے احساس دے ڈھنگ نال بڑا نیڑے نظر آؤندا اے۔ تے اج غالب دی سولہ سالہ برسی دے موقعے تے اسیں غالب نوں دنیا دے سامنے ایس یقین نال پیش کرنے آں پئی اونہاں دے کلام وچ دنیا نوں کوئی پیغام ملے یا نہ ملے پر آپنے دل دیاں دھڑکناں ضرور سنائی دین گیاں۔

غالب

آئیا درا شر گوشنت

اردو:۔ پروفیسر کرار حسین

مترجم بلوچی:۔ صدیق آزاد

۱۔ دود ربیدگی

غالبء دورء دود ربیدگی چاگرد، چہ ھنوگین زمانء چاگردء پیلوئیء جتا او دگہ پیم بوتگ۔ پہ اے واسطاں کہ ھر چند زمانہ دیما کنزیت دنیاء حالات بدل بنت او دگر پیم بنت۔ بلکن پہ اے واسطا ھم کہ مے زمانہ او آ زمانء نیامء سیاسی، دود ربیدگی، راجی او فکری انقلابء یک دراج پہناتین پندے است انت۔ دورء حال و احوالانی گوناپء سہرا کنگا، تاریخی چم شانک دور دیگے واسطا مارا پیشی حبران وتی دیما دارگ لازمی انت۔

(۱) ھند و پاکستانء سرزمینء آتککین مسلمان چہ بازین ٹک و بولکان اِتنت۔ عرب، ترک، پٹھان، ایرانی — بلے گیشتر ترک او ایرانی اِتنت۔ ترک و ایرانی آھانی دود ربیدگء مسترین بھرے اِتنت۔ چہ باپاری آن اید کہ گیشتر عرب اتنت، اے حاکم و حکمران، سپاہ، عالم او صوفی و بزرگ اتنت۔ بلے ھر ڈولےء کہ آ آتک انت، من اے دمگء بہ بشّکی نندگ و آباد بوگے نیتء آتک اتنت۔ دومی پشتان رند گون وتی اصلی ھندو وطنء آھانی تعلق داری و سیادی ھلاس بوتگ ات او آ پہ بن بیہہ ھمے ھندے بوتگ اتنت ھندی آبادیء بازین بھرےء، اسلام زرت او ذات زریاتء راجی بند پروشت و گورے راجء ھوار بوت انت۔

ھند و پاکستان مزن و شائیگانین دمگ ایت۔ کہ اودے آبادین مردم تہر تہرین نسل و ٹک و بولک، تہر تہرین زبان و بولی گشوکین باز تہرین علاقانی دود ربیدگی چاگردء آباد انت۔

آهانی تہا پیلہ ئین همرنگی او هم درو شمی نیست ات مسلمان مدان مدانۂ هر علاقۂ تہا تالان بوتنت۔

(۲) هند اسلامی راجی زندۂ بادشاه او اولیاهان مرکزی حیثیتۂ بوتگ را بزان اے راجی زندے تہا دو قطب، دربار او خانقا انت۔ اے یک دگرے هم سٹ انت او یک دگرا پیلہ و سرجم هم کننت اسلامی راجی زنده چہ همے چک وتانۂ برجم انت۔

مے لبزانکۂ گشتیرین بہری چہ درباری او خانقاهی اثران ودی بوتگ۔ دربار ایوکۂ یک سیاسی مرکزی نہ ات بلکین یک دود ربیدگی مرکز ایت هم او هر صوبۂ کچۂ وت دربارۂ یک نمونۂ قائم ات۔ دومی نمگۂ علمای او اولیا ملکۂ چار کنڈان تالان اتنت۔ زندے روچ روزینی گرو دمۂ ایید چہ اے دوئین صوبان اسلامی راجی زندے تہا دود ربیدگی مرکزیت او هم درو شمی و همرنگی پیدا بوان ات او دومی نمگۂ اے راجی زند گون غیر مسلم دود ربیدگ نزدیک آهان او ایشے سرا اثر دور دیان ات۔

(۳) دربار او خانقاهانی اسلامی راجی زند خاص او عوامۂ تہا بہر ات۔ خاصانی تہا امیر او سفید پوش اتنت۔ هندی سردار هم گون همے ٹولیۂ اتنت۔ اے ٹولی ٹک و بولکی گرو بندان نہ ات او عوام کجام نہ کجام ڈولے گورے ٹولیۂ نزدیک ات اے ٹولیۂ خاص دود ربیدگۂ است ات۔ اے ٹولیۂ تہا زحم جن هم است ات۔ او عالم و قلمکار هم از گار او دنیا دار هم است ات او دین دوست او مذهب پسند هم جنگی او سرمچار هم ات او مجلس و مراگاهۂ براه هم۔ آهان جوانین لبزانکی واهگ داری است ات او گون ازم ازم گران مزن دوستی ـــ مغلیہ دور و باریکۂ تواریخ همے دورۂ تواریخ انت۔ روچ روزینی زند و نندۂ اثر چہ همیشان شروع بوتگ اتنت، او

عوامۓ هر ٹولیۓ تہا تالان بوتگ اتنت۔

(۴) اے دورۓ راجی زبان فارسی ات کہ هر علاقۓ مسلمانان ایبد چہ اسلامی دود ربیدگۓ اثر گپتگین غیر مسلمانءَ ہم زانتگ ات۔ و انگ چاه او مدرسہ هانی و انگ او و انینگۓ رهبند ہم گیشتر یک پیما ات۔ اے دمگۓ تہا هچ چشین علاقہ نیست ات کہ او دان فارسی زبانۓ ادبی لبزانکی منبت۔ بازین علاقائی ادب و لبزانک او دود ربیدگان فارسی زبانۓ علم و تعلیم، او ادب و لبزانک، آهان یک برجمین راهۓ سرا آرگۓ ات۔

هژدهمی او نوزدهمی صدیۓ اسلامی راج زندگون لهتین مزنین تواریخی لوٹان دو چار کپت۔ بادشاهانی نابودي عیش پرستی، او گهترین ٹولیۓ جندرکینگی جنگ و مهیمان راجی زندے سیاسی بنجاه نزور بوت۔

هندوستانۓ غیر اسلامی قوت ودان اتنت او مرهٹہ، سکھ، جاٹ و ایدگر، وت مختارین حکومت ٹاهنگۓ اتنت ــــ اے وا هند و پاکۓ شائیگانین دمگے تہ، و توکی حبرے ات، او اے رنگۓ گیشگۓ ات، کہ مسلمان ہم بازین صوبهان وت مختارین یا وت مختار بیمن حکومت جوڑ کنگا اتنت، هنچو کہ من اودھ، روهیلکهنڈ، بنگال، حیدرآباد، میسور، و سندهۓ آهان وتی وت مختارین یا مختار بیمین حکومت جوڑ کتنگ اتنت بلے مسترین پیهارے ایش ات کہ یورپی قوت، گیشتر فرنگ باپاری کاروبارۓ گوستگ ات و ملکۓ سیاسی حکم او واجهیۓ وتی دستا زورگی کاران گلائیش اتنت۔

کهنین دود ربیدگۓ راجی زندے تہا اے بیهارۓ هچ پسو بنیت ات۔ چیا کہ اے گون یک انچین دنیائۓ مقابلہ کنگ ات کہ آئیارا ایدے مردمان شریۓ سرا پجہ ہم نیاورتگ۔ او دومی چہ ایدے

مردمان زیات هزار ات، گیشتر ارثی نیتۂ داشتگ ات، او چہ سائنسی ریک و راھا نبلد اتنت — بلے اے حبرے گشگ راست نہ انت کہ اے زمانہ مسلمانانی پیلہ ئیـن زوال و جهل کپگے زمـانہ انـت — اول پمیشا کہ مسلمانان اے حالاتانی پہ زانت یا پہ نزاتکاری اے حالتانی دارگۂ جهد جـاری داشتگ — پہ اے نوکـین حکومتان ملکۂ تہا نوکین لبزانکی و ادبیۂ او راجی بنجاہ ٹاھینگ انت کہ ایشانی تہا لکھنو او حیدرآبـادۂ نام چہ درستان سر انـت۔ او همے زمانۂ دو هچین جنز(تحریک) بنا بوتنت کہ من آهان اسما زندۂ نشان گشت کنن۔

اولي جنز (تحریک) تہ دینی جنـز ات۔ آ زمانۂ دینی فکر او عام و زانتۂ و دینگے انکرہ کار کہ دلی و لکھنوۂ بوتگ ات، چدو پیشتر هچبر نہ بوتـگ ات اے ردا شاہ ولی اللۂ دستا گپتگین تحریک بیان کنگ کر زیت — مرکزۂ نزور بوگۂ رنـد نوک پیدا بوتگین حالتـان چہ دیـنۂ قائمین رهنبـدان راهے شوهـاز کنگۂ جهد، او مانگیشتگن حالتان گیشنگۂ واسطا دربار یلہ دیگ او دیمۂ پہ استمانۂ نمیگۂ ترینگ آ دورۂ جوان تـرین زانکاری او دانـائیۂ ثبوت انت دمی جنز (تحریک) اردو زبان ئیگ انـت۔ یک نوکین زبانۂ و دی بوگ او دیما روگ و تالان بوگ چہ یک مترنین سیاسی واقعۂ زیات با مقصدین تاریخی حقیقت اپت۔

اردو زبـان و لبزانکۂ ودی بوگ، هـندوستانۂ اسلامـی راج زندۂ تہا مـهکمین وث بهیرسی و مڑہ داری او بیداریۂ ظاهرین نشان ایت۔ اے زبانۂ راجی زنـدۂ دوئـین مسترین بنجاهانی کمک گـون ات۔ بزان یک نمیگے بـادشاهانی دربار او دومی نمیگۂ بزرگ و عالم ایشےۂ پشت و پناہ اتنت۔ اے زبانۂ وش نسیبی او نیکجتیۂ بچـار، کہ ملکۂ غیر مسلم راتان، گندو نندو پہک تپاکیۂ سبب وت او

گون بازین علاقہ‌هان را جی تعلق داریء مهکم کنگے شرپء رسیت کہ یک زمانگے اے شرپ فارسی زبانء بوتگ ۔

اردو زبان و لبزانکء بودناکیء دیمرئیء ھا زمانہ بنگیچ بیت کہ آ و هدا هندوستانء اسلامی راجی زند او دود ریدگ بازین سکی و سوریان گوستگ و دیما شتگ، او علم و لبزانکء نهین پنهاتانی تها ترقی بوتگ، همے واسطا اردو زبانء تها ذوت پختگی پیرا بوت ۔

نون انچون گندگ بیت کہ گشے زانان اے زانء تها چہ شروعاتء زان کواسیء منطقی بحث وتران، شاعریء نازرکین حیالء سیرا کنگء بود موجود بوتگ ۔ هر دود ربیرگ او راجی زندے تبء پوہ وگے واسطا راجی زندے اولسی، لبزانکی او فنی شبین و چهر او تل باز کمک دات کننت ۔ دود ربیرگء بن زہ وت هما معاشرہء جندانت کہ آئیے تها وتی جند رسم و رواج موجود انت ۔ یک نیمگے بزرگ، عالم او بادشاہ گون انت او دومی نیمگء اولس ۔ اولسء حیثیت اے راجی زندے تها همکرء اهم انت، انچوکہ البزتهء زمانہء لندنء تهیٹر ۔ شاعر هر ملکء تها اور هر دورء بنت، بلے هچ دود ربیرگ چشین ادارہے پیدا نہ کتگ ۔

ذات و نسبء غالب ترکء بوتگ ۔ آئیے پیرک توقان خان بیگ هژدهمی کرنء نیامء چہ سمرقند من هندوستانء آتکگ ۔ هندوستانء اسلامی راج زندء تها همکرء کشادئی او شائیگانی است ات کہ ایرانی یا تورانی شرین نسبء هرچ مردمے کہ زهرجنی و

بهادری، شاعری، یا علمء دگہ پنھاتیء زانتکار ات، ادا بیانکین، تہ آئھا زوت اے راجی زندے تھــا جوانین ھنـدو منصبء رست کتگ ات ۔

غالبء پیرکء زبان ترکــی ات ۔ آئیا اردو او فارسی ھــچ نزانتگ ات ھم، او غالب کہ چہ وتی پیرکء آیگء چل و پنجاہ سال رند ادا پیدا بوت، ادے فارسی او اردو لبزانکء تواریخ او ھندوستانء اسلامی دود ربیدگے نمیرانین بھرے جوڑ بوت ۔

سیاسی کشءِ چیــل او وت سریء آ دورء وھدیکہ ھندوستانء ازین ریاست مسلمان، مرھتہء او انگریزانی مرا بھر بوتنت، او ھر یک ریاستء وتی جندے فوج ٹاینگ بوت تہ سپھگری و زھم جنی ھم یک کسب و پیشہء جوڑ بوت او کسب پیشہء زانتکار ابید قومی نسلی اوتک و بو لکی پیرک و تپاوتء بازین سرکار او ریاستانی پہ وتی بحتء نسیبء چکاسگء سرگپس اتنت ۔

مرکزء نزور بوگء رند، شریف زادئین مردمانی تھا، شریف زادئی او وفاداریء معیار او کیلو ذاتی جوڑ بوت ۔ غالبء پیرک چہ سمرقندء آتک و لاھورء، نواب معین الملکء حاکمیء تھا ملازم بوت۔ آئیےء مرگء رند دلیء بادشاھے ملازم بوت ۔ او آ زمانہء دستورء پیما آئیارا وتی جندے او فوجء خرچء واسطا یک پرگنگء دیگ بوت ۔ غالبء پت عبداللہ بیگ اودھء آصف الدولہء حکومتء، او پدا حیدرآبادء، نظام علی خانء حکومتء تا چیزے وھدا ملازم بوت ۔ آگرہء گون خواجہ غلام حسین کمیدانء جنکء آ روسء کت ۔ خواجہ غلام حسین کمیدان چہ شھرء سرکردہ ئین مردمان یکے ات ۔ او غالبء بت ھمودا وتی ناکوء لوگء نشت ۔ گڑیء آ پہ ملازمت و روزگارء شوھازء آلورء شت او ھمودا یک جنگ ئے تھا کشگ بوت۔

غالبءَ ناکو (پتءِ برات) نصراللہ بیگ میر او آباد ات، چہ مرہٹہ آنی نمگءَ آگرہءِ صوبیدار ات ، او پدا وھدیکہ انگریزان آگرہ فتح کت، تہ انگریزانی فوجءَ رسالدار بوت۔ آئیا را پہ وتی جندے او فوجءِ خرچءِ واسطا آگرہءِ نزدیکءَ دو پرگنہ رست بلے آ یک حادثہ ئےءَ بیران بوت۔

غالب ۲۷ دسمبر ۱۷۹۷ عءَ من آگرہءَ وتی پیرکءِ لوگءَ ودی بوت۔ آئیے نام اسداللہ خان ایرکنگ بوت او میرزا نوشہ نیمِ نامہ۔ شروع آئیا وتی تخلص اسد کت، او پدا جاگہ ئے غالب او جاگہ ئے اسد۔ آئیے پتءِ مرکءِ وھدا آئیے عمر پنچ سال آت ـــ ناکو بیران بوگے وھدا آئیا نہ سال آت۔ پتءِ مرک رند آئیے دراھین خرچ ودرچ ناکوءِ سرءَ ات آئیے بچکی وتی پیرک (ماتءِ پت)ءِ لوگءَ پہ وش و آسودگیءَ گوست۔ لیب و گوازی، پتنگ بازی، شطرنج، درک و دور، گون سنگتءَ ھمبلان وش گپی او مجلس او دیوان او پدا شعر و شاعری، شراب و کاڈانی مجلس، سیل و شکار، بزان ھما شغلءَ کہ میر و موتبرانی زھگ اش کننت او مکن کنوک کسی مبیت۔ ا ے آ زمانہ ازگارین مردمانی رھگان لوگانی تھا تعلیم دیگے رسم است آت او انچو گشننت کہ غالبءَ چہ دو استادان، شیخ محمدمعظم او نامدارین شاعر میان نظیر اکبرآبادیءَ ونت او علم در برت۔ اے ردا غالب پارسی نسلءَ یک ایرانیءِ نام ھم گپت کہ آتش پرستیءِ زمانہءَ آئیے نام ھرمز وتگ او مسلمان بوگءَ رند آئیے نام عبدالصمد بوتگ۔

اے مرد سنہ ۱۸۱۰ ع سیل و سوادءَ آگرہءَ آتک او غالب چہ دو سالءَ زیات گون ھمے مردءَ ھم مجلس و ھم دیوان بوت۔ انچو کہ غالبءَ گشتگ "مومن و موحد، صوفی و صافی تھا ـــ استاد بے مبالغہ جاماسپ عھد و بزر جمھر عھد تھا"۔ انچو کہ چہ غالبءِ شاعریءِ گیندگ پیت غالب آ دورءِ علمان، زان منطق، فلسف او علم نجومءَ

زانتکارات۔ طب و حکمتۓ بازین کتاب ھم آئیا وانتگ اتنت۔ عربیۓ ھم بے ھچ نہ آت۔ او گون فارسی زبانۓ دوستی او شئیر و شاعریۓ واھگ داری آئیے جوپۓ استات پمیشۓ فارسی زبانۓ تواریخ، او تب او راہ و رھبندان شریۓ زانتکارۓ او فارسی شاعریۓ تھین دورانی بُنچکۓ پوہ و سرپد آت۔ اردو زبان و لبزانکۓ عام، کتابی او وانگیۓ نہ آت، بلکہ زند و تند او چاگردۓ یک بھرے آت۔

غالبۓ آروس سیزدہ سالۓ عمرۓ دلیۓ نامدارین ٹکۓ تھا، فخرالدولہ نواب احمد بخش والی فیروزپور جھرکہ، و لوھاروۓ مالدار ترین میرۓ کستریں برات نواب الھی بخش خان معروف جنگ انکے امراؤ بیگمۓ گون بوت۔

اے ٹک ھم چو غالبۓ پیرکۓ بیما ھما زمانۓ چہ سمرقند آتکگ آت او ادا آباد وتگ اتنت۔

انگریز جنرل لارڈ لیکۓ سنگتیۓ کہ آئیا چہ دلی او آگرہۓ مرھٹہ آنی حکومت ختم کت، نواب احمد بخشۓ مزن بھادری او تمردی پیشداشتگ آت کہ ایشے عیوضۓ آئیا رامپوات او فیروزپور جھرکہۓ ریاست دیگ بوتگ آت او رندا لوھارو ھم گون آئیے ریاستۓ شامل بوتگ ات چہ آروسۓ پیسر ھم غالبۓ خاندانۓ گون لوھارو خاندانۓ تعلق داری است آت۔ آئیے ناکو (پتۓ برات) نصراللہ بیگۓ آروس گون نواب احمد بخش او نواب الھی بخشۓ گوھارۓ بوتگ آت۔ او آئیۓ مرکۓ رند آئیے وارثانی چارو گذار (کہ گوراھان غالب ھم گون ات) انگریز سرکارۓ نواب احمد بخشۓ سپردۓ کتگ ات۔

آروسۓ دو سہ سال رند دلیۓ آتکۓ ھمدا پہ بن و بہھ نشت لھتین سالان آگرہۓ رواۓ کت۔ آئیے ماتۓ کہ من آگرہۓ ات، آئیئے مالي مدت و کمک ھم کت۔ بلے مدان مدانۓ چہ آگرہۓ آئیے تعلق داری

کم بوت او ۱۸۱۷ع آئیا دائمی صورتءَ دلیءَ لوگ و جاگہ کت۔

آگرہ یک زمانگے مغلیہ بادشاھانی شاھی مننْدی بوتگ‌آت، بلے نون آئیے آ مزنی و نام و توار ھلاس بوتگ ات۔ ھما راجی زند کہ مغلیہ دربارءَ ودی کتگ آت و دیما برتگ آت ھما پیما است ات۔ بلے آ چہ وتی آ پیشی نوبتان شتگ ات۔ غالبءَ آئیا را "آباد چہ ویران او ویرانہ آباد" گشتگ۔ غالبءَ بیھرءَ عیش و نوش، زھم جنی و مڑھداری او نام و مزنیءِ واھگ بوتگ۔ پہ نام و مزنیءَ پیدا کنگءَ آگرہ یک کسان آت۔ دلیءَ یک برے پیدا "مرکزیت" رست۔ پہ دلیءَ ھرکس زرّات ـــ غالب وت چہ آگرہءَ سیر و آبادین ٹکرےءَ ات او آئیے پیرک (ماتءَ پت) چہ شھرءِ اسپیت پوشین او موتبرین مردمان یکے ات، غالب چہ اے خاندانءَ سیاد و وارثان نہ آت بلکہ وت ھمے خاندانءَ جندی یک باسکے ات ـــ اے خاندانءَ وشحالیءَ تھا ھم فرق آتکگ آت۔ آئیے پیرکءَ (ماتءَ پت) جائداد او مـــال و ملکت بھا بوان آت۔ لوھارو خاندانءَ آئیے آروسءَ رند، گون دلیءَ آئیے تعلق داری گیشتر وت ـــ ھمین رنگین حالتان آئیا را آگـرہءَ یلہ دیگ او لڈگ و من دلیءَ جاہ مننْد بوگءَ سکین دات۔

شاعریءَ شوق چہ آگرہءَ نا وتگ ات۔ آئیا ھشت و نہ سالءَ عمرءَ، اردوءَ تھا او یازدہ و دوازدہ سالءَ عمرءَ فارسیءَ شیئر گشگ شروع کتگ آت۔ آگرہءَ جلگے دورانءَ لبزانتانی ٹولیءَ تھا شاعرےءَ حیثیتءَ آئیا نام در آورتگ ات۔ او ھرکسے دپءَ آئیےءَ نام و تـوار است آت۔ غالبءَ وتی سجی زند اے حبـر پہ نہ وشی سارتگ ات کہ آئیا گون مزنین سپیت پوش او موتبرین مردمان دوزوای، تعلق‌داری، او سنکتی وتگ لے اے باروا آئیے وتی جندے حیثیت آمرہ چیر بوتگ۔ ھمیشا آئیا وتی "خطاب" و "خلعت" او پنشن چہ وتـی کسانیءَ نام

"مرزا نوشہ"ءِ ھم دوست تر اتنت۔ او چہ شئر و شاعریءَ گیشتر وتی نوابی حیثیتءِ سھرا کنگءَ زیات دلگوش داتگ اتے۔ آئیا وتی یک فارسی نمدیءِ تہا وتی واھگ ای رنگءَ سھرا کتگ انت:

"آہ از من کہ مرا زبان زدہ و سوختہ خرمن خریدند، نہ بآئین نیاگان، خویش سلطان سنجر دارائے کلاہ کمرے، و نہ بغیر نہگ فرزانگان پیش بوعلی آسا علم و ھنر، گفتم درویش باشم و آزادانہ رہ سپرم۔ ذوق سخن کہ ازلیے آوردہ بودم راھزنی کرد و راہ بدان فرفتنہ کہ آئینہ زدودن و صورت معنی نمودن نیز کار نمایان است۔ سر لشکری و دانشوری خود نیست۔ صوفی گری زاد و سخن گستری روئے آر۔ ناگریز ھمچنین کردم و سفینہ در نجز شعر۔۔۔ روان کردم۔ قلم علم شد و تیرھائے شکستہ نیاگان قلم۔۔۔۔۔"

آ دورءِ راجی زندءِ تہا یک دورے انچین است ات کہ چو مشاعرہ پیما آ دورءِ لازمی بھرے ات۔ او آ استادی و شاگردیءِ دور آت۔ شعر و شاعریءِ تہا استادی و شاگردی، یک نیمگے تہ کسب یا فنءِ تہا استاد او شاگردءِ رشتہءِ پیما ات، تہ دومی نیمگءَ روحانی سلسلہءِ مرشد او مریدے ات۔ شیر و شاعری یک کسب ئے ھم البت ات او یک صفتءِ ھم— کسب و صفتءِ اے نسبت ھم آ دورءِ ذھن و حیالاتانی سوبءِ پیدا بوتگ آت۔ شیر و شاعري آ دورءِ یک نوکین راھے گیرگ و سلسلہءِ تہا ھور بوگ آت۔ بلے غالب۔شئیر و شاعری اقلیمءِ انچو آتک کہ یکے طبل و بیرک و تیر و تیغان بزوریت او یک سلطنتءِ تہا بہتریت او آئیا بگیپت۔ نام و توار در آرگے ایدگہ راہ چوکہ سرلشکری، دانشوری یانکہ صوفی گری اگر تبءِ نہ کپت انت، تہ شعر و شاعری او زبان کواریءِ تہا نام در آرگے دراھین راہ پچ اتنت او آئیے واھگ ھم ھمے نیمگءَ ات۔ اے حبر ھم چہ اسرارءِ

ھورک نہ انت کہ آ زمانہء استادی و شاگردیء رواج است ات، بلے غالبء کسی شاگردی نہ کت۔

غالبء برزا نوشتہ‌ئین وتی نمدیء تہا پہ شیر و شاعریء یک جہل معنائین لبزے "آئینہ زدودن و صورت معنی گرفتن" کار مرز کتگ۔ "آئینہ زدودن" درنگازی زبان کواسی اینت او "صورت معنی نمودن"ء تہا "معنی" اشارہ ھم‌انت کہ من شمرء تہا آئیےء درنگازی کنگ بوتگ۔ رواجی شاعرانی کرا "معنی"ء مطلب ھما جہل و نازرکین حقیقت انت کہ آ چہ فکر و حیالء حدا ھما دیم انت او وتی جاگہء قائم انت۔ آھانی خیال انت کہ "معنی ودی کنگ" بے مقصدین حبر ایت اگرچہ پہ معنیء زانگ و فہمگء سک باز جہلنکیء دور کنگ لوٹیت۔

غالبء کرا "معنی"ء مطلب گیشتر برزانتی، نفسیاتی راستیانی شوھاز یا چہر و شبینانی تہا نوکین سرحال در گیجگ انت۔

آئینہ زدودنء برزانت ھم روچ روزینی بتل و گشتنانی کارمرز کنگ‌گون زبانء نمردار کنگ و ڈولدار کنگ و آئیے تہا نوکین شیرینی او چر پیدا کنگ انت، بلکہ نوکین ریک و رھبند و ترکیب پیدا کنگے نام انت کہ چریشےء نوکین سرحال زرت بوت کننت۔

گمان ھمیش انت کہ وتا چہ ایدگران گیستا دارگء واھگء، آئیا را سکین دات کہ اردو زبانء تہا فارسی شاعری مرزا بیدلء رندگیریء بکنت۔ فارسی شاعریء تہا، پہ وتی گرانین ترکیب او جتائین رنگء سوبء مرزا بیدلء شان و مرتبہ بار برز و بانند آت۔ غالبء شروعاتی شاعریء تہا، گیشتر ھمے رنگ گیندگ بیت۔ بلے اے رنگ تا دیرء نہ جلت۔ پہ اے واسطا نہ کہ اردو شاعریء بیدلء رنگ پجت نہ کنت، بلکہ پہ ہشا کہ مرزا غالب او بیدلء شاعری بُن زہ

چہ یک دگرا جتا اتنت ۔ بیدلءِ "دربیانی بے نمائین نم داری ایت او گون گل و گواڈک ھچ کارءِ نیست بلکہ آئیے ءِ تعلق گون ھما چمنءِ انت کہ آئیے تھا روگءِ دلءِ دریکچہ بچ کنک لوٹنت۔ او غالب پہ نمادارین گوناپ او رنگینئین دروشم شیدا آت۔ بلے بزان شروعاتءِ بیدلءِ رندگیری پہ غالبءِ جوانین تجربہءِ ات ۔

۳۔ حدا مرزیئین دھلی

دھلی یک شھرےءِ نام انت بلی حدا مرزیئین دھلی یک تھذیبےءِ را گشنت۔ کہ آئیءِ ہنجاہ دلی ات۔ کہ چہ دور دور و ھنرمند و قابلین سرانءِ وتی نیمگءِ چنان و تز آران ات۔ و آئیءِ اثر تا دور دورءِ شنگ آت۔ و آئیءِ نھالان دکنءِ پراھگانی تھا رو درآنکءِ گر تا رو ایر شتءِ وتی ھنڈال ایر دات و بھارے ودی کت۔ دلی باز رءِ تاراج بیت، بلے آئی تاراجی اینقدگین حیرانی گپے نہ انت کہ ھمینقدگین گپ آئیءِ پدا آباد بیگ انت۔ مغلانی حکومت زوالءِ زمانگءِ اے تیمار تکین شھر باز ر تاراج بیت و پدا آباد بیت۔ میر و سوداءِ زمانگءِ مرھٹہ آنی لٹ و پل کشت و کوشءِ آئی را ژند و ھند مارتوسک کت۔ پہ میرءِ دلیءِ تنک و بازار چو عکس گرءِ جوڑ کتگین عکس اتنت۔ اے دنیائے بسا تکارین و بے مٹین شھرے ات کہ جھانءِ گچینی سر آباد اتنت۔ پہ سوداءِ اے ویرانین ڈیھ چو "عاشقءِ دلءِ" ات۔ دنیائے پراھین زرءِ عجبین تیابے ات کہ چہ آئیءِ ریکان عالم گوھرءِ قیمتی در رویگءِ ات۔ میر و سودا ھم ھمے دلیءِ را یلہ دیگءِ لاچار بیت انت۔

چہ مرھٹہ آن رند اے شہرء سرا انگریزان قبضہ کت۔ او ادا امن و امان بیت۔ باز گہ و نامداران انگریزانی ملازمت اختیار کت۔ انگریز ہم آ وھدء چہ اے راجء یک کر و جتا نہ اتنت۔ ھمینچو کہ "غدرء" چہ رند ہبنت۔ شہرء بازین امیر و لیڈر و سرکردہ ئین مردمان گون آیانی دز براداری ات۔ چیزے مدتء رند دلی کالج اش ہم جوڑ کت کہ چہ آئیء بازین طالب علمے نوکین علم و ھنرء چہ بلد بیت انت۔ دھلی بادشاہء زور و اختیار کم بیان اتنت۔ لال قلعء تہا درار موجود ات۔ حکومت کمپنی بہادرء ات و مخلوق خدائے ملک بادشاھے دربارء تہا سیاسی ہندوستانی چست و ایر نہ بیگء بسراہر ات۔ قلعء آبادیء زندگ دارگ کہ آ بادشاہء کٹنب و نپرو کار دار اتنت یک گرانین گپے ات۔ بلے ظاھری رسم و راھند ھما یکشّی پیمء اتنت۔ ہندوست و سیاسی ھل چلانی جاگہ شعر و شاعریء دز گپتگ اتت۔

اے امن و پتیکیء وھدء دلیء پداساہ مان جانء کپتگ ات۔ چو حالیء گوشگء "سیزدھمی صدی ھجریء کہ مسلمانانی زوال وتی آسرء رستگ ات آیانی دولت و عزت و حکومتء ھوریء علم و سخاوت و کمالء ھم پشت پر کتگ ات۔ چہ در غیبی تخت جاہ دھلیء چیزے زانو گر مچ بیتگ اتنت کہ آیانی مجلس و نندو نیادان اکبر و شاھجھانء گوستگین عھدانی یات تازہ کتگ ات۔ ادے علم دین شعر و دانائی — حکمت و تاریخ و نجومء ھر چھارین نیمگان مانشانتگ ات۔ ایشیء ایدگر آودھ و حیدرآبادء خود مختیارین ریاستھانی تہا قدر و عزتء زیات گنجائش ھست ات بلے اے راجء تھا چیزی ھنچین ڈولداری و زیباکی مان ات۔ کہ ادے دانا ھچ پیمء دلی را یلہ دیگء تیار نہ اتنت۔

غالب کہ دلیء آنک آئیے نام و تواری مردے نہ ات ھمائنکء

کہ آئیءِ آروس تک ات آ دلیءِ عزت داریں ٹکے ات۔ آئیءِ نا کو (جنءِ پت) نواب الهی بخش معروف، فخرالدولہ نواب احمد بخش رئیس فیروزپور جھروکہءِ ہر ات ات۔ ھمے ٹکے سببءِ آئی دوستی و راستی و نند و نیاد گون مزنیں مردمان ات۔ ھمے دیوانان علمی و ادبی حب و شوق از ات و دلیءِ ٹکسالی اردو زبانءِ رواج ات۔ مثلاً وت غالبءِ ناکو نواب الهی بخش خان ذوقءِ شاگرد ات و شعرءِ پر بندگءِ زبانءِ پھکیءِ سک پابند ات۔ آئیءِ دز رادر نواب حسام‌الدین حیدر خان کہ غالبءِ منوکان چہ یکے ات، میر محمد تقی میر و میر متحسن خلیق (میر انیسءِ پتءِ) شاگرد ات و اے راجہ پاکرتگیں اردو زبانءِ وش ریکیں کار مرز کنگءِ سک بابند ات۔ دیوان غالبءِ حمیدیہ نسخہءِ تہا کہ آئیءِ اول سری شعر یکجا انت، ھچیں شعر ھم ھست کہ آیانی زبان فارسی وڑ و مثالانی چیستان انت۔ چماھان ھما مشھوریں غزل ھم ھست انت کہ پھکی و یانءِ روانیءِ اردوءِ پاکرتگیں شعری زبانءِ بے قیمتی ئیں نمونہ انت۔ او اے حبرے باور کنگءِ ھچ باک نیست کہ غالبءِ اے بدل بیگ آگرہءِ چہ دھلیءِ آیگ و دھلیءِ مجلسانی نند و نیادءِ سببءِ انت۔

بزان غالبءِ آگرہءِ چہ دھلیءِ آیگ ایوکءِ اے نہ ات کہ کسے چہ تنک وگٹیں جاگھ ئیا چہ در بئیت و کشادئیں جاگردےءِ بروت بلکیں اے جاگردءِ پدءِ ندارگ ھم جتا ات۔ اگر غالب و آگرہ یلہ مداتیں و دھلیءِ آ میاتگیں تہ اے گمان ھست ات کہ آ نایابیں نوشتانکانی شوھازءِ اردو و فارسیءِ بے وڑیں "اوار توار" جوڑکتگیں مثالانانی سرتر و برترءِ سر جنان بیت ات۔ غالبءِ جینیس (Genius) ءِ "وڑءِ" (ساخت) شریءِ یک ھچیں و تکاریں برزہ موجود ات کہ آ حیران کنوکیں وڑءِ زانتکار ات۔

غالبءِ آ زمانگءِ دو دوستان چہ یکی خاص وڑءَ نام گرگءِ قابل انت و نام مولانا فضل حق خیرآبادیءِ ات۔ کہ آ کہ ایوکءَ علم و دانائیءَ وتی مٹ وت ات بلکین آئیءِ ادبی شوق باز بےعیب و شائستگ ات۔ او غالب دلءَ پہ مولانا فضل حقءِ کہ ھرچ عزتے ھست ات چمائیءَ اے ظاھر بیت کہ غالبءِ زانتکاریءِ پاکارگ و دیم رویءَ، آئیءِ ھم منزنین بھرے ات۔ غالبءَ کہ ھرچ ھدوناکی ئے گون یدلءَ ھست ات، آئیءِ سحر پرشت، او آئی دوستی عھد اکبری فارسی کشتین شاعران نظیری، عرفی، ظھوریءَ گـــون گیشتر بیت۔ فارسی کوھنین استاد، بزان سعدی، حافظ، خسروءَ چـــہ آیبد، اے شاعران گون رسم و راہ قائم کنگ، کہ فارسی شاعریءِ تاریخءَ یک گرانین "مانترےءِ" نشانءَ دینت غالبءِ تبءِ مناسبیءِ سببءَ ات۔ اے شاعران اشان فغانیءِ سلسلہءَ "سبک ھندیءِ" نمائندگیءِ روءَ شمار بنت مضمون نویسگ، مطلب و مثالءِ نوکی و زیادھی، او شعرءِ زورءِ آواریءَ انسانی زندگیءِ کاروبارءِ سھرائیءِ سببءَ مشھور انت او اشانی سرا ذھنی سکینءِ دیم رویءِ ھم اثر است کہ چہ آیان نقلءَ چہ زیات فلسفہءِ علمءِ سرا زیات زور پر دیگ بیت ات او آیانی ھنیگج چہ ایرانءَ بیت بلے آئیءَ را وش تبین چاکرد مغلیہ ھندوستان رست۔

۱۸۲۵ءَ چہ پیسر غالبءَ گیشتر اردو غزل او کدی کدی فارسی غزل ھم بنشتہ کتگ۔ نین آئیءِ وتی درستین دلگوش فارسی غزلءِ بنشتہءِ نیمگءَ تریتنت دانکہ بیست سال آئیءِ ھمے کسب ات۔ یک سبب ئے آئیءِ اش انت کہ پہ غالبءَ فارسی ھم تقریباً مادری زبانے ات۔ بلکین ایشیءِ دگر ھم وجہ ہ بیت۔ تمام مسلمانانی راجانی تھا درستان چہ کم قومی طرفداری او چہ درستان گیش خدمت و عزتءِ خوبی ھندوستانءِ مسلمانین راجانی ات۔ او سا یکشءَ دگہ اسلامی

ملکانی هلمی و عملی کارپدانءَ ہہ عزتءِ چمان چارنگ۔ چہ اردوءَ فارسی شر تر لیکیتگ۔ بلکین غالبءَ همے خیال کتگ کہ وتی دورءِ اردو شاعران چہ باج برگءِ یک آسانین رهنبدے همیش انت کہ چہ اردوءَ در آیگ و مان فارسیءِ رنگ رنگین نقش جوڑ کنگ بہ بنت۔ اے باوری گپ ایت کہ چہ کہ یک مدتےءِ الرءِ آئیءِ وتی فارسی شعرانءِ مزن شانی و اردو شعرانءِ پر بندگ وتی بے عزتی و سبکی زانت ات و گشت ات۔ اے راست انت کہ فارسیءِ را اردو زبانءِ بابتءِ یک کلاسیکی حیثیت ئے حاصل انت، او مئے خدمت و عزت کنگءِ سببءَ ما را باز فائدہ است۔ غالبءِ با روا هم آئیءِ ادبی شخصیت و قلمءِ اندازگ کنگءَ آئیءِ فارسی شعرانءِ ڈال چمار کنگ جاهلیءِ ایید ظلمے هم بائے اے هم راست انت کہ مرچیگین دنیـــاءِ غالبءِ نامداری اردو شاعریءِ سبب نہ انت پر چیا کہ اردو شاعریءِ تها آ یک ”رہ در برے“ او فارسی شاعریءِ آ دگرانی گام گیجان روان انت او اے دوئین رهنبدانی تها فرق هست۔

غالب وهدے کہ چہ دهلیءِ آتک۔ آئیءِ گذرانءِ وسیلہ هما پنشن ات کہ انگریز سرکارءِ آئیءِ ناکو نصرالله بیگءِ یک وارثءِ حیثیت، پہ آئیءِ، رئیس فیروزپور جهرکءِ ذمہءِ مقرر کتگ انت اے پنشن کہ ات او غالبءِ ورد و پوشاک رئیسی اتنت۔ شاہ خــرچی بزان بے فائدہ خرچ کنگ آ زمانہءِ نامداریءِ زانگ بـیت ات۔ پہمے سبب اسپیت پوشین رئیس یکھیءِ وامدار اتنــت و وامدیوک هنـدو شاهوکار اتنت۔ غالب چہ وردنءِ تنگیءِ و تنگدستیءِ او وامـدارانی جاک و جلیءِ شیز دارات راست یـا دروگ آئیءِ همے فهمت ات کہ فیروزپور جهرکءِ ریاستءِ چہ همنقدا پنشن کہ پہ آئیءِ مقرر انت چہ آ حسابءِ، آئیءِ را کم رست۔ اے درستین حـیرانی سروبن گــون

انگریز سرکار ات، کہ آئیٔ تحت جاہ آ وھدان مان کلکتہٗ ات۔ غالبٗ ھمے ارادہ کت کہ آ وت ھمو دا بروت او انگریز حاکمانی دیمٗ وتی معاملہٗ پیش بکنت کلکتہٗ روگٗ المین وھد معلوم نہ انت بلے اے حبر پہ صدق گوشگ بیت کہ آ ۱۸۲۷عٗ اول سرٗ چہ دلیٗ کلکتہٗ روانگ بیت او ۱۸۳۰عٗ چہ کلکتہٗ دلیٗ پدا آتک۔ آئیٔ راہٗ لکھنو، کانپور، باندہ، بنارس، عظیم آبادٗ شہران قیام کت۔

• آ زمانگٗ لکھنوٗ دلی دوران ات۔ انگریزانی گشگٗ پدا نواب وزیر آوردہ غازی الدین حیدرٗ وتی بادشاھیٗ جار پرینتگ ات۔ غالبٗ یک قصیدہ ئے غازی الدینٗ ستاٗ سان فارسی زبانٗ نوشتہ کنگ آت آئیٔ ھمے خیال ات کہ قصیدہ ئے عوضٗ ھرچ زرے کہ رسیت چماھان، دان کلکتہٗ رسگٗ بندوبست بیت کنت۔ کلاسیکی شاعریٗ قصیدہٗ قسم گون بادشاھیٗ خاص واھگے داریت، ھما عقیدہٗ وڑٗ، کہ اے کائنات بنجاہ اللہ تعالیٰ ذات انت یا کہ ھرچ حیثیت ئے کہ آسمانٗ استارانی تہا "روچٗ" انت، یا کہ دینٗ تہا نبی و امامانی رتبہ انت، ھمے ڈولٗ اے دنیاٗ بنجاہ بادشاہٗ ذات انت کہ زمینٗ سرٗ اللہ تعالیٰٗ ساھگ انت او اے زمینٗ انتظام بادشاہٗ آئیٔ حاکمانی ذاتٗ گون سیادی داریت۔ درباٗ شان و شوکت چہ ھمیشان سہرا انت۔ قصیدہ گشین شاعر یکش ھمے کوشست کنت کہ آ ھما دربارٗ دیم پہ دیمٗ گون وتی لفظان (گالان) یک یک شاندارین ماڑیٗ جوڑ بکنت۔ بادشاہ ذاتے ھم او نشانی ھم او ھمیشا آئیٔ جنگٗ پڑٗ و بزین دیوانٗ، آئیٔ بھاری و سخاوتٗ آئیٔ اسپٗ و آئی زھمٗ زان ھر چیزےٗ توصیفٗ گیش کنگ و بیان کنگ ضروری انت۔ غالبٗ حق دوستین نگاھان بادشاہٗ اے تصور

نہ ات۔ آئیءَ اینقدا زانت ات کہ قصیدہءِ بنشتہءِ عوضءَ زر رست کنت او قصیدہءِ بنشتہءَ وتی زانت پختیءَ پیش دارگ بیت۔ ہمے سببءَ آئیءِ نزدیکءَ قصیدہ گشی (ہنڈوکی عادتے) "شیوہ گدائی" ات۔ او اے پنڈکی عادتءِ تہا آ "نوک بلدئے" ات۔ اے قصیدہ آنی تہا ہم آئیءَ وتی مجبوریانی نیمگ اشارہ کتگ۔ ہماھاني سببءَ کہ آ اے قصیدہ بنشتہ کنگ انت۔ او پنڈگءِ عذرءَ ہم پیش کنگءَ انت کہ چیا آ واجھاني دروازگءَ حاضر بتگ، چہ ایشيءَ چے شرم، پر چیا کہ آ وت چہ ہمے واجھاني ٹکءَ انت۔ غالبءَ انگریز حاکماني او انگلستانءِ ملکہءِ شبان قصیدہ نبشتہ کتگ۔ بلے چہ ایشيءَ آئيءِ مطلب وتي علم و ھنرءِ مزنيءِ سہرا کنگ و وتي مزن زانتيءِ منینگ ات۔ و وتي کارءِ کشگ ات۔ چو کہ حاليءَ گشگ انت "مرزاءِ تمامین عمر قصیدہءِ گشگ او تعریف کنگءَ گوست پر چیا کہ حاجت‌مندی چہ مردمءَ درست کنائینیت"۔

اے قصیدہءِ غازی‌الدین حیدرءِ دیم پیش بیگءِ نوبت نہ آتک بلکین نائب وزیرءَ گون ہم آئيءِ ملاقات نہ بیت پر چیا کہ پہ ملاقاتءَ ھرچ گیپءِ سرا کہ وزیر زور پر دیگ ات غالبءِ نزیکءَ آ "خویشتن داریءِ" قانونءِ خلاف ات۔ کوھین راجءِ تہا، یا وا فقیر رئیشین انسانان شاعری کت ات یا وابے غم و گرستین مردمان پہ گیروشکيءِ سببءَ۔ یا ھما مردم کہ اصلا شاعر اتنت بزان شاعری آیاني لاپ ات ھماھان مدام بادشاھاني و حاکماني سرپرستيءِ ضرورت ات۔ نائب وزیرءَ غالبءَ را ھمے سیمي سرپءِ شاعراني تہا لیکت ات۔ غالبءِ گشگ ایشت کہ آئيءِ رئیساني ڈولءَ چارگ بہ بیت۔ اے رئیسي و شاعریءِ گروکش سرا غالب تمامین عمرءَ قائم ات۔ غالب شاعرے ات او مزنین گپ ایش ات کہ ریاستءِ اندر و

عزت و سازو سامان آئیءَ را نصیب نہ ات۔ او آئیءَ ھمے لوٹت ات کہ آئیءَ را چہ شاعرےءَ چہ زیات رئیسے زانگ بہ بیت۔ ۱۸۴۷ءَ بندی بیگءَ رند آئیءَ چہ درستان زیات رنج ھمے حبرے ات کہ "نین آ ھچ ریاستءَ پیر، خوشامدی، یا استادےءِ حیثیتءَ دخل دات نہ کنت"۔

ھنچو معلوم بیت کہ غالبءَ "لکھنوءِ" وش زیدیءَ چہ ھچ اثر نہ زرت بلکہ وتی نامرادیءِ سببءَ آئیءَ اودے بدین بندوبستءِ تجربہ بیت"۔ "چون حال این دیار بدین رنگ است آن خوشتر کہ سخن از خود نہ گویم"۔

ھر ھمے مسافریءِ سببءَ لکھنوءِ چیزے نامدارین مردمان گون آ دوستی و راستی بیت وکاگدو کراچگءِ سلسلہ بنگیج بیت۔ چہ آیان یکے لکھنوءِ مشھورین شاعر شیخ امام بخش ناسخ ات۔ دلیءَ چہ رند اردو زبان شاعریءِ دومی سرزنین بنجاہ لکھنو ات۔ او ناسخ آئیءِ یک منزنین باسکے ات۔ غالبءِ ھما وھدءَ زبانءِ پلگارگءِ کار کہ لکھنوءِ بیگءَ ات او غزل نوکین رھبند کہ ھمودا رواج گپتگ ات چہ نزیک چارگ و سرپد بیگءِ موہ رست۔

غالبءِ طبیعتءَ تھا یک نیمگے آزاتی و آجوئیءِ سک طاب آت آو دومی نیمگءَ رھبندانی پابندی، مالی مجبوری خانگی زندگیءِ ذمہ داری آت ، (کہ گون ایشان الکاپین وڑءَ گوازینگی آت) ۔

غالب خانگی تعلقاتانی سر پد بیگءَ آنتھ ھمے گیرو کشءَ انت۔ آئیءَ سیل و گردءَ باز واھش ات۔ بلے غریبیءَ را رنج ومصیبت ھرگون۔ ھمک شررنگین چیزکہ چہ چمان گوزیت دلیءَ ھم وتی نیمگءَ ھئر جنت۔ بنارس "سرسبزین بھشت و آبادین جنتے"۔ ھندوستانءِ کعبہ انت کہ آئیءَ ھرچ بتءِ سرا تاپاد خدائے نورانت۔ بنارس یک

زیبائین حورایت کہ سٔھر پھلءِ سندگءِ گیرو شگ انت ۔ بلے دلیءِ یات چہ دلءِ پَسیست نہ بیت ۔ دلی ساہ آنت وُ اندکر جھان بدن ۔ دِلیءِ ھمبل سک یات کانیت وُ وتی لوگءِ مردم ھم ۔ کہ آھان ھمے بے کسی و پریشانیءِ تھا تمامین آمیت ھمے مسافریءِ آسرءِ داشتگ آنت ۔ اوُ غالب وتءِ را چہ بنارسءِ در لگوشیت وُ وتی منزل بزان کلکتہءِ رھادگ بیت ۔

کلکتہ یک دنیا اِیت نوکین ۔ ھشتمی اقلیم انت کہ اداھر ڈولین مردم موجود انت ۔ ادے ھنرمندان آیید مرگءِ رستگءِ دگر ھرچ حبر آسان انت آو اے تنک و بازاران آبیدءِ قیمتءِ ھر چیز ارزان انت ۔ اگر غالب چک و چوُریگدار مبیت انت آ ھمودا جھ مند یت آت ۔ اودے تازگی و شر رنگی، اودے سر سبزین چراگاہ، اودے شر رنگ و ھزار نازین کاڈہ آودے نیبگ و شراب غالبءِ را دانکہ مدتےءِ گیر آیگا اِتنت ۔ ھمدا آئیءِ را نوکین دیمِ روُیءِ پدٗرائین کرامات، ریل، ڈاک، تار، سیل واندگ چیز وتی چمان گون دیست آنت او دلی و لکھنوءِ ویران بیوکین وش لسانیءِ چہ رند نوکین ھاد آیوکین قانون و رھنبدءِ را سر جمین شان و شر رنگیءِ گون دیست، کہ آئیءِ دیمءِ کوھنین قانون و رھبند بیکار و توآن گیندگ آتکنت ۔ تاریخءِ اے پر آشوب و کوُزوکین دورءِ غالبءِ را حالاتانی چہ اندگہ مردمان گیشتر زانت ھست آت کہ ۱۸۵۷ عءِ گون انگریزان دست و پنجگی کنگءِ آتنت ۔ آئیءِ زانت آت کہ اے جاری ئین زمانگ دو قوتانی مقابیلی نہ انت بلکین جاري ئین زمانگءِ پیڑءِ کوستگین وُ آیوکین زمانگءِ مقابلہ انت ۔ پنشنءِ جیڑہءِ بابتءِ غالبءِ را کمین آمیت انت بلے افسوس کہ آھم پورا نہ بیت ۔ وُ دلمانگیءِ پدا دراج کھں دات ۔ اے معاملہ چہ کلکتہءِ پدا دليءِ بدل کنگ بیت ۔ غالب دلیءِ

آتک۔ آئیءِ همے جهد پلہ نہ دات۔ گُڈ سرءِ دل یکیر بیت۔ انگلستانءِ عرضی ئے راه دات بلے هچ آسر در نیاتک۔ پنشن چہ هما شصت و دو کلدارءُ هشت آنءِ چہ گیشتر نہ بیت۔ هان البت همینچک بیت کہ فیرورپور جهرکہءِ ریاستءِ ضبطیءِ رند، نین آئیءِ ادا کنگءِ ذمہ دلیءِ کلکٹرے آت۔ غالبءِ نزدیکءِ اے عهدءِ هرچ چیزءِ چہ ترسگ فائده مند آت۔ لندنءِ ملکءِ ہم رنگانی سینگءِ دل هست بلے آسنے!۔ چہ ایشان دادءِ لوٹگ سنگءِ گون سرءِ میٹرینگ انت۔

کلکتہءِ هما زمانگءِ انگریزانی اثرءِ پدا راجہ رام موهنءِ سرکردگیءِ بنگالی هندووانی فکر و ادبءِ، رندگ کنگ و پلگا رک رواج گپتگ آت۔ ظاهر ات کہ غالبءِ گون اے تحریکءِ هچ کار نیست ات۔ همودا گورنر جنرل لارڈ وارن هیسٹنگزءِ فورٹ ولیم کالج جوڑ کت۔ کہ آئیءِ تهایک نیمگے نوکین "هندی"ءِ بنگیج بیگءِ ات او دگر نیمگے آسانین اردو نثرءِ کتابانی ترجمہ و نبشتہ جاری آت۔ اردو نثرءِ دیمہ رَوَیءِ فورٹ ولیم کالیجءِ کہ هرچ بهرایت، ایشیءِ هرکس زانت۔ غالبءِ هم چہ اے تحریکءِ آثر ٗزرت۔ آئیءِ فارسی نبشتہ کتگین کاگدان کہ اردو کاگدانی دیمءِ ایر کنے او چارےتہ باز فرق گیندگ کئیت!۔ فارسی زبانءِ کاگد کہ هما زمانگءِ کچینی مردمانی نامءِ انت، گران قیمتیئین انبارے آنت، آ پہ چٗوشیءِ کہ غالبءِ شخصیت، آئیءِ تعلقات او آئیءِ چاگردءِ سرپد بیگءِ واسطہ آئیءِ فارسی کاگدانی چاروگند الثمی انت۔ بلکین اے کاگدانی هم ایرانی محاورهءِ یک شرین نمونگ آنت۔ آئیءِ هندی زبان گشوکین فارسی نویسان اذل بدلءِ، چہ وتي عربی آواوین فارسیءِ را پهک ذاشتگ بلکین چہ آئیءِ ءُ رَند عربی لفظ هم همینچک کہ آئیءِ دستءِ بیت آت، پلہ دیگءِ جٗهدی کت ات۔ کاگدانی تها رسمی ظاهرذاری کہ آیانءِ

"اذیبت"ءِ ساہ لیکگ بیت آت ھما رنگءَ است انت کہ آیانی چیرا چیر تر آنت۔ ایشیءَ آیید اردو کاگدانی تہا ھرچ روانی کہ تچگءَ گالوارانی ساذگي و وش تبیءِ انت آئیءَ اے کاگدانءَ اردو نثرءِ یک ھنچین مزنین کارنامہ ایت کہ آئیءَ بازین نقلے کشگ بیتگ کہ وتی جاہءَ بےمٹ بیتگ بلے ھما کہ اردو نثرءَ دیم رویءَ یک کارآمدین بھرےات۔ غالبءِ اردو نویسی چہ کلکتہءَ واتریءَ رند بنگیج بیت۔ اے حبر چہ خیال و گمان ذر نہ انت کہ اے روانی و حاضر جوابیءَ ھما آثراتانی آسرءَ ھم آؤرانت کہ غالبءِ ذھنءَ اردوءَ فورٹ ولیمءِ چاگردءَ چہ وذی کت آنت۔

ھمے فورٹ ولیم کالجءَ مشرقی علمءِ آواری و رد و بندیءِ کار ھم بیگءَ آت او بازین زانتکارے ھمیدا مچ آت۔ ھمے سلسلہءَ ھمک ماہ یک فارسي شعرءِ دیوانءَ ھم بیت انت اے غالبءِ پڑءات بلے غالبءَ ھمے پڑءِ ایر کپگءَ علمءِ جنگءَ بنگیج بیت۔ فارسي زبان ذان صدی آن ھندءَ مسلمان راج ءِ اذبي، علمي، مجلسي و کاگد و کثراچءِ زبان آت، بلے سنّد زبانزانتسانی رائج آت۔ "زیرگ و دیگ"ءِ زبان ھندوی بزان اردو آت او آئيءَ حد روچ بہ روچ پراہ و کشادہ بیان آت۔ وقتیکہ زبانے دائم کارمرز کنگ مبیت، آئيءَ ھنڈال ھما سر زمینءَ محکميءَ قائم نہ بنت۔ پیشہ فارسي زبان و ادبءَ ءِ وار و گیگ، اذا ردم بیت نہ بیت۔ زبان سندءَ انداذءَ روان انت اگر کہ سنّد مناسبین حقداني تہا زبانءَ چکاسءَ قائم دارگءَ ضامن انت۔ بلے چہ حدءَ گیش اشي سرا باور کنگ زبانءَ کشادگیءَ را دیمبند و کٹ کنوک ثابت بیت۔ چہ ایران کہ دزبرادری کم بیت تہ اذی لغت نویس ؤ شاعر کہ چراھان لھتین ھندو یا نوک مسلمان انت، بہ سند پیش بیگءَ لگتنت۔ غالب ھم فارسي زبانءَ دان آئيءَ حدءَ رندگیریءَ

ديـوانۂ ڈن نہ آت ۔ بلـے آئيۂ اے دعوا آت کـہ آئـيۂ را فارسي "زبانزانتے" زانگ ببيت او آبيد فارسي اهل زبانۂ دگہ کسےۂ سنـد يک پہ آئيۂ متـکي گپے نہ آت ۔ دليۂ چاگرد پدا هم اے باريا چہ کلکتۂ کشاده تر آت ۔ دليۂ غالبۂ را چہ بيـدلۂ سحرۂ در کنّت و فارسي شاعريۂ مانکيشکۂ سرّ کت ۔

"کلکتۂ زبانزانت" هندوستانۂ فارسي شاعراني رندگيري ۆ لفظي بحثۂ مان گشتگ اتنت ۔ غالبۂ يک فارسي غـزلۂ ديـوانۂ تها ونت، همے غزلۂ يک بندۂ کارمرزۂ سرا ايراد گـِرگ بيت ۔ او سند چہ شاعر قتيل ۂ هندي و فارسي زبانۂ مهتاکۂ (رسالہ) چہ ديگ بيت ۔ غالب گوں، چہ اے فارسيۂ عالمان، عامۂ کم و عقلۂ تيز تر آت ۔ آيانۂ چہ وتا کمي ليک آت ۔

حبر کہ برزشت، آئيۂ يک فارسي مثنوي ئے نبشتہ کنّت ۔ کہ چہ عذرہ تژن رنـگين ساڈايگ، اوشکانۂ پرات ۔ بلے چہ اے حيلۂ هم دل پهک نہ بيت ۔ همے ڈولۂ باز روچۂ رند کہ غدرۂ زمانہ آت ۔ غالب يک کنڈےۂ پہ ايوکي وتي روچان تيلانک ديگـۂ ات کہ پدا يک برے هندی نسب ئين فارسي لغت نويسان "آرۆ کڑ"ۂ جذبۂ گون سر چيـست کنّت ۔ "برهان قاطع" فارسي لغت ۂ مشهـورين کتاب ايت کہ هنگہ ايرانۂ کارمرز کنگ بيت ۔ محـمـد حسين اے کتابۂ رد ۆ بند کنوک انت ۔ بلے چيا کہ هندوستانۂ پيدا بيتگ ۆ تمام عمری مان دکنۂ گوازينت پمے سببۂ غالب آئيۂ را "دکني" گشيت ۔ غالبۂ ١٨٦٠ۂ يک رسالۂ ترتيب دات، آئي تها "برهان" سهواني نشانۂ پيش داشت آنت ۆ آئيۂ نام "قاطع برهان" اير کت ۔ اے رسالہ ١٨٦٢عۂ چهاپ بيت ۔ اے رسالۂ چهاپ و شينگۂ چہ مخالفتۂ يک طوفانےۂ پاد آتک ۔ مخالفت نبشتہ بيوکين کتاباني تها

درستان ۾ اهڙئين ڪتاب "مويد برهان" آهي ڪه جهانگير نگر (ڍاڪه) جو يڪ ناميدارين فارسيءَ عالم آغا احمد عليءَ نبشته ڪتگ آت - اے چار نيمگي مخالفتءَ پسو غالبءَ ذات‌ات يا ديانت آت - اگه ڪه غالبءَ اے رسالهاني تها علمءِ پٺ و لوٺءَ ۾ ڪارگپتگ آو لغاتءَ نويسگءَ چيزے الڪاپين رهبندهم پدرا ڪتگ بلے هرچ وڙےءَ ڪه اي بحث بنگيج بيت و هرچ ڈولےءَ ڪه علمي بحثءَ تها جذبه و ذاتياتءَ آوار و توار ڪنگ بيت آ مخالف ءُ طرفداران ڪسيءَ واسطه هم پهروُشانيءَ گيپے نه ات بلکه آ زمانگءَ بحث و مباحثءَ همے وڙ آت - غالبءِ وت شناسيءَ اے هم يڪ منزلے آت ڪه آئيءَ وتءَ را يڪ انچين مسافرے ليکتت ڪه آئيءِ ڪراپد گوشگءَ بازين گپے هست بلے ميتگءِ مردم آئيءَ گپان ۾ سرپد نه بنت - يڪ دنيائے آئيءَ همے سفرءَ ديست - ڪوهنين ءُ نوڪين دنيا - ذهن ئے ڪشاده و آزنا بيته - باز ناميدارين مردمان گون دوست و پجاروڪ بيت بلے درآمديءَ احساس گيشتر محڪم بيت - همے درآمديءَ احساس ڪه، وتا را ۾ دنياءَ يڪ ڪر و جتا ڪنگ و دنياءَ چارگ، "ديد و زانتءَ" پيسرگين شرط انت - آو "ديد و زانته"ءَ غالبءِ شعراني تها هما مقام حاصل انت ڪه ڪوهنين شاعراني شعراني تها تصوفءَ انت -

غالب ۾ ڪلڪتهءَ دليءَ پدا آتڪ - آئيءِ مالي حالت چدو گندتر بيتگ ات - پنشنءِ جيڑه ١٨٢٦ءَ بنگيج بيت آو دان ١٨٤٤ روان‌ات - غالب په آميتےءَ انگريزاني شانءَ قصيدهءِ نبشته ڪنان آت - آخر همے گروچيلءِ آسر دل يڪيمي بيت - پدا هم اے خيالي پله نه ذات ڪه بلڪين هنچو ڪه وهدي بادشاهان زانوگراني سرپرستي ڪتات، همے وڙءَ انگريزي حڪومت په قدرشناسي آئيءَ را جاه منزني بدنت بلے اے جهان لوڪين باريگ اتءَ ايشيءِ دوه ريدگ جتا اتنت - دست پجي و شاه

خرچيءِ لوٹ رئيسي شانءِ نشاني اتنت۔ پدا شرابءِ نوشگ عادت کسانيءِ گونت َگون۔ روچ پہ روچ وام گیش تر بیان اتنت ؤ وامدار مان سرء پانگ۔ آ زمانگءِ رهبند ایش ات کہ دارین مردمانءِ، وامءِ ڈگريءِ بابتءِ لوگءِ تها نہ بلکین لوگءِ چہ ڈن گرفتار کنگ بیت ات۔ پہ غالبءِ لوگءِ تها نندگ بهتريءِ ات۔ آو شعرءِ پربندگ کہ کسانيءِ لیب وڑ بنگیج بیتگ ات نین زندگيءِ گیروشکيءِ تنهائین سبب تنت آ زمانگءِ فارسي اردو شاعریءِ رواج سک بازات۔ غالب وتي آ زمانگءِ بابتءِ فارسي چاربندي شعراني تها نبشتہ کتگ کہ هندءِ تها چونین چونین وش تبین شاعر است کہ آهاني وشگالي چولوءِ زران انت آو پدا مومن، میر، صبهائي، علوی، حسرتي، اشرف، آزردہءِ نامي کپتگ۔ هما زمانگءِ نواب مصطفےٰ خان رئیس جهانگیرءِ گون۔

گپتگ - هما زمانگءَ گون نواب مصطفیٰ خان رئیس جهانگیرءَ کہ من فارسیءَ آئیے تخلص او من اردوءَ شیفتہ ات، او مجازی عشقءَ ریر، پهریزکاری و عبادت، او درویش تبی علم و زانتءَ هواریءَ، پہ جوانین لبزانکءَ مزنین واهگ داریءَ است ات، غالبءَ دوستی و دز برادری وت۔ غالب ہرے ہرے مشاعرهان آتکگ ات۔ او فارسی غزلان اید نون اردو غزلءَ هنگاهم گیشترا دلگوش نے گور کنگ ات۔ اے آئیے شاعریءَ رز و لند وک او نام در آرگے زمانگ ات۔

سنہ ۱۸۴۷ءَ غالبءَ سرا انچین معاملہ کپت کہ آئیےءَ ریاستءَ دورءَ در ابین مزن شانی پوڈے بوتءَ کپت۔

معاملا ایش آت کہ جوابازیءَ جرمءَ شهرءَ کوتوالءَ غالب چہ وتی لوگءَ دزگیر کت۔ او عدالتءَ آئیے را شش ماهءَ سزاءِ حکم دات۔ نہ آئیے جندے اهمیت بوشی آئیے کارءَ آتک او نہ "لال قلم"ءَ بادشاهءِ سفارشءَ آئیا را چرے بناسیءَ رکنیت کُتنہ اے سبکیءَ وهدا،

دوست یگانہ بوت انت، او همبلان یلہ دات ۔ ایوک نواب مصطفیٰ خان شیفتہ وتی دوستیء حق ادا کت ۔ سہ ماہء رند، چہ فرنگء ندی خانہء آزات بوت او چہ وت پرامیء کش و چهلء هم رکهت ۔

۴۔ سکیانی دور

چہ بندی خانہء در آهگء رند غالبء زندء دری (خارجی) احوالان ما گونہء بیان کن بڈا ۔ چہ بندی خانہء در آهگء چیز کے وهد رند، آ دوزواهین همیلانی کمکء شاهی دربارء ۔ گون بادشاہء دوچار کپت ۔ چد و پیسر آمرہ آئیا قصیدہ پیش کتگ او چہ دربارء خلعت گپتگ بلے گول در ارء آئیے برحمین تعلق داری هچ نہ وتگ۔ بلے زان غالبء وتی قصیدهانی تها آمرہ ایشیء واهگ ظاهر کتگ۔ لیکن ایشیء سوب ایشی انت کہ غالبء وتی پنشنء ودینگے لکباز امیت ات ۔ او پمیشا آئیا همے خیال کتگ ات کہ قلعہء ملازمتء ضرورت نہ انت ۔ او چوش هم بوت کنت کہ فرنگی سرکارء پنشن خور بوگے سوبء، دربارء آئیےء وفاداریء سرا شک ات، او حقیقت ایش انت کہ چہ بادشاہء یخگا انچو مهر و عزت کہ شیخ ابراهیم ذوقء استگ ات، غالبء هچجبر نہ رستگ ات ۔ او نہ غالبء دلء بادشاہء عزت ابراهیم ذوقء کساسء است ات ۔ ابراهیم ذوقء دلء بادشاہء عزت پیلہ ئین ستکئیء است آنت او چہ غازہء رند دعاء و هدا آ بادشاہء ترانگء کپت ۔

غالبء پہ بادشاہء کارکپت او پہ کاری سواریء کہ آئیا گون بادشاہء تعلق داری پیدا کت ۔

چو هم بوت کنت کہ دربارء غالبء برجم نہ بوگے سوبء

دربارۂ چست و ایرانت ، یا اے هم بوت کنت کہ شیخ ابراهیم کہ اردو غزل او قصیدہءِ غتگین بلدےات، بادشاہءِ استاد ات، بلے غالبءِ آ هچ مان نیا تک ۔ چو نالہ ذوق ذات و نسبءِ هم چو مزن نہ ات۔ غالبءِ اے قصیدہ آنی تها کہ بادشاہءِ پیش کنگ بوتگ انت، گون ذوق نہ وشیءِ ظاهر کنگا اپید ایرادگیری هم است انت ۔ چو هم بوت کنت کہ غالبءِ من دربارءِ چہ ذوق کم ترین درجہ ملازمتءِ قبول کنگ پہ وتا میارءِ زانت ۔ بلے نون حالات بدل بوتگ اتنت ۔ نون آئیا همے دربارءِ سالانہ شش کلامءِ روزءِ فارسی زبانءِ "شاهان تیموریہ"ءِ تاریخءِ نبشتہ کنگے کار پہ وت حداءِ رحمت و مهربانیءِ زانت ۔ دولت او طاقتءِ روگءِ رند آئیے "خطاب" گیشتر بوتنت ۔ دربارءِ سالے شش صد کلامءِ است، بلے نجم‌الدولہ، دبیرالملک نظام جنگءِ خطاب آئیا رست انت۔ سنہ ۱۸۵۴ع ذوقءِ بیران بوگءِ رند بادشاہءِ وتی پرستگین شیئر غالبءِ پیش داشتت ۔ او اے تا سنہ ۱۸۵۷ءِ شورشءِ جاری بوت۔

فرنگی حکومت دلیءِ دربارءِ مدان مدانءِ ختم کنگءِ ات ۔ آ فیصلہ بوتگ ات کہ بهادر شاہءِ بادشایءِ هواریءِ تیموریہ خاندانءِ سلسلہ ختم کنگ بیت ۔ شعر و شاعری او علم و زانتءِ سرپرستیءِ هم یک کهنین رسم ئےءِ ڈولءِ بوگءِ آت ۔

لے اے رسم هم چہ ویران داشت بوت نہ بوت ۔ البت دیسی حکومت کہ آ و هدا جوڑ بوگءِ اتنت آهان لبزانکءِ خدمتءِ رسم داشت ۔ سنہ ۱۸۵۷ءِ آشوبءِ رند دلیءِ تها مسلمانانی راجی زند پہلہ ئی سرو چیر وت ۔ او هچ چشین دلی ریاست نمنت ۔ کہ رودان دلی کورس او زانو گر نہ شتنت ۔ غالبءِ دلی یلہ نہ دات بلے گون ریاستانی درباران وتی تعلق داریءِ قائم داشت ۔ او گیشتر گون رامپورءِ

درارۂ آئیے تعلق است ات ۔ اگن آئیا را رامپورۂ دربار کمک گون مبوتین تہ خدا بزان آئیے حالت چون ہوت؟

سنہ ۱۸۵۴ عۂ اودھۂ والی واجد علی شاہۂ غالبۂ واسطا پنچصد روپیا وظیفہ مقرر کت ۔ بلے دو سالۂ رند اودھۂ سلطنتۂ جند ختم ہوت ۔

سنہ ۱۸۵۷ عۂ غالبۂ تعلق مولوی فضل حق خیرآبادیۂ ذریعۂ گون رامپورۂ دربارۂ قائم ہوت او چہ سنہ ۱۸۵۹ عۂ غالبۂ استادیۂ حقۂ صورتۂ جوانین سقدارے کمک جاری ہوت ۔ رو غالب تا زندگ اے کمک آئیا را رست ۔ نواب یوسف علی خان ناظم والی رامپور وا غالبۂ مزنین قدردان ئے ات ۔ اوگون غالبۂ آئیے تعلق داری چہ سرپرستیۂ گوست و دوستانہ ہوت انت ۔ آئیے جانشین نواب کلب علی خان چہ غالبۂ وش نہ انت ، او آھانی نامۂ شکر رنجی رست انت ، بلے آئیا غالبۂ کمک جاری داشت ۔ اےپدا غالب دو رندا رامپورۂ ہم شتگ ات ۔ چو نالم ہم آئیا آمرہ ریاستانی والی او نواب و سرکردہ ئین مردمانی نامۂ قصیدہ بشتہ کتگ و راہ داتگ ۔ او اشیۓ اوزۂ آئیا چیزکے زر رستگ ۔ دوست و سنگتان ہم آمرہ آئیے مالی کمک و مدت کتگ ۔ سنہ ۱۸۵۷ عۂ آشوبۂ آئیے پنشن ہم بند بوتگ آت ۔ بلے سنہ ۱۸۶۰ عۂ نیامۂ پنشن او پنشنۂ بقایا زر آئیا پدا رست انت ۔ اےڈولۂ غالبۂ زندۂ گڈی دہ سالان آمدنی یک دائمی وسیلۂ پیدا بوتگ ات ۔ او اے ؏ ھدا کہ آ مرت ، تہ آئیا ھشت صد کلام وام ھر ات و بس ۔

۱۸۵۷ عۂ گوریچانی ہندوستانۂ ھما ترشوپ بوت کہ انگریزان آئیا را "غدرۂ" نام دات او چہ انگریزان اند آئیا را "آزاتی جنگۂ" نام دیگ بوتگ ۔

دلیءِ سرا اے آشوپءِ اثر سک باز بوتنت چیا کہ بادشاہءِ بن ماہ سیدا ات اے آشوپءِ با روا غالبءِ وتی یک فارسی کتابہ "دستنبوءِ" تہا کہ آئیا اے ھما وھدا نشتہ کنگ ات وتی خیال ظاھر کتگ انت۔ اشیءِ رہیدا اے آشوپءِ با روا غالبءِ خیال آئیے کاگدانی تہا ھم ظاھر انت۔

آشوپءِ با روا ما چہ غالبءِ خیالاتان اے نتیجہ در کش ات :

(۱) غالبءِ کرا پہ انتظام کاری او داد و دھش و انصافءِ انگریزءِ قانون شر تر انت۔ چرائی دور گندین چمان اے حبر ھم چیر نہ انت کہ انگریزی طاقتءِ دیما ، دیسی حکومت بے ساہ انت۔ بادشاہ سپاھیانی دستءِ بندی انت۔ او چہ بادشاہءِ دو روچی نام گپتین بادشاھی آھان پچ بہین واھگ داری رو وشی منیت نزءِ اے دراھین دربار و دیوان "رستخیز بیجا" ھشکین حبر انت۔

(۲) اے آشوپءِ سیاسی اثر توری پرچے نت دوئین ٹولیان انجین نی آدم کشین کاروائی کت کہ غالب چراھان سک پدرد بوت۔ اگر یک نیمگے ، دلیءِ سرا دیس سپاھیانی اوش کنگءِ اند پہ بے رحمی بزگ انگریز جنین و چکانی کشگے سرا غالبءِ ارس ارتکگ انت ، تہ دومی نمگءِ چار ماہ و چار روچءِ رند انگریزانی دلیءِ گرگءِ رند دلیءِ بربادیءِ وتک ھم آئیا داشتگ۔ "دستنبوءِ او وتی کاگدانی تہا آئیا گیشتر ، ھمے کشت و خون ، کھن و چھلءِ شہرءِ ھورک بوگ و پل و لوٹ ، کورٹ مارشل او سزا ، دلیءِ ویرانی او باز ، لوگ و جاگہ ، مسیت او دلیءِ قلعءِ ماڑیانی پروشگ و دور دیگ او ھمے تباھی و بربادیءِ احوال اتنت کہ انگریزان دلیءِ تہا آورتگ رتنت۔ اے آشوپءِ با روا غالبءِ سر طاھری خصوصیت سیاسی جانبداری نزانت بلکہ نی آدم دوستی انت۔

(۳) غالب پرے حیرۃ هـــم لک رنج آت کہ اے آشوبءِ ، امیر ، رئیس و نامدارین سرانی سهت و بنست کل براد بـــوت کہ غالب وت هم چہ همیشان آت ۔ چہ دیسی فوج و لشکراءِ لوٹ مارءِ نامدارین سرانی لوگ و جاگہ ویران وتنت او هما لوگ کہ اودان من تامین کدهانی گیخان تٹگوین چراگ روژنا اتنت سیاه و تهار بوت انت ۔ دلیءِ فتحءِ رند ، هچ چشین مسلمان لوگ نیست ات کہ آرے تباهیءِ آ ماچ نہ بوتگ اتنت ۔ تباهی و بربادیءِ آماچین مردم گیشتر غالبءِ سیاده وارثِ اتنت ۔ انچو بزان اِت کہ غالـــبءِ دنیا دگہ پیم وت ۔

(۴) دستبوءِ تها گیشتر غالبءِ سرا گوستگین قصہ انت ۔ دلیءِ فتح بوگءِ اند ، مسلمان بے ثوار بوت و نشت انت ، یا کتگ بوت انت یا تنگ و شتنت همے دمکءِ (گلی) غالبءِ لوگ ات ایشےءِ ۔ تها دگہ ده و دوازده لوگ است ات ۔ اے دمکءِ دروازگ بند کنگ بوت ۔ لوگانی دروازگ هم بند کنگ بوت انت او غالب گون وتـی لوگ بانکءِ دو بر ازاتکان کہ آهانی پت ورنائیءِ مرتگ ات وتـی لوگءِ بندی بوت ۔ گپت و گیر ، حجام ، گد شود ، آپی ، بنگی ، کل بند ـــ چیزے روچ اند آهانی ورگءِ آپ هـــم هلاس بـوت انت ۔ هورءِ گورت تہ آهان هورءِ آپ زرت انت ۔ همے دمکءِ دلی نامدارین او شرف دارین حکیم و رئیس خاندانءِ ، حکیم محمود خان هم‌نشتگ ات کہ آپٹیالہءِ حاکمءِ طبیب ات ۔ حکیمانی لوگانی پهریزگءِ واسطا مهاراجہ پٹیالہءِ کہ انگریزی بنءِ ات ۔ وتی سپاهی بہ مقر کتگ اتنت ۔ ایشےءِ سوبءِ غالب چہ انگریزی لشکرءِ ظلم و زوران رکت ، بلے رنگد غالبءِ وتی بے گناهیءِ ثابت کنـگا یک انگریز کرنل ئےءِ دیمـا پیش کنگ بوتگ ۔ غالبءِ برات مرزا یوسفءِ می سال ات کہ‌گنوک

ات او یک جتائین لوگےء، گو وتی خـانداںءِ مردمان نشتگ ات ۔ اے آشوپءِ آئیے جن و چکان آئیا را یـلہ دان او تتک و شتنت ۔ آئیےءِ کرا لوک دو نوکر پشت کپت ۔ همے روچان مرزا یوسف تادراه بوت او مرت ۔ همسائیگان پہ مـزنین جنجالے وتی لوگی چـادر کفن کتنت او وتی محلءِ مسیتءِ قبـر کت ۔ وهدیکہ اے آشـوپ هـلاس بوت تہ غالبءِ کرا پہ ورگءِ هچ توشگ نمنت ۔ پنشن بنـد ات ۔ همیشا آئیا لوگءِ سامان او گد ۔ پچ بها کت و وارت انت ۔ و هر یکہ هندو وانی آباد کنگے حکم بوت، تہ غالبءِ هندوئین دوستان گورا کمک کت ۔ تان دراجین مدتےء آئیےءِ وهـد همے سکی و سوریانی تها گوست ۔ آخر آئیا پہ پنشن واسطا تگ و تـاچ کت او ١٨٦٠عءِ آئیا پنشن دوار رست او ١٨٦٣عءِ ازین جهدان اند، خلعت او دربارئے هم است انت ۔

(٥) اے درانهی آشوپءِ وهدا غالبءِ تها یک عجب رنگین همدستی او سنگینی گذرگ بیت ۔ چارین همگان آشوپ انت ۔ او سکی و سوریانی قیامتءِ ودی بوتگ بلے غالب ابید تـرس و بوہمءِ پـر هر ڈولین سکی و سگگءِ تیار وتی لوگ نشت ۔

نہ دستی شکرءِ دلیءِ گرگ، او آهانی اقتدارءِ و هدا قلعءِ شت او نہ دلیءِ فتحءِ رند چہ وتی لوگءِ تتک ۔ او نہ گون انگریزها کمان شت و هور بوت ۔ بزان آ نشت دلیءِ برادی، دوست و عزیزانـی تباهی او وتی جندےسرا آتکگین سکی و سوریانی تماشہ ئے جاریتہ آئیے بنی آدم دوستین دل تزگ ات ، بلے آئیے مڑا و مزن میـاریءِ هچ فرق نیا تک . انگتہ وتی سرا کنیت ئے وزگیر بوگ و انگریـز کرنل دیما پیش بوگے و هدا هم آئیے وش تبی نہ شت .

اے هم حداہ آورتکین سکیان پہ وشدلی سگک ئے یک منزل ئے

آت ، کہ تا اودان اگن آ چہ روحانی ردومۂ نہ ، تہ چہ دنیاۂ ہاز یـن نہ وشین تجربان در آیگۂ رند ـر وتگ ات ۔ تـا آشوپۂ وھــدا آئیے زنی اودم پیلہ ہوتگ آت ۔ ھمشا آئیا اے آشوپۂ پـاد آھگۂ ـرا نہ حیرانی ہوت او نہ چہ آئیے زندےتھا ہدلی آتـگ ۔ گشے آ ہہ ھر سکی و سوریۂ واسطا پیسرا تیار ہوتـگ ات ۔ توری آ انا گتیـن مرگ ہیت ۔

چہ غدرۂ رندےگڈی دہ یازدہ سالان غالب یکجی نادراہ وت۔ آئیے کاگدانی تھا جاگھے درد قولجۂ صبر مان اِنت پدا آئیے دستان دانک در آتک او سک ریش بوتنت او اے ریش آئیےۂ سجئی بدنۂ شنگ بوت انت ۔ پاد ئے گوات گپت انـت ، ذیابیطیۂ نادراھـیۂ او پدا ھر چند کہ پیر تر ہوت ، نادرا یھان آئیے سرا ارش کـت و نزور کت ۔

وراک ئے وارت نہ کت ، گوشان کر ہوت یـک چم کور ئـے ہوت ، دومی چم ئے تھار بوت ۔ چہ مـرکۂ دو سہ سال پیـر چــے پادان لنگ وت ۔ گون شیر و شاعریۂ آئیے دو تی واھـگ داری تا آخیرۂ ھم پشکپت ۔ وش تبی وژرونی تا مرکۂ سھتۂ کم نہ بوت ۔ ھر سال وتی مرکـۂ تاریخۂ نبشتہ کت او مـرکۂ ودارۂ نشت ۔ چہ مرگۂ چیزےروچ میسر آمرہ تستگ ات او بے ھوش بوتگ ات ۔ اے شعر آمرہ آئیے دپۂ ات ۔

دم واپسین بـــر سر راہ ہے
اے عزیزو اب اللہ ھی اللہ ہے

آخر سنہ ۱۸٦۹ع فروریۂ ماہ پانزیمی روچۂ ھفتاد و سہ سال او چار ماہۂ عمرۂ بیران ہوت ۔ او حضرت نظام الدینۂ یلکۂ، لوھارو

خاندانءِ قبرستانءَ قبر کنگ بوت :

رشک عرفی و فخر طالب مرد
اسدالله خان غالـــب مرد

ھم سنگی و پختگی

غالبءِ شاعریءِ بنگیجی دورءَ، آئیے مزن مڑائیءِ ترندیـــن جوزہ و لھڑ او وتی مزن پشدادگی جھد آ دورءِ مسترین او ظاھرین خصوصیت انت ۔ کشے یک ورنائے کہ آئیے دنیاءِ جمیل و برزءِ تجربہ کم انت، او وتی بود او قابلیتءِ سرا گیشتر بھیسہ ئے است، ذھنی گوازی او لبزانی بورتاچیءَ مردمان سر بتک و حیران کنگا اِنـت او وتی مزنی او زانتکاریءَ منائینگ او آلہءَ پہ ساڑاھگءَ مجبور کنگا انت ۔ اے کارءِ تھا آئیے ھدوکءِ ودگ و زیـات ہوگے یک سوب ایش ھم است انت حداءَ آئیا را پہ ایشےءِ واسطا بود داتگ او دومی سوب ایش انت کہ پہ نام در آرگ و وتی مزنیءِ سھرا کنگـا ایشےءِ رید وگر ھچ راہ نیـست ات ۔ اگن نہ چوناھا آئیا وتـا پسرا رئیس و بوتارےاو رندا شاعرءِ لیکتگ ات ۔

چہ اکبرآباد (آگرہ)ءَ لڈگ و دھلیءَ آھگـءَ رند، آئیا یک مستر و پراہ ترین علمی و ذھنی چاگردے رست ۔ غالـــبءِ ذھنی آگھیءِ یک ثبوتءِ ایشنت ھم کہ آئیاچہ وتی چاگردءَ وتی تبءِ ڈول اثرءِ قبول کنگ او وتی ذھنی ادوءِ واسطا کار بندگے بود سک باز است آت ۔

نون آ چہ فارسی شاعریءِ شہ رگـءَ دور اوکمستائین ڈولدار اوتھا

اہن کندۂ در آتک و چہ هما مزنیـن فارسی شاعرانـی فائدہ ئے زرت کہ من لبزانکی تواریخۂ آهانی نام و توار برز ات ۔ نون شاعـریء شغلء تهـا یک جوانین سنجیدگیء ودی بـوت او اشـےء اثر آئیےء اردو او فارسی شاعریء تها مهرا نت ۔

چہ سفر او مهمان روگـء آئیے زانت ودت ایشے هوریۂ آئیے مزنی و رئیس ئیء واب۔ دراجین کتن و چهل ئے رند، پرشت۔ چو نہ کہ غالبۂ وتی بازین واهگ یلہ داتنت یا ، رندےوشی و آرامۂ آئیے لوٹ کم بوت۔ بلے آئیا اےما ات کہ دنیاءِ تها درانین واهگ هچبر پورا نہ بنت ـــ یک حقیقتء مارگ وت آئیےء قبـول کنگ او آئیے جورین نتیجہء علاج انت۔

چرےدل پروشیان غالبۂ حدا رنگہ پنجہ نیاورت بلے وتـا پجہ آورتے ـــ حداء دیما آو نیکء نہ بوت، بلے زندگیء دیما آو نیکئے بوت۔ و بزرگے جوڑ نہ بوت بلے جوان ترین زانتکار او دانشورےبوت او زانتکار او دانشورےآئیےء نسیبۂ ات۔ غالب وهدیکہ وتا "آئینہ راز" گشیت تہ آئیے مطلب آ راز نہ انت کہ "صوفی" آئیے شـوهازۂ انت۔ بلکہ هما راز انت کہ دانشور او زانتکار آئیےء شوهازۂ جهد کنت۔ او اےحبرے شر گشینگے واسطا آ وتا "محرم راز نهان روزگار" یا "رازدان خوئے دهر" گشیت۔

غالبء خارجی زندء تها جواءِ الزامۂ آئیے کرگ و بند یوگۂ مزن اثر دور دات۔ نبی آدمء خارجی راز او ذهنی ردومء نیامۂ مزنین تعلقء است۔ بلے اےتعلق دو بروبر کشکے همین تچکین تعلقء نہ انت۔ چہ واقعهہ آن خارجی زندء سرا هرچ عمل کہ بیت ذهنء سرا چرآئیا ترند ترین رد عمل بیت۔ او اےذهنی "رد عمل" هم ذهنی ردوم او حالتء مطابقۂ بیت۔

عمل یک واقع ایت او "رد عمل" یک تجربہ ایت ۔
او تجربہ یک حرکت ایت ۔ واقع او تجربۂ نیامۂ فـــرق دو لبزۂ نہ انت ۔ بلکہ ھر دو جتا جتائین چیز انت ۔!
ذھنی زندۂ ردومۂ مردم سٹی بیت بلے ایشیۓ ٹھپا سر ظاھرین نشان نہ بنت ۔ چہ دراھین عھدی شاعران ایوکۂ غالب یـک انچین شائر ایت کہ آئیے بازین دورۂ شائریۂ تھا ذھنی ردوم سھرا بیت ۔ اے ذھن ردومۂ ھمرائیۂ آئیے فن ھم بدل بوان بوت ۔ بلے ما اے فنی خاصیت آن وتی انوگین سر حالۂ ھوار نہ کن ات ۔ ھمچک گشتن و بس کہ اے فنی تبدیلیانی دیم چہ رنگا رنگین گٹ و ما نتران پرین سادگیۂ نمیگۂ انت ۔ عھدی شائرانی تھا "ارتقاء" ہمین چیزے نہ بوگے ۔وب ایش انت کہ آ شائرانی حیالۂ شائری حقیقتۂ درنگازی کنگے جھدۂ نام بوتگ ۔ غالب شاعريۂ مرکز "انا" آنت ۔ حقیقتۂ ھیچ تواریخ نہ بیت او "دھر" او "روزگارۂ" نھامۂ "انا" وت تواریخ انت ۔
پہ غالبۂ وتا چہ دنیاۂ گستا کنگ و دنیاۂ نداره کنگ، بلکین وت وتی جندے نداره کنگ ، چہ وت پرستیۂ در آیگ اۆ وت پجاری او چہ کش چپل در آھگ ھپتئیۂ منزلۂ سر بوگ انت ۔ اے دانشوری راه زندگی کش و جیل و نہ وشیانی دیمی دارگۂ ھم طاھر انت او چرائیا اند آئیے شاعریۂ ماه ھم ھمیش انت ۔
آئیے عشقیہ شائریۂ تھا ھما " وت سپردگی " " ھور توری " (مانویت) ھما " معصومیت " او سوز و گداز او وشی نینت انت کہ ما آھان میرۂ عشقیہ شاعریۂ تھاگندن ۔ ایشانی بدلۂ مارا آئیۓ شائری تھا لطف و لذت ، او ارمان و افسوز ، یکیمی دلپروشیۂ درا رھن تجربھاتی گوناپ رسیت ۔ یک قومےۂ یا شاعرےۂ عشقیہ شاعریۂ

گورے حبرءِ باز تعلق است کہ گون خدا او گون کائناتءَ آئیے تعلق چے انت ۔ میر او غالبءِ عشقیہ شائریءَ فرق جذبہ فکرءَ ے معنائین فرق نہ انت بلکہ آھانی فرق عشقءِ بنیادی معنا انت ۔ بــزان عشق زانت، ادراک او حقیقتءَ یکیــن و تنھائین وسیلہ انـــت یا تنھائین گوناپ ـ معنا یا حقیقت یک یکی (وحدت) اھت ـ "انـا" کائنات او خداءَ نیامءَ تعلق داریءَ وسیلہ ایت ۔ چہ "انا"ءَ جتا کنگا "انا" کائنات او خداءَ نیام جتائیءَ ودی بیت او آھانی تعلقءَ تھا درآمدی او خارجیت پیدا بیت ۔

ھمے "انا"ءَ جتا کنگے سوبءَ غالبءِ عشقیہ شاعریءَ تھـــا کسمانکی گوناپ (ڈرامائیت) و دی بوتگ ۔

غالب ءِ شائری ءَ تھا سقوف ءِ سر حال سک باز انت انچو کہ حالیءَ گشتنگ ۔

توحید وجود ءِ سر حال اِنچو کہ آئیا می شائری تھرانـی تھا بھان کتگ انت، نظیری او بیدلءَ رند ھچ کسیءَ انچو بیان توحیدءِ سرا آئیے عقیدہ و ستک پھتہ بوتگ ۔ بابے لقوف آئیے ذھـن چاگرد بوتگ آئیے زندگی نہ بوتگ ۔

من چاگردءَ موجودین خیالات و عقیـدہ آئیـے شائریءَ فطرتءَ مارت انت او من شبین و چھرانی تھا آئیا درنگـاز کت انت ـ شائر کمالی آئیے فلسفی خیالات نہ انت بلکہ ھمین خیالاتان ـــــن شئیری فلسفہ تھا آرگ انت ۔

فلسفی خیالات وا وتی جاگرءَ ، بلے بنی آدمءِ تعلقاتانی با روا غالبءِ پیمین جھلین او شائیگـانین چہ شانک ھـچ کسیءَ دور نہ داتگ ۔ او گیشتر آئیے چہ عام حبران گونگ و نفسیاتـی حقیقان سر بوگے جھد شتریءِ سرا ظاھر انت ۔ اے مشاھدہ و چہ دلیستانی تھا

شک کہ حیرانی و بھمانگیء یک بھر ایت ، تازگـــی پیدا کنت او وش تبی گشکندین حبر کہ یک معاملہ ئےء یکین وھدا دو انگءَ پیش کت کننت وشین شائیگانیء پیدا کننت ۔

بے نیازی و بے پروائی زمانہء عادت انت۔ اشیےء مقابلہء واسطا رضا او منگے پیلء ابید دگہ راہ نیست۔ او منگ و رضاء عادت دانائی ایت ۔۔ایوکء چہ بغاوت کنگا دانشمندی حاصل بوت نہ کنت ۔ بلے منگ و رضاء پیلء تھا وش تبیء شامل کنگا، حالتانی درگ او سکگ آسان تربیت بلکہ آزاتی حقء ثبوت اِت ھم ۔

دہر گندی او زانتکاریء رودینتگین ، منگ و رضاء اے پیل و عادت ، چہ صوفیانی ستک و لیکہء رضاء باز جتا او دگہ پیم انت۔ اے ڈولدارین او دل پسندین وابگ و ارادھانی دنیا کہ نہ وشی او سکی و سوریانی شھہ دگ اِنت، او غالب ھمے سکی و سوری او نہ وشیانی آ ماج انت ھم او نداره چاروک ھم ، پر آئیا مسترین کمک توحیدء تھا مھکمین ستک او نبی او آل نبی ، گیشتر گـــون حضرت علیء ستک و عقیدہ انت۔

ــ کعبہ آزادوں کی جائے پناہ او نام
علی فارغ البال رھنے کی راہ ہے ــ

غالبء چہ وتی دؤر او زمانگء مردمان بے قدریء گلگ آسره بوتگ۔ اے راست انت کہ غالب یک مزنین شاعرےء حیثیتء وتی زمانہء سک مشھور بوتگ۔ بلے مروچی ، اے دؤرء کہ ما چہ زندگیء چشین روایتےء باز دورمنتگ اِن کہ چہ آئیا نبی آدم او آئیے کائنات نیامء تعلق بست ، اے دورء کہ زند تجربتء جاگہ نون وت یک مسلہ جیڑہ ایت ، گون ما اے مسلہ و جیڑہ گشینگے ھچ راہ نیست ، اے

دورۃ کہ زندۓ رنگینیان او مجرومی و ز بہریان روچ بہ روچ گیشی‌بوان لنت، ارادہ و واھگانی کش و چیل او قدرانی پرشت و پروشۓ نیامۃ مھکم او شتگ او وتی دنیاۓ پجہ آرگ و زانگ لک گران بوتگ، چہ ایدگہ درائین شاعران ما غالبۃ گندن کہ چہ ما نز یک تر اِن، او مے زمانگ و دورۃ پیمین زانت او احساس واھند اند۔

او مرچی ما غالبۓ صـــد سالی یادگارۓ دارگے روچۃ غالبۃ گورے دلحمیۃ دنیاۓ دیماۓ پیش کن اِت کہ آئیےۓ شاعریۓ تھـــا کسےۃ نوکین کلھوۓ ہرنیت یا مہ رسیت، بلے وتی دلۓ گوانکۓ لازم آہ شکنت۔

غـالـب
چه هر څوک ئې وائي ښه

اردو :- پروفیسر کرار حسین

مترجم پښتو : بیګم شاه

۱- آولسي پس منظر

د غالب د زمانې آولسي حالت د نن زمانې نه دېر بل شان له وو - او دا پدې نهٔ چه کنې د وخت تيريدو سره حالات بدليدل لازمي دي ولې پدې وجه هم چه څمونګ او د هغه زمانې تر مينځهٔ د يو سياسي - آولسي - اقتصادي او ذهني انقلاب بيلتون هم موجود دے - د تاريخي شعور په مدد سره مونګ له د دغې زمانې د آولسي حالاتو خاص خاص خبرے رنړا ته رائيستل پکار دي -

(۱) د هند او پاک بر اعظمګي ته چه کوم مسلمانان راغلي دي - په دوئي کښې د عربو ، ترکو ، ايرانيانو او پښتنو غونډے بيل نسلو نه وو- په تيره تيره ترکان او ايرانيان د دے ځائے په ثقافت کښې زياته برخه لري - د سوداګرو نه چه زيات پکښې عرب وو دا خلق د جاکمانو ، فوځيانو ، عالمانو او صوفيانو په جامه کښې راغلي وو- خو بيا هم دوئي که په هر شکل کښې راغلي وو خود ميشت کيدو او آباديدو په نيت دلته راغلي وو- په دوئي چه به يوډوه پيرئ' واوريدے نو خپل مورف وطن سره به د دوئي خپلوي کمزوري شوه اوهم د دځائے به شول - په رو رو د ځائے کنړو خلقوهم اسلام قبول کړو او د خپل ذات مات نه ئے ځانونه را او شوکول - او اسلامي ملت سره پيوست شول د هند او پاکستان براعظمګئے يوه ويړا دنيا ده- او دلته د بيلو بيلو نسلونو خلق آباد دے - رنګ رنګ ژبے وائي او په خپلو خپلو علاقو کښې د خپل دود

دستور په جوړ ژوند ژواک کوی ـ د دوئی په ژوند ژواک کښ یوشان والے کم دے ځکه چه مسلمانان چه څنګه څنګه خواره شو یدی ـ نو د خپلے علاقے مقامی رنګ ئے آخستے دے ـ

(۲) د هندوستان په اسلامی ژوند کښ بادشاهان او ولیان د لوئی مقام خاوندان وو ـ یعنی ژوندئے په دوو دأبرو کښ تیریدو یو د بادشاهانو دربار او بله د بزرګانو ستانه ـ دد دواړو یو تر بله نالګی هم وه او یو بل ته پښتی هم ورکوی ـ د د دواړو په کش مکش کښ د مسلمان ژوند تیریګی ـ ځمونګ د ادب غټه برخه یا خود بادشاهانو په دربارونو کښ توکیدلے ده او یا د ستانه دارو په لمنو زرغونه شویره ـ بادشاهی دربار تش سیاسی مرکز نه وو بلکه دا به یو ثقافتی مرکز هم وو ـ او هره صوبه کښ به د مرکزی دربار په ډول یو وړوکے دربار وو ـ دے سره څنګ په څنګ د ملک په کټ کټ کښ عالمان او ولیان خواره شوی وو ـ د ژوند د عامو ورکړو را کړو په وسیله په غیر مسلمهآبادے اثر اچولو سره سره د د دواړو مرکزونو په برکت اسلامی معاشره کښ اتحاد او یو شان والے پیدا کیده ـ

(۳) بیا د دربار اوستانے ترمینځه د مسلمانانو معاشره د خاص او عام په دوو برخو کښ تقسیم وه ـ په خاصو کښ امیران او سپین روبی وو ـ چه په کښ مقامی مشران هم وو ـ دا ډله د نسل نسب د قید و بند نه آزاده وه ـ عام آولس په څه نه څه شان دے ډلے سره تړلے وو ـ د د ډلے یو خاص ثقافت وو ـ دوئی په قلم او توره دواړو خبرو مرنی وو ـ د دنیا کارونو سره سره به

دوئی دینی کارونو سرہ هم مینه لرله ـ په دوئی به د جنګ میدان او د دوستانو مجلس دواړه یو شان له ښائیسته وو ـ دوئی ډیر سپیڅلے ادبی ذوق او جمالیاتی احساس ارلو ـ د علم او هنر قدر دان وو ـ په شمار خولګ وو ولے اثرئے هر چا ته خور وو ـ د مغلو تاریخ هم د د ښو کسانو د کارنامو تاریخ وے ـ دوئی د ثقافت چینے وے چه د ملک عام خلق به پر سیرا بیرل ـ

(۴) د د آولس ثقافتی ژبه فارسی وه ـ پدے ژبه د هرے علاقے تعلیمیافته مسلمانان پوهیدل او په کومو غیر مسلمانانو چه د مسلمانو اثر وو دوئی له هم دا ژبه ورتلله ـ د مدرسو تعلیمی نظام هم قریب قریب یوشان وو ـ د د براعظمګی یوه علاقه هم داسے نه وه چر ته چه په فارسی کښ څه نه څه کتابو نه نه وو لیکلی شوی ـ د بئیل‌بئیل‌علاقائی ادب او ثقافتونو ترمینځه فارسی ژے لوستلو او خودلو رواج د دوئی تر مینځه د یوشان والی راوستو کار کولو ـ

په اتلسمه (۱۸) او نو لسمه (۱۹) صدی کښ اسلامی معاشری نه ډیر سنګین حالات تر مخه شول ـ د بادشاهانو نا اهلے او عیش و عشرت او د امیرانو د خپل غرض د پاره خانه جنګو او فسادونو د معاشرے سیاسی مرکز کمزورے کړو ـ د هندوستان غیر مسلمانانو طاقتونو سرو نه‌را پورته کړل ـ او مرهټیانو، سکهانو او جاټو د خپلواکه حکومتونو په جوړولو شروع او کړه ـ دا خو خیر د براعظمګی یوه کورنئے معامله وه چه پکښ مسلمانانو هم په بیلنو بیلنو صوبو او علاقو لکه اوده، بنګال، حیدرآباد، میسور او سنده کښ خپل خپل خپلواکه یا نیم خپلواکه حکومتو نه قائیمول ـ خوکرا نه پیخه

دا وه چه یورپی طاقتونو په تېره تېره فیرنگیانو د خپل تجارتي کارونو نه علاوه په ملکي سیاست کښې د غلبې حاصلولو او د ملکونو د راګېرولو کوششونه شروع کړل۔ زړے معاشرے سره د د نوے پېښې د مقابلې کولو څه علاج نه وو۔ ځکه‌چه مقابله یوے‌داسے دنیا سره وه چه د دوئي د پوهے نه بهر وه او د دوئي نه زیاته منظمه او زیاته تیاره وه۔ ارادے ئے د ملک ګیري وے او دد د پاره ورسره د نوے زمانے اثرناک جنګي سامان وو۔ ولے دا ګنړل چه ګني دا په هرطرف او لوري د مسلمانانو د پریوتو او زوال زمانه وه درست خبره نه ده۔ اول خو دا خبره چه مسلمانانو د د حالاتو خلاف په اراده یا نیما اراده خپل جنګ جاري او ساتلو۔ بیادے نوے قایم شوی حکومت ملک کښې ادبي ثقافتي مرکزو نه جوړ کړل۔ چه لکهنؤ او حیدرآباد پکښې د ذکر وړدی۔ او هم پدے زمانه کښې دوه داسے تحریکو نه شروع شول چه مونګ ورته په ځائے د نوے ژوند علامے وئیلے شو۔

وړومبئے تحریک خو دیني تحریک وو۔ په دلي او لکهنؤ کښې چه څومره دیني فکر ، زده‌کړه او خودنه شوېده د د نه دواندے چرے هم دومره نه وه شوے پدے سلسله کښې په تېره تېره د شاه ولي الله تحریک د ذکر وړدے۔ د مرکز د کمزوري کېدو نه پس په نژو را پور ته شوؤ حالاتو کښې د دیني آصولو نه هدایت آخستل او ځان له د لارے معلولو کوشش کول او د اصلاح مخه د دربار نه اولس ته اړول داسے واقعات دي چه د خپلے زمانے د سمے پوهے او زور فکر نتیجه ښکاري۔

دوهم تحریک د آردو ژبے شانداره ترقي ده۔ د پښو ژبے

پیدا کیدل او خوریدل د لوئیے نه لوئیے سیاسی واقعے نه زیات تاریخی اهمیت لری۔ د اردو ژبے او ادب ښکاره کیدل د هندوستان د مسلمانانو د معاشرے په خپل ځان د تکیه کولو او بیداریدو غټه علامه ده۔ دا په حقیقت کښ په ځان د نوے باور نه د پیدا شوی صلاحیت د ښکاره کولو یره ذریعه ده۔ د معاشرے د دوو اهمو مرکزونو یعنی د بادشاهانو د دربار او د بزرګانو او عالمانو سرپرستی دے ژبے ته حاصله شوه۔ د د ژبے په قسمت دا خبره رسیدے وه چه د خپل وطن غیر مسلمانانو ورونړو سره د مینے پیژند ګلو او پوهالی ذریعه اوګرځی او د فارسی نه د ځان شوکولو بغیر د بیئلو بیئلو علاقائی ثقافتونو یوتر بله د جوختولو داسے وسیله اوګرځی چه په څه زمانه کښ فارسی ژبه وه۔ په کومه زمانه کښ چه داسے لوئیرونکی خوربدونکی او ترقی کرونکی دوه تحریکونه پیدا کیدے شی هغے نه د زوال زمانه وئیل نا پوهی ده۔

دا د آردو ژبے او ادب د ترقئے یوه داسے زمانه وه چه په کښ د هند اسلامی معاشرے د ترقئے ډیر مزلونه وهلے وو او د علم او ادب په ځنو خاص میدانونو کښ ئے ترقی کړی وه نو ځکه آردو ژبه په ډیرے تیزئے سره کمال ته او رسیده۔ اوس داسے معلومیګی چه د ازل نه دے ژبه کښ د علم، کلام د منطقی باریکو او د شاعرانه نزاکتونو او خوندونو ښکاره کولو جست موجود ؤو۔ د یوے معاشرے د ثقافتی مزاج نه د ځان خبرولو د پاره د د معاشرے آولسی ادب او فنی شعلو نه ډیر مدد کوے شی۔ د د معاشرے خاص اداره مشاعره ده چه خپل خاص دود دستور لری۔

پدے اداره کښ چه یو خوا بادشاهان او بزرګان شاملیګی نو بل پله ورکښ عام آولس ورګډیګی ـ د مشاعرے حیثیت پدے معاشره کښ دومره کیدیشی لکه څومره چه د ملکه الزبتهه په زمانه کښ د لنډن د تیتهر وو ـ شاعران په هر ملک او زمانه کښ پیدا کیګی ولے یو تهذیب هم د مشاعرےغوندے اهمه اداره پیدا نه کړ یشوه ـ

۲. اکبر آباد (آګره)

غالب په اصل نسب ترک وو ـ د ده نیکه قوتان خان بیګ د اتلسمے (۱۸) صدی په نیمائی کښ د سمرقند نه دے براعظم‌ګی ته راغلے وو ـ د هندوستان د اسلامی معاشرے لمن دومره لویه وه چه د ایران یا د توران د نسل د اعلیٰ‌خاندان یا فوځ یو سړے یا شاعر یا د علم او یا د کوم بل فن خاوند که به دلته راغلو نو په ډیره آسانئے به پدے کښ ځائیده ـ د غالب د نیکه ژبه ترکی وه ـ آردو او فارسی سره بیخی نا بلد وو او غالب چه د ده د را تلونه څلویښت پنځوس کاله پس پیدا شرے وو د دے ځائے د اسلامی ثقافت یو ضروری رکن او ګرځیدو ـ

د سیاسی با چاګرد ئے او د ملکی الغو تلغو پدے دور کښ کنړ ریاستونه د مسلمانانو، مرهیتیانو او فرنګیانو په برخه کښ اورسیدل ـ او چه د هر ریاست ځان له فوځو نه جوړ شول نو سپاهی توب یوکسب شو او د د فن خلق بغیر د څه قومی لحاظ یا وفاداری د لحاظ سانلو په بیلو بیلو ریاستونو کښ د نوکری په

تکل کښې شول ـ د مرکز کمزورۍ کيدو سره سم په شريفانو کښې د شرافت او وفادارۍ معيار بوه ځان ځانې خبره شوه ـ د غالب نيکه د سمرقند نه لاهور ته په را تلو دلته د نواب معين الملک په حکومت کښې ملازم‌شو ـ د هغوی د وفات نه پس د دهلی د بادشاه ملازم شو ـ او د هغه زمانې د رواج مطابق د ده او د ده د رسالې د خرڅ اخراجات د پاره يو علاقه د ده په نوم شوه د غالب پلار عبدالله بيګ څه موده په اوده کښې د آصف الدوله په حکومت او بيا حيدرآباد کښې د نظام علی خان په حکومت کښې څو ورځې ملازم وو ـ آګره کښې ئې د خواجه غلام حسين کميدان لور سره واده او شو ـ خواجه غلام حسين کميدان د ښار په سپين روبو کښې شميرلې شو او خيال دے ـ چه د غالب پلار د سخر په کور د يره شو ـ په آخر کښې دے د ملازمت د پاره الور ته لاړو او هم د غلته په جنګ کښې مړ شو ـ د غالب تره نصرالله بيګ يو عزت‌دار سړے وو ـ د مرهټيانو له خوا د آګرے صوبيدار وو او بيا چه کله فيرنګيانو آګره فتح کړه نو دے ئې په فوځ کښې رسالدار شو ـ او ورته د ځان او د خپلې رسالې د خرڅ اخراجات د پاره د آګرے په خوا او شا کښې تر ژونده دوه کلی مقرر شو ـ د دوئي په بوه حادثه کښې حق او رسيده ـ

غالب د کال ۱۷۹۷ء د دسمبر په ۲۷ م تاريخ آګره کښې د مور د پلار په کور پيدا شو ـ اسدالله خان ئې نوم وو مرزا نوشه ئې عرف او تخلص ئې په شروع کښې اسد او بيا غالب او کله کله اسد ـ عمر ئې پنځه کاله وو چه د پلار ئې حق او رسيد او د خپل تره په حواله شو خو د نهو کالو چه شو نو تره ئې هم حق

او رسیدد ـ د ده هلکوانه د نیکه په کور ډیر په آرام ، نیاز بلکه په آزادی تیره شوه ـ مرزا به خپلو هم ځولو سره هر وخت په لوبهو تماشو آخته وو ـ بیائے د شاعرئے ، عشق و محبت ، او شراب څکلو غوندے معاملو ته لاس واچؤ غرض مرزا تـول د هغه امیر زادګانو غوندے کارونه کول چه د نا منع ئے څوک نـه وو ـ ولے پـه دغه زمانه کښ د امیرانو اولاد ته په کور د تعلیم ورکولـو هم رواج وو ـ او وئیلے شی چه ده هم د آګرے د دوو آستاذانو شیخ محمد معظم او نو موړی شاعر میاں نظیر اکبرآبادی نه تعلیم حاصل کړو ـ پـه دے لړکښ غالب د یو ایرانی استاذ نوم هم آخلی کله چه آتش پرست وو نو په هـرمزاد بسے شو او د مسلمان کیدو ـه پس ئے عبدالصمد نوم کیخودے شو ـ دا سړے په سیل سیل په کال ١٨١٠ء کښ آګرے ته او رسیده او د دوو کالو نه زیاتے مودے پورے غالب د ده په صحبت کښ پاتے شـو ـ غالب وائی چه دے یو مؤمن مسلمان او صوفی سړےوو ـ دا آستاد په ریښته د خپلےزمانےجاماسپ او بزرجمهیر وو ـ لکه چه د غالب د کلام نه ثابتیګی غـالب د خپلے زمانے د رواجی علمونو لکه منقولات ، منطق ، فلسفه ، هئیت نه ښه خبر وو ـ د طب کتابو نه ئےهم لوستلے وو ـ عربیٔ سره هم نـا بلده نه وو او کله چه ئے فارسی ژبے سره مینه وه او شعر و شاعریٔ سره د ده طبعه قدرتی طور لګیده نو ځکه د فارسی ژبے تاریخ ، مزاج ، او باریکا نو سره ډیر زیات بلد وو او د فارسی د شاعری د ټولےدورونو روح سـره آشنا وو ـ آردو ژبـه او ادب ده د آستاذانو پـه ځـائے د خپل کبر چاپیره ماحول نه ذده کړے وو ـ

د دیارلسو (۱۳) کالـو پـه عمر کښې د غالب واده د دلی په یو مشهور خاندان د فخرالدوله نواب احمد بخش والیٔ د فیروز پور جهرکه او د لوهارو د رئیس د کشر ورور نـواب الهی بخش خان معروف لور آمراو بیګم سره او شو۔ دا خاندان هم د غالب د خاندان په شان په یوه زمانه کښې د سمرقند نه راغلے وو۔ انګریز جرنیل لارډ لیک چه دلی او اګره ئے د مرهټیانو نه خلاصه کړے وه سره نـواب احمد بخش ډیر مدد کړے وو۔ او د د په په عوض کښې ورته پـه میوات کښې د فیروزپور جهرکـه ریاست ورکـړے شوے وو۔ بیا ئے ورستو لوهارو هم خپل ریـاست کـښې شامل کړو۔ د واده نه وړاندے هم د غالب کور نئے سره د لوهارو د کـور نئے د عزیز والئے تعلقات وو۔ د ده د تره نصرالله بیګ داده د نواب احمد بخش او نواب الهی بخش خور سره شوے وو۔ او د هغه د مرګ نه پس د خپلو خپلوانو النه پالنه ئے د فیرنګیانو حکومت نواب احمد بخش ته سپارلی وه۔ خپلو خپلوانو کښې ئے غالب هم شامل وو۔

د واده نه دوه درے کاله پس غالب دلی ته په کډه لاړو۔ څو کاله خو آګرے ته تلو را تلو۔ او د ده مور چه هم په آګره کښې وه د ده مدد به ئے کولو ولے رو رو آګرے سره ئے شلوان او شو او د کال ۱۸۱۷ء خوا او شا کښې دے په دلی کښې آباد شو۔

آګره چه په څه زمانه کښې د مغلو بادشاهانو دارالخلافه پائے شوے وه اوس ئے هغه دور نه وو پاتے۔ هغه معاشره چه ورله د مغلو دربار ترقی در کړی وه په شتو خو وه ولے جـوش او خـروش او

شان ئې ختم شوې وو۔ غالب ورنه آبادي په ورانه حساب او په ورانه کښې آبادي وئيلې ده ـ کوم نسل سره چه ئې تعلق وو د هغوئ په نصيب عيش پسندي، مهم پرستي، او د شهرت حاصلولو خواهش ليکلې وو۔ د نومنيا ئيش او شهرت حاصلولو د پاره د آگرې ميدان لنډ تنګ وو۔ دلي ښيا هم يو مرکز وو۔ او پـه نوم کښې يو کشش وو۔ سره د د چه د غالـب خپـلوان آگـره کښې مـاړه پټ وو او نيکه ئې د نباد په سپين رو بو کښې حسابيده ولې پـه دغه کور نئې کښې د غالب حيثيت د يو وارث نه بلکه د يو لرې خپلوان وو۔ شايد چه د هغه کور نئې په خو ورځو شپو کښې هم فرق راغلې وو او د نيکه مال جائدادئې په خرڅيدو وو۔ لوهارو خاندان کښې واده په وجه دلي سـره د ده تړون نور زيـات شوې وو۔ هم دا تسمه کنړ وجوهات وو چه دې ئې د آگرې په پريخو دو او دلي کښې آباد يدو نه تيار کړو۔

شاعري سره ئې مينه په آگره کښې پيدا شوې وه د اتو نهو کالو په عمر کښې ئې پـه آردو او د يولسو (۱۱) دولسو (۱۱) کالو پـه عمر کښې ئې په فارسي کښې شعروند شروع کړل ـ آگره کښې د او سيدو په ورځو شپو کښې ئـې پـه ادبي حلقو کښې د يـو شاعر په حيثيت نوم پيدا کړې وو د هغه زمانې په ذکرونو کښې بـه ئې نوم آ شتې شو۔ غالب سره تل عمر خيال وو چه د ده را شه درنه ناسته پاسته ، خپلوي او عـزيزداري معتـبرو او مالدارو سره ده۔ ولې په خپل ځـان د ده حيثيت پدې لحاظ پر بوتې وو۔ ځکه خو ده په خپلو خطابونو ، شاهي خلعتونو او پنشن د مرزانو شه د عرف

نه هم زیات فخر کولو۔ او د شعر شاعری نه هم زیات دے د نوابئے په عزت کلک ولاړ وو۔ ده د فارسی په یو خط کښ خپل آرمانو نه داسے بیان کړیدی۔

ځما په حالت افسوس دے چه څه خدائے نیست مند او بے سرو سامان پیدا کړے یم۔ نه م لکه پلار نیکه سلطان سنجر کلاه او پیتی' شته او نه م د پخوانے زمانے د بو علی سینا په شان علم او هنر زده۔ ما وئیل چه ملنګ شوے او په بے پرواهے دنیا کښ او سیرے۔ د ازل نه چه ما ځان سره د شاعری مینه په برخه راوړے وه دے په لا او لو تلم د شعر او ادب لاره م او نیوله او د فوځی سردارے او حکمت فلسفے غوند د شهرت د کارونو نه لاس په سر شوم۔ شعر او ادب پسے م صوفی توب هم پر یخود۔ او خپله کشتی م د شعر سمندر ته لاهو کړه۔ قلم م نشان شو او د پلار نیکه مات غشی م قلمونه شول۔ ځمونګ معاشره کښ د مشاعرے په شان شعر وئیل هم یو زوړ دستور وو۔ دا دستور بیا د یو اُستاد شاعر په شاګردئے کښ تر سره کولے شو۔ په شعر او شاعری کښ د اُستاذ او شاګرد تعلق داسے وو۔ لکه چه په نورو کسونو کښ د اُستاذ او شاګرد تر مینځه وی یا د پیری مریدی په اړ کښ د پیر او مرید تر مینځه وی۔ شاعری کول هم یو هنر وو او هم یوه سلسله۔ بلکه د کسب او سلسلے دا بیلتون هم مونګ پیدا کړیدے۔ د شعر و شاعری سلسله لکه د پیرئے مریدئے د سلسلے غوندے وه۔ د د دستور خلاف غالب د شعر و شاعری میدان ته داسے په درز دروز اوتو لکه چه یو بهادر ډول ، نشان ، غشے او توره په لاس

په یو ملک ور ننوزی او دا قبضه کړی ـ د کمال او شهرت نورے لارے مثلاً د فوځ سرداری یا علمی فضیلت یا پیری بزرګی په غالب بند وه یا ئے دے سره نۀ لګیده ـ نو بیا ده د شاعرے په زور چه د ازل نه د ده په برخه رسیدے وه هم د شاعری په میدان کښ ده خپل کمال ښکاره کولے شو ـ دا بوه د مطلب خبره ده چه د دغه زمانے د رواج خلاف په شعر و شاعرے کښ غالب د چا شاګردی نه وه کړے ـ

په پورتنی خط کښ غالب د شعر وئیلو د پاره د "آئینه زدودن و صورت معنی نمودن" یوه ډیره د مطلب فقره استعمال کړیده ـ "آئینه زدودن" په بل چا د خپل کمال ظاهر دلو یو فن دے او "صورت معنی نمودن" کښ هغه معنے ته اشاره ده کومه چه په شعر کښ خودے شی ـ د زړے شاعرے په ژبه کښ د معنی مطاب هغه پریها نه حقیقت دے چه د حواسو نه بهر دے او په خپل ځائے قائیم دے ـ د ده په خیال کښ معنی را پیدا کول بے مطلبه جمله ده ـ حقیقت ته په رسیدو بے اندازے ژورتیه ممکن ده ولے د غالب په خیال کښ د معنی مطلب ژبات د حسن و نفس عجیبه حقیقتونو ته رسیدل او یا د تشبیه او استعمارو په جامه کښ د نورو مضمونونو تکل دے ـ د "آئینه زدودن" مطلب هم د روزمره او محاورے په وسیله خالی ژبه بر قول او پدے کښ د ژباتے نقش کارئے جست پیدا کول نۀ دی ـ ولے نوے نوے ترکیبونه رائیستل دی چه د هغے په برکت نوے نوے مطلبونه را ګیر کړے شی ـ

کیر یشی چه د انفرادی جوهر دے خواهش غالب دے خبرے

ته تیار کړے وی چه په آردو ژبه کښ دے د فارسئے د شاعر مرزا بیدل په لاره روان شی ـ د نادره او نا آشنا ترکیبونو او د کرانو کرانو شعرونو وئیلو په وجه بیدل د فارسی په شاعرانو کښ ځان لا یو جدا حیثیت پیدا کړے وو ـ د غالب په شاعری کښ هم دا رنګ غالب وو ـ ولے دا طرز ده تر ډیره او نهٔ شړلے شو دا پدے وجه نهٔ چه کنی آژدو ژبه د بیدل په طرز نه شوه چلیدے ولے پدے وجه چه د غالب د بیدل د شاعری په شا بیلتو بیلتو جذباتو کار کولو ـ بیدل د خپلے شاعری د بنائیست او ډول د پاره د تصوراتو د خالی دنیا نه ګلدستے تیاری چه د د دنیا د ګلونو نه بے نیازه ده ـ بلکه د د د رنګینے تعلق هغه دنیا سره دے چرته چه شاعر د زړه په پرانستے دروازه ور داخلیګی غالب د د خلاف د بهر دنیا د رنګ رنګ تماشو او د رنګ رنګ ارمانونو د دنیا سیلګرے دے ـ په شروع کښ غالب ته د بیدل په لاره تلل ډیر خه ثابت شوے وو ـ

۴. دهلی مرحوم

دهلی د یو ښار نوم دے ـ خو "دهلی مرحوم" په یو خاص تهذیب بللے شی چه د هغے مرکز دهلی وو ـ چه د لرے لرے نه ئے قابل قابل خلق ځان له را ښکل ـ چه اثرئے تر لرے لرے خور وو او چه پیوند کارئے قبلے ، نمو خانه او سو یل پله علاقو کښ نوے پسرلے را وستے وو ـ دلی څو څو ځله دران شو ولے و بیجا ړیدل ئے

دومره عجیبه نه وو لکه چه څومره په تندی سره ئے آبادیدل وو د مغلو د سلطنت د زوال په زمانه کښې دا ابدی سمسوره آبادی په څو څو کرته ورانه او آباده شوه. د میر او سودا په زمانه کښې د مرهټیانو با جاګردئے او عامو فسادونو او بد آمنے دا ښار تش کالبوت پریښے وو. د میر د پاره د دلی کوڅے د مصور نګارخانے وے چرته چه هر څیز د یو تصویر په دود وو. دا په دنیا کښې یو داسے یادګار ښار وو چرته چه د دنیا د سرسر خلق او سیدل. د سودا په نظر کښې دا دیجاره آبادی د یو عاشق زړه وو د دنیا په سمندر کښې دا یو داسے عجیبه ساحل وو چه عام آولس په ئے د خاورونه مرغلرے تو یولے. میر او سودا هم د داسے دلی په پریښو وو مجبور شول.

د مرهټو نه پس په ښاد د فیرنګیانو قبضه شوه او دلته امن او امان قائم شو. ډیر معتبر کسان د فیرنګی حکومت ملازمان شول. فیرنګیان هم د غه وخت کښې د د ځائے د معاشرے نه دومره لرے لرے نه او سیدل څومره چه د 'غدر' نه پس او سیدل. د ښار کنړو امیرانو او د سر سر کسانو سره ئے دوستئے وے. څه موده پس دلی کالج هم قائم شو. چه ډیر قابل قابل علمی پکښې نوے علمونو سره بلد شول. د دهلی د بادشاه اختیارات رو رو کمیدل. لال قلعه کښې دربار موجود ؤو خو حکومت د کمپنئے چلیده. ولے خلق به د خدائے او ملک به د بادشاه کنړلے شو. دربار کښې سیاسی او انتظامی کاروائیے ختمے وے. د قلعه آبادی چه پکښې د بادشاه کورنئے او نور متعلق خلق شامل وو پالنه تے یوه کرانه مسئله کړ څیدلے وه. د دربار ظاهرداری او دود دستور لا په زور

حال وو۔ او انتظامی اود سیاسی کارونو په ځائے د شعر او شاعری مزے چرچے وے۔

د امن او امان پدے لگه موده کښ دلے بیا په رونق شو۔ حالی د د ذکر داسے کوی ـ

په د یار لسمه (۱۳) صدی هجری کښ چه د مسلمانانو زوال حد درجے ته رسیدلے وو۔ د دولت ، عزت او حکومت تلو سره د دوئی نه علم او کمال هم تلے وو نـو دا یو عجیبه خبره وه چـه د دهلی په دارالخلافه کښ یو څو داسے کاملان یو ځائے شوے وو چه د هغوی په محفلونو او جمعو جرگو به د لیدونکی د اکبر او شاهجهان د دور دوران مینـه مـا تیدله د د دینی علم ، شعـر و حکمت ، طبابت ، تاریخ او نجوم سلسلو څلورواړه طرف ته یو درز وو۔ او سره د د چه د اوده او حیدرآبـاد خپلوا که ریاستونو کښ د قدر او عزت ډیرے موقعے وے خو د د ځائے په معشاره کښ څه داسے کشش وو چه د دغه ځائے د کمال خلقو دا په هیڅ صورت کښ نشو پریخر دے ـ

غالب چه دلی ته راغلونو داسے نه وه چه کنے دے چا پیجندلو نه ! ولے چه د ده سخر کنے د دلی یو عزتمنده کورنئے وه۔ د ده سخر نواب الهی بخش د فیروز پور جهروکه د مشهور رئیس فخرالدوله نواب احمد بخش ور ور وو۔ د عزیزو لئے پـه وجه د ده ناسته پاسته په آزادئے سره د آولس غتو غتو خلقو سره وه۔ د دوئی ادبی او علمی ذوق ډیر اوچت وو۔ او دوئی به د دلی منلے شوے ژبه

آردو وئیله ـ د مثال په طور به ځان د غالب سخر نواب الهی بخش خان د ذوق شاګرد وو او پـه شعر کښې بـه ئے د ژبے د سو چا والی او د رواجی ژبے په استعمال ډیر تاکید کولو ـ د دوئی دوست نواب حسام الدین حیدر خان چه د غالب ډیـر قدردان یا دیده د میر محمد تقی میر او د میر متحسن خلیق (د میر انیس پلار) شاګرد وو ـ او دا صاحبان د اوچتے درجے د آردو ژبے د اعلیٰ استعمال ماهران وو ـ د دیوان غالب په حمیدیـه نسخه کښې چه د غالب د ابتدائی شاعرئ نـه تیاره شو یده د فـارسئے د اثـر نه د د کـو شعرونو او کرانو کرانو استعارو سره سره داسے غزلے موجود وی چه په سو چا والی او ساده والی کښې د آردو شاعـرئے د اعلے ژبـے قیمتی نمونے پیش کوی ـ او بنده پکښې په یقین سره وئیلے شی چه دا فرق د غالب د آګرے نه دهلی ته پهراتلو او د دلی په محفلونو کښې د ناسته پاستے برکت دے ـ

د آګرے نه د غالب دهلی تـه تلل نـه خالی دا خبره وه چه ګنی یو سرے د تنګ ترش ځائے نه پراخ میدان ته اوځی ولے د د میدان په شابل رنګ تاریخی واقعات وو ـ که چـرے غالب د آګرے نه دلی ته نه وے راغلے نـو زیات امکان د د خبرے دے چه د نوؤ نوؤ او عجیبه مضمونو نو په تکل کښې به غالب د فارسئے پـه جوړو تیارو شوؤ بـرکو چـرکو ترکیبونو پـه تیروکو څـو کښې سرګردان ګرځیدو ـ د غالب په اوچت ذهن کښې د اصلاح یو داسے بخپلهٔ کر ځیرونکی پرزه موجود وه چه پهٔ ډیره تیزی سره بهٔئے ځان سنهبالولو د غالب د دغهٔ زمانے په دوستانو کښې یـو یاد شخصیت

د مولانا فضل حق خیرآبادی وو په علم او فضیلت کښ بے مثالا وو ولے د ډیر ښځپیزلی ادبی ذوق خاوند وو. او د غالب په زړه کښ چه ده څومره عزت وو. دے نه چه او کښے شی نو دا خبره به بے ځائیه نه وی چه د غالب د شاعر ئے په اصلاح کښ د ده ناستے پاستے هم لوی اثر وو. بیدل سره د غالب د مینے اثر کم شو او د اکبر د زمانے د فارسی شاعرانو نظیری ، عرفی ، او ظهوری سره د ده تعلق زیات شو. غالب چه د فارسئے پخوانی شاعران لکه سعدی ، حافظ او خسرو پریخو دل او هغه شاعراتو سره تعلق جوړل چه د فارسی مشاعری په تاریخ کښ د یو نوے دور نبه کری. د ده د خاص طبیعت او مناسبت علامهٔ وه. دا شاعران چهٔ در تا د فغانی د سلسلے پهٔ وجهٔ د هندی طرز نمائنده شاعران وئیلے شی. دوئی د نوؤ نوؤ مضمونو نو بیانولو او د نوؤ نوؤ کنایو او استعارو د استعمال لو او زوردارے شاعرے کولو سره سره د انسانی ژوند د معاملاتو د بیانولو د پاره مشهور دی. په دوئی د هغهٔ ذهنی تحریک هم اثر دے چهٔ پهٔ کښ د نقل نهٔ زیات زور عقل لهٔ در کولے چهٔ شروع شوے خو د ایران نهٔ وو خود ترقئے میدان ور تهٔ د مغلو د زمانے هندوستان کښ حاصل شو.

د کال ۱۸۲۵ء نهٔ دراندے غالب زیات د آردو غزلے لیکلے کله کله به ئے د فارسئے غزلے جوړولے. اوس ده ځان د فارسئے غزلو ته وقف کړو او قریباً ترشلو کالو ده پدے جوړ شاعرے کوله. د د یو وجهٔ خو دا وه چهٔ د غالب د پاره فارسی ژبهٔ مورنئے ژبے پهٔ شان وه او بلهٔ وجهٔ دا وه چهٔ کم نهٔ کم قوی تنگ نظری

د هندوستان مسلمانو کښې وه او د دوی په طبیعت کښې د نورو اسلامی ملکونو په نسبت د ژبانې نه ژباړه عاجزی او مهلمه دوستی وه مونږ تل د نورو اسلامی ملکونو علمی و عملی کارونو ته د قدر په نظر کتلی وی۔ فارسی سره د اردو نه به کنټرول ده۔ کیرښتی چه غالب دا خیال کړے وی چه د خپلے زمانے په شاعرانو د بری بیا مو ندلو د پاره ده ته آسانه طریقه داده چه د اردو نه در تېرشی او په فارسئے کښې د شاعری رنګ رنګ نقشو نه پیدا کړی۔ دا خبره ثابته ده چه یو موده پورے ده به خپله فارسی شاعری فخر کولو او اردو شاعری ئے د ننان د پاره د ننګ خبره کنړله یا به ئے په خوله دابے ویلی۔ دا درست ده چه د اردو په مقابله کښې فارسی یو منلے شوه پخوانئے ژبه ده او ګمونږ د خاکسارئے او مهلمه دوستئے نه مونږ ته ډیره قابلیده او وسیده۔ د غالب په سلسله کښې هم د ده فارسی شاعرے ته کم کوز کتل نا پوهی بلکه ظلم دے۔ ولے د اهم منلے شوے خبره ده نن دنیا د غالب شهرت د ده د اردو شاعرے برکت دے۔ او خدائے خبره ده۔ چه اردو شاعری کښې دے امام دے او فارسی شاعری کښې مقتدی نو امام او مقتدی کله برابر یږیښی۔

۴ زندگی کی کشمکش

غالب چه دل له راتلے نو ګذاره ئے په هغه پنشن وه چه فرنګی حکومت ورته د ده د تره نصرالله بیګ د یو وارث په حیثیت

د فیروز پور جهرکه د رئیس په دغه ښوکې وو. پنشن بحث وو
د غالب ژوند ژواک د تراپانو وو. شاهانه عمر ئې بلکه شمشم
عمر ئې د هغه زمانې د رئیسانو شان تېر نه شو. ځکه چې په
رئیسان معتبر خلق قرضداری وو. قرض به ورته هندوانو او سوداګرو
و بنیاکانو ور کولو. غالب به د کمې آموختې او د قرض غوښتونکو
ملامه تل تنګ وو. "غلط اوکه درست" دغه دا کنټرول چې کوم
د فیروزپور جهرکه ریاست نه په چې د حکم په موجب هغه د پاره
محدوده پنشن مقرر وو د هغې نه ورته کم ور کېدلو. د د خبرې
تعلق فیرنګی حکومت سره وو. او په دغه زمانه کښې د هندوستان
دارالخلافه کلکته وه. نو ځکه غالب اراده او کړه چې کلکتې ته
لاړ شي او لوی لوی فیرنګیانو حاکمانو ته خپله معامله پیش کړي.
کلکتې ته د هغه د روانېدو صحیح تاریخ نه دے. خو دا خبره یقینی
ده چې دے د کال ۱۸۲۷ع په شروع کښې د دلي نه کلکتې ته روان
شو او د کال ۱۸۳۰ع پورے د کلکتې نه واپس شو په لاره کښې
دے لکهنؤ، کانپور، بانده، بنارس، عظیم آباد او نورو ځائے په
ځائے ایسار شو.

لکهنؤ هغه زمانه کښې ډېر په لوړئ وو. د فیرنګیانو په لمسه
نواب وزیر اوده غازی الدین حیدر د خپلې بادشاهۍ اعلان کړے
وو. غالب د غازی الدین حیدر په صفت کښې فارسۍ کښې یوه
قصیده لیکلې وه. او د هغه دا طمع وه چې د قصیدې په انعام کښې
چې څه ولم حاصل شي. هغه به کلکتې ته د رسېدو بندوبست او
شي. هغوی شاعری کښې قصیده بادشاه سره د یو خاص منصبے

ښکاره کول وو ـ د ه عقیدت تر مخه څنګه چه د تمام جهان مرکز الله تعالیٰ دے یا چه د ستور ستور کر په دنیا کښ کدم مقام نمل ته حاصل دے با په دین کښ نبی علیه السلام او اما ما نو درجه ده دغه رنګ د د دنیا مرکز بادشاه دے چه په مژکه د خدائے سودے دے او د د دنیا انتظام او بندوبست بادشاه او امیرانو سره تړلے دے ـ د دربار شان و شوکت د د رعب داب یو شکل دے ـ

د قصیده د یونکو شاعرانو دا کوشش وی چه هم د د په دربار مخامخ د خپلو لفظونو په ذریعه یو شاندار محل تیار کړی ـ د بادشاه خپل ذاتی وجود هم وی او علامت هم ـ او هم پدے وجه د دهٔ د جنګ او محفلونو ، مړانے او سخاوت ، د ده د آس او تورے بیان په مبالغه نشی شمیرلے ـ د غالب په حقیقت پسند نظر کښ د بادشاهت دا نظریه نه وه ـ خو پدے پوهیدو چه د قصیدے په لیکو انعام در کیدښی ـ او ـ قصیدے په لیکو کښ دے د خپل فن کمال ښکارهٔ کولے شی ـ پدے وجه ـ ده د په خیال قصیده نیکل د سوالګرو کار وو او دے د سوالګرئے په کار کښ لا کچه وو ـ پدے قصیده کښ هم ځائے په ځائے ده هغه مجبورو ته اشاره کړیده ـ د کومو په وجه چه د لیکله ـ او پکښ ئے د د خیر نوختو عذر هم پیش کړیدے چه که یو سړے په لاجارئے د سخیانو در ته سوالی او کړی نو دا څه د شرم خبره نه ده ـ ځکه ښه په خپله هم د سخیانو د کور نئے لیم ـ غالب د فرنګیانو حاکمانو او د انګستان د ملکے په شان کښ قصیدے لیکلی دی ولے د فن د د کمال مدعا داده ښه د داسے بو کامل ښیادم قدر اوشـــی او د ده

مقصد ترسده شی ـ حالی وائی چه د مرزا تول عمر په قصیدو
وئیلو او ستائینو کولو کښې تیر شو ځکه چه محتاجی بنیادم هم هر
څه نه جوړ کړی ـ

د د قصیدے غازی حیدرالدین حیدر نه د پیش کولو هډو
موقعه را نغله بلکه نائیب وزیر سره هم د دۀ ملاقات او نشو ـ
ځکه چه ملاقات د پاره چه نائیب وزیر د نزرانے او تعظیم کوم
قدغاً مقرر کړے وو ـ د غالب خوّد دارے دا نشوز عملے پخوانی
زمانه کښې درویش صفته خلقو یا رئیسانو یا کم نه کم مړو خلقو
د وخت تیرئے د پاره د شاعری شغل اختیار کړے وو یا کوم خلق
چه صرف شاعران وو او شاعری ئے کسب وو نو د دوئی د پاره
د بادشاهانو او امیرانو د سرپرستی ضرورت وو ـ نائیب وزیر غالب
د د دریٔی درجے په شاعرانو کښې حسابه وو ـ غالب غوختل چه
ورسره دے رئیسانو په رنګ سلوک اوشی ـ د غالب په ذهن کښې
دا د رئیس او د شاعر کشمکش تمامی عمر پسانے شوے دے ـ
غالب شاعر وو او مصیبت دا وو چه ده نه د رئیسے کرومز او
سازو سامان خاصل نه وو او دائے غوختل چه د شاعر نه زیات
دے په رئیسانو کښې حسابولے شی ـ ۱۸۲۷ع کښې د قید د تور
پورے کیدو نه پس تولونه زیات افسوس ده ته په ده خبره وو
چه اوس دے یو ریاست کښې مخه د ریز کیدے نه شی ـ سدا
د د چه پیر یا آستاذ وی ـ

داسے بکاری چه غالب بانرے د لکهنئو رونق او درل دروز
هیڅ اثر اونه کړو ولے دخپلے تجربے ناده تا دهغه ځائے د بسر

انتظامیڑے حال معلوم شو ـ " چه وائی " " هر کله جه در ملک دارنګ دے نوبنه به دادی بنه خولا پرانۀ نـزم " البتـه دد سفر لا برکته ئے د دغا ځائے د سد سد خلقو سده راشا در شه او خط و کتابت جوړ شو ـ پدے نو موړو کښ د لـکهنئو شیخ امـام بخش ناسخ نوم مشهور شاعرهم وو ـ د دلی نه په دوبما درجه لکهنئو د اردو ژبے او شاعری لوئے مرکز وو او ناسخ د د مرکز یـوه لویۀ ستن وه ـ غالب بدے موقعه لکهنئو کښ د اردو ژبے د اصلاحی کار او د غزل د نوے دول د نزد ـ نه د کتو جوکه شو ـ

د غالب په طبیعت کښ جابو طرف تاد آزادئے مستانه خوا شو نه وو نوبل پله د فبل حیثیت قائیم ساتلو خیال مالی محتاجی او د کور هود ذمه دارئے وے (د کومو جه په بنه او منـاسب طریقه پورا کول وو) ـ

د غالب د کور پازو نر د پــو هیرو راز هم پـدے کشمکش بن دے ـ دے په سیل او سفر ډیر مثیں وو ـ خو په مسافرئــی بن مصیبتو نه هم دی ـ هد بنکلے شئے جه د نظر نه تیرشی زړه خان نه راکا ګی ـ بنارس ته غالب خوشحاله او موړ معمورجنت وائی ـ داد هندوستان په کعبه بلی بنابتان ئے دا یزد سراسر نوردے ـ بنارس یو معشوقه ده ـ جه د ګلو نو په تو لولو کښ مسته مشغوله ده ـ ولے د دلی یاد د زړه نه دو تونه دے ـ دلی روح دے ـ او باقی دنیا کالبوت ـ د دلی دوستان ئے یاد یکښی او خپل کور خلق در ته په یاد رالی ـ جه د بے کسی او خوارئے په کښ ئی سترګے د سفر او د سفر نتیجو له تیولی وی ـ غـالب د بنارس نه خـانه

خلاص کهړی او د کلکتې په دوان شو ـ

کلکته یو بله دنیا ده ښاد څه چه آنه داړه مجرا عظمه دے چرته چه د هر ملک او هر فن خلق موجود دی ـ د د کائـــے د هنړمندد خلقو د پاره د مرګ د علاج نه بغیر هـر څیز آسان دے او د ډ ځائے بازارو نو کښ سیوا ده قیمت نه هو څه آرزان دی ـ که جرګے بال بچ د ده پاغاړه نادے نو غالب هم دغلته پاتے شوے وے ـ د دغا ځائے تازه والے او زونق، ښنه خائیسته جمنونـــه ، جوړے سنهبالے معشوقے، میوے او شراب نردیړ، مورے غالـــب هبر ولے نه شوے هم دغلته غالب د نوے ترقئے او دنړا عجائبات ریل' داک، جهاز وغیره هوڅه په فپلـو ستر کــوا اولیدل ـ او د دلی او لکهنؤ د زړو تهز یبونو دورا نیرو نه پس ئے د تهذ یب نو، ثلیرونکے نمد ښه په زور کښ اولیده ـ ښه دهنے تو مخه زوړ آئین او فنون نور هم بے قوره ښکاره شول ـ د تار یخ پدے عبوری دور کښ تا د هفه خلقو په نسبت د حـــالاتو ز یاته ښه آنوازه وه جـه سنه ۱۸۵۷ع کښ فیرنګیانو او جنګیول ـ د ، پوهید ښه وا د دغا زمانے د دواؤ طاقتو یو مقابله نه وه ـ ولے د حال په میدان کښ د نیرے او نوے زمانے مقابله وه ـ ده پنشن په باره کښ د غانب طمع پیدا شوه او بیا قطعی شوه ـ بیا حبره اوکره شوه ـ معامله د کلکتے نه دهلی ته بدله شوه ـ غالب دلی ته راغے ـ تر خپلـــد و سکه‌لے کوشش اوکرو او آخیر نا امید شو ـ انګلستان ته ایـــل اولیکلو خوشه خونړلے او نه کړو - پنشن ئے هم هفه دوه شپیتـــه (۶۲) روپئی او آنه (۸) آنے په زوړ حال پاتے شو ـ خالی وو مره

قورله فرق راسره نه د فیروز پور جهورکه ریاست د ضبطېدو نه پسې به اوس دا د دلی د کلکټر دفتر ورکولو۔ د غالب په خیال کښې پدې دور کښې د هر څه نه وېره به ده ۔ دا د لندن معشوقې زړه عجری خو د او سپنې، ورنه انصاف دو فنل کاڼری سحره سر جنګول دی ۔

پدې زمانه کښې په کلکته کښې د فیرنګیانو د اثر لاندې د راجه رام موهن رائې په مشرئ کښې د بنګالی هندوانو د فکر او ادب د اصلاح او دو بار ژوندی کولو تحریک جاری وو۔ ښکاره خبره ده ۔ چه غالب دې سره څه کار نه وو۔ هم د غلته ګورنر جنرل لارډ وارن هیسټنګز فورټ ولیم کالج قائیم کړے وو۔ چرته چه یو طرف ته د نوے هندئ بنیاد کیخوےد شو نو بل پله د آردو په آسان نثر کښې کتابونه لیکلے او ترجمه کولے شو۔ د آردو نثر په ترقئے کښې چه فورټ ولیم کالج کوم کار کړیدے د د نه هر څوک خبر دی ۔ غالب باندې هم دے تحریک او کړو۔ د هغه د فارسئ د خطونو چه د ده د آردو خطونو سره مقابله او کوېشی نو ډیر فرق په کښې معلومیګی د ده د فارسی خطونه چه کتر په کښې د دغه زمانې د نومو یو خلقو په نوم دی یو بې بها خزانه ده ۔ نه یوازې دا خبره ده چه د غالب د شخصیت ، د ده د تعلقاتو او ماحول د خبریدو د پاره دا خطونه ضروری دی ۔ ولې دا خطونه د ژبې په لحاظ سره د ایرانی محاورے ډیرے خې نمونې دی ۔ د دئ خپله ژبه د هندوستان د فارسئ لیکوانو نه برعکس د عربئ د تصرف نه سوچا ساتلے وه۔ ولې آخر کښې خوئے تر

خپله پخپله فارسئے کښ د عربۍ ژبے د تکو د استعمال نــه د پرهیز کولو کوشش کړیدے۔ خطونو کښ ئے په رسمے تکلفانو چه دعه زمانه کښ د ادب کمال گنړلے شو خپل مطلب کړیدے۔ د د برعکس په اردو خطونو کښ د ژبے سوچاوالے، د مخامخ خـ روا ترو په رول ساده والے، چه پکښ توقوتقالو سره د بیان تللے آنداز او د هرځا د مناسبته د دوئی په جوړ ژبه لیکل او پدے ساده والی کښ ئے کوم کمال دے۔ دے تولو صفتونو د ده اردو خطونو لا یو داسے مقام در کړیدے۔ ئے د آردو ادب په ترقے کښ ئے ډیر اهم اثر گنړلے شی۔ او ئے صدے دے نه او کوری چه غالب آردو کښ خطونه د کلکتے نه په واپسے لیکل شروع کړیدی۔ نو دا خبره عقل ته پریږدی ئے د ده د نثر دا ساده والے، سوځـا والے او روانی د غالب په رسا ذهـن باندے د فـورټ وایم کالج د فـضا اثر دے۔

هم پدے فورټ ولیم کالج کښ د مشرقی علومو د جاری کولو کار روان وو او ډیرے قابل هستۍ دلته جمع شوی دے۔ پـدے سلسله کښ به هره میاشت هلته د فارسۍ یو مشاعره هم کیدله۔ دا د غالب میدان وو۔ خــو ئے ده در نه ور او دا نــکل نو د مشاعرے په ځائے مقابله شروع شــده۔ فارسی په پیرو پیــړو د هندوستان مسلمانانو ادبی، علمی، مجلسی او د خط و کتابت ژبه پاتے شو ېره۔ ولے صحیح ژبه به اهل ز بان منلے شوه۔ د وړکړے را کړے ژبه هندوی یعنی اردو وه۔ او د د اثر ورغ ورغ زیاتیرو او هر کله ئے یوه ژبے په روزمره استعمال کښ نه راځی نو د دعه

ژبے جوړے پدے مزکه کښ نۀ شی خخبرلے۔ پدے وجه فارسی ژبے دلتے سره و ده او نۀ کړے شوه۔

ژ به سنو په آسره جلیده ۔ سره د د ښه سند په یو حد د ننه د ژبے د معیاد سا تلو د پاره ضامین وی وے پرے د حده زیاته تکیه کول ژ به لوئیرو ته نۀ پریکری ۔ او پرے کښ د نخرد پیخو اثر زیات شی، کله چه ایران سره تعلقات کم شول نوهم د دځائے د لغت لیکوالو او شاعرانو چه پکښ څه هندوان او څه نوے مسلمانانی هم ئو مثالونه په سند کښ پیش کیرل شروع شول۔ غالب هم د فارسے د تقلید د حده نه بهر نه وو ۔ ولے دعوی ئے داوه چه دے د هم په فارسی ژانو شاعرانو کښ او د اهل زبان نه بغیر ده دبل جا سند معتبر نه منلو ۔ د دلی فضا بیاد کلکتے په نسبت ړیره ښه وه ـــ دلی غالب د بیدل د اثر نه آزاد کړو او د فارسی شاعری په لویۀ لارئے روان کړو ـ د کلکتے زبان دانان د هندوستان د فارسی شاعری د نقل او لفظی بحثونو په دام کښ کیروو ـ غالب پایو مشاعره کښ د فارسئی یو غزل داد روئو ښه پکښی د یو ترکیب په استعمال اعتراض او شو۔ او د اعتراض کښ د هنرئے نژاد د فارسئی د شاعر قتیل د رسالے نه پیش کړے شو۔ غالب چه د فارسئی د عالمانو په نسبت په علم کم او هوښیار نیا کښ زیات دو۔ دوئی ته په سپک نظر کتل ـ خبره ښه زیاته شوه نو همفوئی په فارسئی کښ یوه مثنوی اولیکله چه پکښی عذر معذرت، او ہیچ موزے دی ـ خوزړه ئے پرے هزر معذرت هم پاک نه شو ـ نودبرے وائے پس د عذر په زمانه کښ ښه غالب

ځان لاکومنبې ژدند نبیرو لونو په زړه کښ ئې بیا د هندوستانـــی نسل ډ فارسی لغات د لیکوالو خلاف جوش را پیدا شو ـ

" برهان قاطع " د فارسی لغات یو مشهور کتاب دےـ چه تحراد سه ایران کښ استعمالیگی ـ د د کتاب لیکـوال محمد حسین تبریزی دے ـ خودے هندوستان کښ پیدا شدیرے او تمامی عمرئے دکن کښ تیرکړیدے نوځکه ور ته غالب دکنے ولیل ـ پاگال سنه ۱۸۶۰ع کښ غالب یو رساله تیاره کړه ـ جـــه پکښ د برهـــان غلطای په کوته شوے وی ـ او د د نوم ئے قاطع برهـان کیخوده دا رساله په کال سنه ۱۸۶۲ع کښ جهـاپ شوه ـ د د رسالے پـه جهاپ کیوو د مخالفت یو طوفان پور ته شو ـ په مخالفت کښئے ښه کوم کتابو نه را اوتل ـ مشهور پـکښ " مدیر برهان " وو ـ دا د ډهاکے د جهانگیر نگر د فارسے یو مشهور عالم آغا احمد علی لیکلے وو ـ د ځلور والی طرفه د مخالفت جواب هالب په یو سر ورکولو یا به ئے په فپلو دوستانو لیکلو ـ سره د د جه عالب د د رسالو په لیکلو کښ د پورا تحقیق او علم نه کار آخستے دے او د لغات لیکو کنے اصول ئے هم واضحه کړیدی خو په کـوم آنداز جه دا بحث جاری وو او په کومه طریقه جه علمـــی بحثونو کښ د جذباتو او ذاتیانو نه کار آخستے شو یرے ـ دا د مخـــالفینو او طرفدارو وو اړو د پاره د فخر خبره نۀ ده ـ شاید په د عـا زمانه کښ د بحثونو د عالب و خود شناسئی یودا ہے عبـر کنړاو ښه د پاره ئے زړه کښ ټیر شدومی خو په آبادئی کښ په خبـره څوک بو هیرو ـکی نۀ وی ـ پدے سفـر کښ ده دنیا اولیرله ـ زکړے دنیا

د نظر حد ئې زیات او فرا خه شو ـ ډیرو اوڼیو لوئیـو خلقو سره ئې ملاقات او شو ـ خود غیر والی احساس ئې نور هم زیات شو ـ د خپلې دنیا نه ځان بېلول او بیا دنیا ته کتل داد غیر والی احساس د " لیدو او پوهیدو " ویروېښې شرط دې ـ او د غالـب په کلام کښې د د لیدو او پوهیدو هغه مقام دے چه د پښتانـو شاعرانو په کلام کښې تصوف وو ـ

غالب چه د کلکتې نه دلی ته واپس شونو مالی حالت ئې نور هم خـــراب شوے وو ـ د پنشن قضیه ئې د کال سنه ۱۸۲٦ع نـــه شروع شوی وه ـ او کال سنه ۱۸۴۴ع پورې جـــاری وه ـ پدے طبع ده د فیرنګیانو حاکمانو په بنالینه کښې دے مار قعیرے اولیکلے ـ خو آخیر د د کشمکش نتیجـــه نا آمیدی او ختــه ـ بیاهم ده دا خیال زړه پورے نیولے وو ـ چه شاید څنګه چه پښتانو بادشاهانو به د عالمانو اوکا میلانو قدر کؤو دغه انګ د فیرنـګی حکومت هم د قدر دانی په طور ده ته څه انعام یا اعزاز ورکړی ـ ولے اوس زمانه بدله وه اورنګ ئې بدل وو ـ په ارت مټ خـــرڅ کندل د ده د قدرتی قربانئې او سخاوت نتیجه وه او د رئیسانو پـــه شان ژوند تیر دل ئې خاصا وه ـ در پاسه ئې د شرابو څکلو عادت چه د هکلوان نه ئې آختے وو ـ د قرضے بارئې درته درغ په درغ زیاتولو ـ قرضه زیاتیوله چه غوفتونکو به وکدی اوکړئی نودے به په کور کیناستو ـ د دغه زمانے دستور وو چه معتبر خلق به د قرضے د ورکړئی په حکم به کور کښې نۀ بلکه د کور نه بهر نیولے شو ـ د غالب د پاره په کور نا سبه کښې خیر وو ـ شعر او شاعـری چه



پی-آئی-اے کے جیٹ میں دنیا سمٹ آئی ہے

پی۔آئی۔اے کے جیٹ طیارے پر قدم رکھتے ہی دنیا کے طویل فاصلے سمٹ جاتے ہیں۔ پی آئی اے کی پروازوں کا وسیع سلسلہ مغرب میں نیو یارک اور مشرق بعید میں بنکاک تک پھیلا ہوا ہے۔ [illegible]

[illegible] اہم شہروں کو پاکستان کے قریب [illegible] بنکاک [illegible] قاہرہ [illegible] کویت [illegible] افریقہ میں [illegible] یورپ میں ماسکو، روم، پیرس، فرینکفرٹ، جنیوا، استنبول اور لندن — پی آئی اے کے برق رفتار جیٹ طیاروں کی بدولت پاکستان اور دنیا کے ۲۳ اہم ترین شہروں کے درمیان سفر پہلے سے کہیں زیادہ تیز رفتار اور آرام دہ ہو گیا ہے۔ [illegible]

پی آئی اے کے جیٹ طیارے پر سفر کیجئے [illegible] آپ دنیا کو اپنے استقبال کے لئے چشم براہ پائیں گے۔

PIA پاکستان انٹرنیشنل ایئرلائنز

IAL-IPR-108

ادارۂ یادگار غالب جنوری ۱۹۶۸ء میں قائم کیا گیا تھا۔ اس ادارے کے اغراض و مقاصد حسب ذیل ہیں:

(۱) غالب کی شعری اور نثری تخلیقات کی اشاعت (۲) اُن تخلیقات کو دوسری زبانوں میں منتقل کرنا (۳) غالب اور دوسری ادبی ہستیوں کی شخصیت، تخلیقات اور ان کے عہد کے بارے میں علمی تحقیق و تفتیش کی سہولیتیں فراہم کرنا (۴) ہر سال یوم غالب منانا (۵) ایک ادبی رسالہ شائع کرنا اور (۶) غالب شناسی کے فروغ کے لئے دیگر ادبی و علمی اداروں سے تعاون کرنا۔

مئی ۱۹۶۹ء میں غالب کی صد سالہ برسی کی تقریبات کے موقعہ پر ادارے کی جانب سے مندرجہ ذیل چھ کتابیں شائع کی گئی ہیں۔

(۱) دود چراغ محفل۔ پیر حسام الدین راشدی (۲) غالب — سب اچھا کہیں جسے۔ پروفیسر کرارحسین (۳) پنج آھنگ۔ آھنگ پنجم کے فارسی خطوط کا ترجمہ۔محمد عمر مہاجر (۴) بزم غالب۔ عبدالرؤف عروج(۵)غالب کا منسوخ دیوان مسلم ضیائی (۶) غالب نما۔کتابوں اور رسائل کا اشاریہ۔ ن حسن قیصر

ইংরেজরা যখন দিল্লী দখল করেন তখনো তিনি তাদের কাছে ধর্ণা দেননি। তিনি কেবল নীরব দর্শকের মত দিল্লীর ধ্বংস আর সর্বনাশ দেখে গেছেন। কিন্তু চোখের সামনে সবকিছু দেখেও তার মনে কোন পরিবর্তন আসেনি। বন্ধুদের মতই হাসারসে তিনি সবাইকে মাতিয়ে রাখতেন। বৃটিশ কর্ণেলের সামনে দাঁড়িয়েও তিনি রসিকতা করতে ছাড়েননি।

যাহোক, সিপাহী বিদ্রোহের পর বলতে গেলে শেষ জীবন পর্যন্ত তিনি শয্যাশায়ী ছিলেন। মূত্রের ব্যথা, চর্মরোগ, পা ফোলা, বহুমূত্র ইত্যাদি বিভিন্ন রোগে ভুগে তিনি খুবই দুর্বল হয়ে পড়েন। জীবনের শেষ দিনে তিনি বধির হয়ে যান এবং এক চোখের দৃষ্টি তিনি হারিয়ে ফেলেন। জীবনের শেষ ৩ বছর তিনি বিছানা থেকে নড়তে পারেননি। কিন্তু কবিতা লেখা তিনি ছাড়েননি। বিছানায় শুয়ে তিনি মৃত্যুর দিন গুনতেন। মৃত্যু তার কেন আসছে না তা তিনি বেশ রসিকতার সংগে বর্ণনা করেছেন। শেষের দিকে প্রায়ই জ্ঞান হারিয়ে ফেলতেন। তবে জ্ঞান ফিরে পেলেই তিনি এই শ্লোক আবৃত্তি করতেন :

'দাম্-এ ওয়াপসি বরসরে রাহে, অজিজও—আব আল্লাহী আল্লাহ

(আল্লাহর কাছে ফিরে যাওয়ার সময় এসেছে। শিগগিরই অন্তিম যাত্রা শুরু হবে। হে আমার প্রিয়জন, এখন আল্লাহ ছাড়া আমার আর কেউ নেই।

১৮৬৯ সালের ১৫ই ফেব্রুয়ারী তিনি মৃত্যুর কোলে ঢলে পড়েন। তার বয়স হয়েছিল ৭৩ বছর ৪ মাস। দিল্লীর বস্তি হজরত নিজামুদ্দিনের কাছে লোহারু পরিবারের গোরস্থানে তাঁকে কবর দেয়া হয়।

'রসকে উরফী ও ফখরে তালিব মুরদ্, আসাদুল্লাহ খান গালিব মুরদ্।

(উরফী যার জন্যে ঈর্ষান্বিত ছিলেন, তালিব যাকে নিয়ে গর্ব বোধ করতেন সেই আসাদুল্লাহ খান গালিব আর ইহজগতে নেই।)

গালিবের মূল্যায়ন—গালিব ছিলেন সহজাত কবি। কবিতা ছিল তার জীবন। প্রথম দিকে এটা ছিল তার নেশা, পরে হয় পেশা। শেষ দিন পর্যন্ত তিনি জীবনের সংগে সংগ্রাম ক'রে গেছেন। আশা নয় নিরাশাই ছিল তার জীবন সঙ্গী। জীবনে খুব কম আশাই পূরণ হয়, কাজেই তিনিও সবকিছুকে মেনে নিতে বাধ্য হয়েছেন। গালিব তার কবিতায়, তার চিঠিপত্রে যে ছন্দময় আর গতিশীল ভাষা ব্যবহার করেছেন তার তুলনা হয়না। অতি দুরূহ দার্শনিক মতবাদকে তিনি কবিতার মাধ্যমে কত সহজে বর্ণনা করেছেন। তাই শত বছর আগের গালিবকে মনে হয় এ যুগের কবি। গালিবের রচনার বিন্দু কোন বাণী থাক বা না থাক গালিবের হৃদয়ের স্পন্দন নিশ্চয়ই শুনতে পাবে।

গালিব—

সবাই যাকে ভাল বলে

মূল ঃ প্রফেসার কার্‌রার্‌ হোসেন

অনুবাদঃ রহিম দাদ

মুদ্রণে ঃ ইউটিলিটি প্রিন্টার্স

সামাজিক পটভূমিকা

গালিবের সামাজিক পরিবেশ আজকের তুলনায় বলতে গেলে সম্পূর্ণ আলাদা ছিল। সময়ের সাথে সাথে সবকিছুই বদলায়। সেদিন যা ছিল আজ তা নেই; আজ যা আছে সেদিনের লোকদের তা কল্পনায়ও ছিলনা। কিন্তু সেটাই একমাত্র কারণ নয়। আমাদের আর এই পৃথিবীর মাঝখানে রাজনৈতিক, অর্থনৈতিক ও বৈপ্লবিক চিন্তাধারারও একটা বিরাট প্রতিবন্ধক বর্তমান রয়েছে। এইসব প্রতিবন্ধক দূর করে মানুষ নিয়ত এগিয়ে যাওয়ার চেষ্টা করছে। আর তার ফলেই মানুষের সামাজিক জীবন পরিবর্তিত হচ্ছে। কাজেই সে সময়কার পরিবেশ কি ছিল তা' জানতে হ'লে আমাদেরকে নীচের এই ক'টি বিষয় স্মরণ রাখতে হবে:—

(১) বাইরে থেকে যেসব মুসলমান পাক-ভারত উপমহাদেশে আসেন তারা বিভিন্ন বংশ ও গোত্র সম্ভূত ছিলেন। এদের মধ্যে আরব, তুর্কী, ইরানী, পাঠান সবই ছিলেন; তবে ইরানী ও তুর্কীদের সংখ্যাই ছিল সবচেয়ে বেশী। কাজেই, বলা বাহুল্য পাক-ভারত উপমহাদেশে সে সময়কার সামাজিক ও সাংস্কৃতিক পরিবেশের ওপর ইরানী ও তুর্কী প্রভাব ছিল সবচেয়ে বেশী। ইরানী ও তুর্কীদের অধিকাংশই ছিলেন ব্যবসায়ী আর বাদবাকীদের মধ্যে ছিল প্রশাসক, সৈন্য, আলেম ও সুফী। তারা যেভাবেই এসে থাকুক আর তাদের উদ্দেশ্য যাই থাক না কেন, এ বিষয়ে কোন দ্বিমত নেই যে তারা স্থায়ীভাবে এই উপমহাদেশে বসবাসের জন্যেই এসেছিলেন। দু'চার যুগ পেরিয়ে যাওয়ার পর স্বভাবতই নিজস্ব দেশ বা বাসভূমির সংগে তাদের সম্পর্ক বেশ দুর্বল হয়ে আসে এবং ক্রমেক্রমে স্বদেশের সংগে তাদের সম্পর্ক বলতে গেলে ছিন্নই হয়ে যায়। শেষ পর্যন্ত তারা এই উপমহাদেশের লোক বলেই পরিচিত হতে থাকেন। এদের পূর্ব পুরুষ কোন কালে ইরানী বা তুর্কী ছিলেন তাদের মন থেকে তা একেবারেই মুছে যায়। এদেরই সংস্পর্শে স্থানীয় লোকদের এক বিরাট অংশ নিজেদের ধর্ম ত্যাগ করে ইসলাম গ্রহণ করেন এবং ক্রমে ক্রমে একটা নতুন জাতি গড়ে ওঠে।

۱

প্রদেশে দরবারের অনুকরণে ছোটখাট একটি ক'রে দরবার থাকতো। আর এইসব দরবারেই কবি সাহিত্যিকরা অতি সম্মানের আসনে অধিষ্ঠিত থাকতেন। আসলে এরাই ছিলেন দরবারের জ্যোতি। ঠিক তেমনি আলেম ও ওলিআল্লাহরা দেশের কোনায় কোনায় ছড়িয়ে ছিলেন। বিভিন্ন ভাষাভাষি ও আচার আচরনের লোকদের মধ্যে ওঠাবসা আর লেনদেনের মাধ্যমে নতুন সংস্কৃতি, নতুন সামাজিক ব্যবস্থা গড়ে উঠতে শুরু করে এবং এমনিভাবে নতুন একটা সংস্কৃতি রূপ নেয়। এই সংস্কৃতি গড়ে উঠতে সবচেয়ে বেশী সাহায্য করেছে দরবার আর খানকা। বাইরে থেকে আগত লোক ছাড়াও স্থানীয় লোকেরা দরবারে চাকরী নিয়েছেন আর তার ফলেই বিভিন্ন সংস্কৃতি ক্রমে ক্রমে একসংগে মিলে গিয়ে এক নতুন সংস্কৃতির রূপ নিয়েছে। ঠিক তেমনি স্থানীয় লোকেরা ওলিআল্লাহদের সংস্পর্শে এসে ইসলাম ধর্মে দীক্ষা নিয়েছেন এবং নিজস্ব আচার ব্যবহার, রীতিনীতি বহুলাংশে বিসর্জন দিয়ে ইসলামী কায়দা কানুন মেনে নিয়েছেন। কাজেই বলতে হয় মুসলিম সংস্কৃতি স্থানীয় সংস্কৃতির খুব কাছাকাছি ঘেঁসতে ঘেঁসতে তার ওপর বিরাট প্রভাব বিস্তার করে ফেলে।

(৩) দরবার আর খানকাকে ঘিরে যে মুসলিম সমাজ গড়ে ওঠে তা' দুভাগে ভাগ করা যায়। জনসাধারণকে নিয়ে এর একটি ভাগ এবং অন্য ভাগটি হ'ল উচ্চপদস্থ কর্মচারীদের নিয়ে। পদস্থ লোকদের মধ্যে ছিলেন টাকা পয়সা ওয়ালা লোক এবং সম্ভ্রান্ত বংশীয় গণ্যমান্য ব্যক্তি। স্থানীয় সর্দাররাও এদেরই অন্তর্ভুক্ত ছিলেন। ধর্মের ব্যাপারে এদের কোন গোঁড়ামী ছিলনা এবং ধর্ম তাদের ওপর বড় একটা প্রভাবও ফেলতে পারেনি। জনসাধারণ অধিকাংশ ব্যাপারে এদের ওপরই নির্ভরশীল থাকতো। এদের একটা বিশেষ সংস্কৃতিও ছিল। অন্যান্যদের তুলনায় এরা জ্ঞানের আলোকে অনেক বেশী উদ্ভাসিত ছিলেন। কাজেই এদের মধ্যে যেমন বহু লেখক, কবি আর দার্শনিক ছিলেন, তেমনি ছিলেন সৈনিক। এদের মধ্যে সাংসারিক লোকের যেমন অভাব ছিলনা তেমনি ধর্মকর্মে দিন কাটায় এমন লোকও ছিলেন। যোদ্ধা হিসেবে এদের যেমন সুনাম ছিল তেমনি তাদের মধ্যে বহু লোক ছিলেন সাহিত্যের শিরোমনি। তারা ভাষা আর সাহিত্যের ওপর যেমন ভাল দখল রাখতেন তেমনি তারা প্রকৃতিক সৌন্দর্য উপভোগ করার মত কবিমনেরও অধিকারী ছিলেন।

বিরাট ভূখণ্ড জুড়ে পাক-ভারত উপমহাদেশ। বিভিন্ন জাতি আর গোত্রের লোক এখানে বাস করে। তারা কথা বলে আলাদা ভাষায়, তাদের পরিবেশ ভিন্ন ভিন্ন, খুব কম বিষয়েই তাদের মধ্যে মিল রয়েছে। এহেন অবস্থায় তাদের মধ্যে মনের মিল আর একতা না থাকাই স্বাভাবিক। একক সত্তা বলে কোন কিছু থাকতে পারে তা তাদের কল্পনার বাইরে ছিল। এমনি এক সময় মুসলমানরা ধীরে ধীরে সবকিছুর ওপর প্রাধান্য বিস্তার করতে শুরু করেন এবং এ কোন থেকে সে কোন পর্যন্ত ছেয়ে ফেলেন।

(২) ভারতীয় মুসলিম সমাজে বাদশাহ আর ওলিআল্লাহদের একটা বিশেষ স্থান ছিল। এদেরকে কেন্দ্র করেই সমাজ দু'টি অংশে বিভক্ত ছিল। বাদশাহ এবং তার দরবার, দেশ ও দশকে পরিচালিত করবেন বেশ কিছু লোক এটাই মনে করতেন। কাজেই তারা সব ব্যাপারে দরবারের আদেশ মেনে নিয়ে সেই হিসেবে নিজেদের বিশ্বাস আর জীবন গড়ে তোলেন। অন্য দল মনে করতেন সবার ওপরে ধর্ম। কাজেই ধর্মের অনুশাসন আর ওলিআল্লাহদের নির্দেশ মেনে চলাটাই সবার কর্তব্য। এভাবে দরবার সমর্থক এবং খানকা (ধর্মীয় স্থান) সমর্থক দু'টি আলাদা দলের সৃষ্টি হয়। মনের দিক থেকে বা দৃষ্টিভঙ্গি আর বিশ্বাসের দিক থেকে দু'টি দল পরস্পর বিরোধী হলেও, কয়েকটি বিচারে একে অপরের সহায়কও ছিলেন। অর্থাৎ পরস্পর বিরোধী দু'টি মতবাদই মুসলিম সমাজের ওপর ভাল প্রভাব বিস্তার করেছে। আর সত্যি বলতে কি এই মতবাদের টানাহেচড়াই হচ্ছে মুসলিম সমাজ জীবনের প্রাণ। পরস্পর বিরোধী মতবাদ পোষনকারী লোকেরা রেষারেষিতে এসে এমন অনেক কিছু করেছেন যা পরিণামে নতুন নতুন সৃষ্টির অনুপ্রেরণা যুগিয়েছে। এই রেষারেষির অন্যতম আশীর্বাদ হচ্ছে সাহিত্য। আজ সাহিত্য যতটা সমৃদ্ধ হতে পেরেছে তার মূলে রয়েছে সেদিনের দরবার আর খানকা। সাহিত্যিকরা, কবি আর দার্শনিকরা এখান থেকেই পেয়েছেন প্রেরণা, পেয়েছেন সাহায্য ও সহানুভূতি। দরবার আর খানকার আশ্রয়ে থেকে তারা সৃষ্টি করেছেন অনবদ্য সাহিত্য। দরবার আর খানকার আশ্রয়ে লালিত পালিত হয়ে সাহিত্য চরম উৎকর্ষ সাধন করেছে। সেদিনের দরবারে কেবল যে রাজনীতি হ'ত তাই নয় বরং সেগুলো ছিল প্রধান সাংস্কৃতিক কেন্দ্র। উপমহাদেশের প্রতিটি

বাঙলা চারদিকে ক্ষমতার এই দ্বন্দ্ব, কেন্দ্রে বাদশাহের জন্যে একটা বিরাট চ্যালেঞ্জ হয়ে দেখা দেয়। এ হেন পরিস্থিতির মোকাবেলা করা খুব সহজ কাজ ছিলনা। ঠিক এমনি এক সন্ধিক্ষনে তাদেরকে অন্য যে বিরাট চ্যালেঞ্জের সম্মুখিন হতে হয় তা হ'ল বৃটিশদের উপমহাদেশে আগমন অর্থাৎ ব্যবসার নাম করে উপমহাদেশে এসে ইংরেজরা রাজনৈতিক ক্ষমতা দখল করে দেশ শাসনের মতলব আঁটতে লাগলো। সে সময় অবশ্য ইংরেজ ছাড়া অন্য আরও কয়েকটি ইউরোপীয় দেশের লোক উপমহাদেশটিকে শাসন ও শোষনের স্বপ্ন দেখেছিল। ইউরোপের অন্য কোন জাতি শেষপর্যান্ত না টিকলেও ইংরেজরা ভারতবর্ষে কিন্তু শেকড় গেড়ে বসে। তখন মুসলমান বা মুসলিম সমাজের হাতে এমন ক্ষমতা ছিলনা যার সাহায্যে তারা এই চ্যালেঞ্জের মোকাবেলা করতে পারে। কারণ এ বিরোধ এমন এক জাতির সংগে যাদের সম্পর্কে উপ-মহাদেশের লোকদের কোন কিছুই জানা ছিলনা। তাছাড়া সে জাতি ছিল অনেক উন্নত, তারা ছিল সংঘবদ্ধ আর অনেক চালাক চতুর। বৈজ্ঞানিক কলাকৌশলের দিক থেকে তারা অনেক বেশী উন্নত ছিল। তাদের আক্রমনাত্মক অভিসন্ধির সংগে পাল্লা দিয়ে ওঠা সে সময় অসম্ভব ব্যাপার ছিল। কিন্তু তাই বলে এটা মনে করারও কোন কারণ নেই যে সে যুগটা ছিল মুসলমানদের চরম অধ:পতনের যুগ।

তার কারণ প্রথমত: মুসলমানরা এই অবস্থা পুরোপুরি মেনে নিতে পারেনি এবং তার বিরুদ্ধে সচেতন ও অর্ধচেতন সংগ্রাম শুরু করে। সে সময় বিভিন্ন প্রদেশে গঠিত নতুন সরকার নিজ নিজ সাহিত্য ও সাংস্কৃতিক কেন্দ্র গড়ে তোলেন। এদের মধ্যে লক্ষৌ ও হায়দ্রাবাদের নাম বিশেষ উল্লেখযোগ্য। এ সময় এমন দু'টি আন্দোলন শুরু হয় যাকে নতুন জীবনের প্রতীক বলা যেতে পারে। প্রথম আন্দোলনটি ছিল মুখ্যত: ধর্মীয়। সেই যুগে দিল্লি ও লক্ষৌতে ধর্মীয় চিন্তাধারা পরীক্ষা নিরীক্ষা ও শিক্ষার যে উন্মেষ ঘটে তার আগে কখনোই তেমনটি ঘটেনি। এ ক্ষেত্রে শাহ ওলিউল্লাহ যে ভূমিকা পালন করেন তা বিশেষভাবে উল্লেখযোগ্য। কেন্দ্র দুর্বল হয়ে পড়ার পর যে নতুন পরিস্থিতির সৃষ্টি হয়, তাতে ধর্মের প্রতিষ্ঠিত নীতি থেকে উৎসাহ আর উপদেশ পাওয়ার যে প্রবণতা দেখা দেয়। তা থেকে সে যুগের আত্মজ্ঞান

যারা সাহিত্য, শিল্প আর শিক্ষার পৃষ্ঠপোষকতা করতেন, তারাই ছিলেন সমাজের সংখ্যালঘু 'ঐতিহ্যবান'। মোগল ইতিহাস আসলে এই উন্নত সমাজের লোকদেরই ইতিহাস। সেযুগের সবরকম সাংস্কৃতিক প্রভাবের মূলে ছিলেন এরাই, এরাই ছিলেন সাংস্কৃতিক তৎপরতার কেন্দ্রস্থল। প্রকৃত পক্ষে এই প্রভাব জনসাধারণের জীবনযাত্রার প্রতিটি স্তরে গেড়ে বসেছিল।

(৪) এই সমাজের লোকদের সাংস্কৃতিক ভাষা ছিল ফারসী। কেবল শিক্ষিত মুসলমানই নয় সংস্কৃতিবান অমুসলমানরাও এই ভাষা ভালভাবে জানতেন। মাদ্রাসারও এই ভাষা শেখানো হতো এবং এই ভাষার ওপর গুরুত্ব আরোপ করা হ'ত। পাক-ভারত উপমহাদেশের এমন কোন জায়গা ছিলনা যেখানে ফারসী ভাষায় সাহিত্য চর্চা হতোনা। বিভিন্ন আঞ্চলিক সাহিত্য ও সংস্কৃতিতে ফারসী ভাষার ব্যাপক ব্যবহার পৃথক পৃথক আর বিভক্ত সম্প্রদায় আর দলের মধ্যে একটা মিলন সেতুর কাজ করতো। ফারসী ভাষার যার যত ভাল দখল থাকতো তাকে তত বড় পণ্ডিত বলে মনে করা হতো। এক কথায় ফারসী ভাষাকে কেন্দ্র করেই সাহিত্য, দর্শন আর জীবন পরিচালিত হতো।

অষ্টাদশ ও উনবিংশ শতাব্দীতে মুসলিম সমাজকে বিরাট কয়েকটি ঐতিহাসিক চ্যালেঞ্জের সম্মুখিন হতে হয়। বাদশাহ ও আমীর ওমরাহরা খুব বেশী মাত্রায় বিলাসে গা ভাসিয়ে দেয়ার এবং পর পর কয়েকজন দুর্বল বাদশাহ সিংহাসনে বসার ফলে রাজনৈতিক কেন্দ্র ক্রমেই দুর্বল হতে থাকে। শুধু তাই নয়, অন্যদিকে আবার উঁচু স্তরের লোকদের স্বার্থান্ধ কার্যকলাপ, ক্ষমতার অপব্যবহার এবং নিজের নাক কেটে অন্যের যাত্রা ভঙ্গ করার বিভিন্ন উদ্যোগ পরিস্থিতিকে চরমে তুলে দেয়। এই সুযোগে উপমহাদেশের অমুসলিম শক্তিগুলো ধীরে ধীরে মাথা চাড়া দিয়ে ওঠে এবং মারাঠা, শিখ, জাট, ইত্যাদি জাতি স্বায়ত্বশাসীত সরকার গঠনের উদ্যোগ নেয়। এটা ছিল উপমহাদেশের আভ্যন্তরীন ব্যাপার। এমনকি অযোদ্ধা, রহিলাখণ্ড, বাংলা, হায়দ্রাবাদ, মহিশুর, সিন্ধু ইত্যাদি প্রদেশ ও অঞ্চলের মুসলমানরা পর্যন্ত তাদের নিজ নিজ স্বায়ত্বশাসীত সরকার বা প্রায় স্বায়ত্বশাসীত সরকার গঠনে লেগে যায়। বলা

ব্যবহার করা কিম্বা কবিমনের সবরকম অনুভূতি প্রকাশ করা অতি সহজ ছিল। এই ভাষার মাধ্যমে অতি জটিল বিষয়ও সহজ সরলভাবে ব্যাখ্যা করা সম্ভব হয়ে ওঠায় তার আদর ক্রমেই বাড়তে থাকলো। প্রকৃতির রূপ আর সৌন্দর্য্য, মনের আবেগ আর অনুভূতি উর্দ্দুর মাধ্যমে অতি সুন্দরভাবে প্রকাশ করতে পেরে পুরো সমাজটাই উৎসাহিত হয়ে উঠলো।

কোন একটি সমাজের সাংস্কৃতিক মূল্য, তার বোধ, তার প্রকৃতি জানতে ও বুঝতে হ'লে, সেই সমাজের সাধারণ লোক, তাদের সাহিত্য ও আমোদ প্রমোদের উৎস বিচার ক'রে দেখা দরকার। সেই সমাজের এমনি একটা উৎস ছিল মুশায়েরা (সাহিত্য সিমপোজিয়াম বা কবিতা সভা) মুশায়েরার একটা আলাদা নিয়ম কানুন রয়েছে, রয়েছে একটা স্বতন্ত্র ঐতিহ্য। রাজা বাদশাহ, আমীর ওমরাহ থেকে শুরু করে সুফী, আলেম এবং জনসাধারণ সবাই এতে অংশ নিতে পারেন এবং অংশ নিয়ে থাকেন। মুসলিম সমাজে মুশায়েরার স্থান ঠিক ততটাই উঁচুতে যতটা উঁচুতে ছিল প্রথম এলিজাবেথের রাজত্বকালে লণ্ডন থিয়েটারের স্থান। সব দেশে সব যুগেই কবি সাহিত্যিক জন্মেছেন: কিন্তু আর কোন দেশ, আর কোন সভ্যতা মুশায়েরার মত কোন কিছু রূপ দিতে পারেনি। সে হিসাবে মুশায়েরার একটা আলাদা স্থান, তার একটা স্বতন্ত্র ঐতিহ্য রয়েছে, পাক ভারত উপমহাদেশের বাইরে যার কোন নজির খুঁজে পাওয়া যাবেনা।

আর চেতনার প্রমাণ পাওয়া যায়। অর্থাৎ লোকেরা দরবারের ওপর অনেকটা আস্থা হারিয়ে ধর্মের দিকে ঝুঁকে পড়ে।

সেই সংগে অন্য যে আন্দোলনটি জোরদার হয়ে ওঠে তা হ'ল উর্দু ভাষার উন্নয়ন ও প্রসার সংক্রান্ত। কোন একটি নতুন ভাষার উৎপত্তি ও তার উন্নয়ন ঐতিহাসিক বিচারে অনেক বেশী অর্থপূর্ণ। এমনকি অতি গুরুত্বপূর্ণ কোন রাজনৈতিক ঘটনার চেয়েও তা বেশী তাৎপর্য্যপূর্ণ। নতুন উর্দু ভাষার উৎপত্তি এবং তার সাহিত্যের উন্নয়ন ভারতবর্ষের মুসলিম সমাজে একটা জাগরনের সৃষ্টি করে। এই ভাষার মাধ্যমেই তারা নিজেদেরকে নতুন করে প্রতিষ্ঠিত করার প্রয়াস পায়। এই ভাষাই মুসলিম সমাজকে আত্মনির্ভরশীল হতে সাহায্য করে। এরই ফলে কথাবার্তা হাবভাব আর চিন্তাধারা প্রকাশের মাধ্যম হিসেবে উর্দুর বহুল প্রচার শুরু হয়। সবচেয়ে বড় কথা দরবার এবং সুফী ও আলেমদের সমর্থন পেয়ে উর্দু ভাষা দ্রুত প্রসার লাভ করে এবং অল্প সময়ের মধ্যেই তা সবচেয়ে জনপ্রিয় ভাষা হিসেবে স্বীকৃতি পায়। বিভিন্ন ভাষাভাষি আর সংস্কৃতির লোকদের মাধ্যমেই ভাবের আদান-প্রদান হতে থাকে। বিশেষ করে অমুসলমান লোকদের সংগে ঘনিষ্ট যোগাযোগ স্থাপনে উর্দু ভাষা গুরুত্বপূর্ণ ভূমিকা পালন করে। শেষ পর্য্যন্ত উর্দু ভাষার গুরুত্ব এতই বেড়ে যায় যে ফারসীর জায়গায় উর্দুর ব্যবহার শুরু হয়। বিভিন্ন আঞ্চলিক সংস্কৃতির মধ্যে একটা মিলন সেতুর কাজ করলেও ফারসীর সংগে উর্দু ভাষার সম্পর্ক ছিন্ন হয়নি। কাজেই যে যুগে এমন দু'টি ক্রমবর্দ্ধমান, সম্প্রসারনশীল ও সুষ্ঠু আন্দোলন দানা বাধে তাকে অবনতি আর অধ:পতনের যুগ বললে ভুল হবে।

এমন এক যুগে উর্দু ভাষার উৎপত্তি ও সাহিত্যের উন্নয়ন হয় যখন ভারতীয় মুসলিম সমাজকে বিবর্তন আর ক্রমবিকাশের কয়েকটি জটিল পর্য্যায়ের মধ্যে দিয়ে এগিয়ে যেতে হয়েছে। যার ফলে উর্দু ভাষা অতি কম সময়ে পূর্ণতা অর্জন করতে সক্ষম হয়।

এখন অবশ্য বোঝা যাচ্ছে যে শুরু থেকেই উর্দু ভাষার এমন সব গুণ ছিল যার মাধ্যমে যে কোন দুরূহ বিষয়ের ব্যাখ্যা করা বা চলতি ভাষা হিসাবে তা

যোগ দিয়ে নিজেদের ভাগ্য ফেরানোর চেষ্টা করে। কেন্দ্র দুর্বল হয়ে পড়লে পর গুণীজ্ঞাণীদের আদর অনেকটা কমে যায় এবং তাদেরকে নতুন করে ভবিষ্যতের চিন্তা করতে হয়।

সমরকন্দ থেকে ভারতবর্ষে আসার পর গালিবের দাদা লাহোরে নওয়াব মইনুল মুলকের দরবারে চাকরী পান। মইনুল মুলকের মৃত্যুর পর তিনি দিল্লীতে বাদশাহের অধীনে চাকরী নেন। সে যুগের রীতি অনুসারে অশ্বারোহী সৈন্যদের খরচ মেটানো এবং নিজের বেতন বাবত তাকে একটি পরগনা দিয়ে দে'য়া হয়। গালিবের বাবা আবদুল্লাহ বেগ অযোধ্যায় আসিফ্‌দ্দৌলার অধীনে চাকরী নেন এবং তার পর কিছু দিনের জন্যে হায়দ্রাবাদে নিজাম আলী খানের দরবারে চাকরী করেন। আগ্রায় তিনি প্রসিদ্ধ জেনারেল খাজা গোলাম হোসেনের মেয়েকে বিয়ে করেন। সেনানায়ক গোলাম হোসেন একজন গন্যমান্য ও প্রভাবশালী নাগরিক ছিলেন। খুব সম্ভবত: গালিবের বাবা ঘর জামাই হিসেবে গোলাম হোসেনের পরিবারেই থাকতেন। পরে তিনি আলওয়ার রাজ্যে চাকরী পান এবং স্থানীয় এক লড়াই-এ প্রাণ হারান। গালিবের চাচা নাসরুল্লাহ বেগ, তার ভাইয়ের তুলনায় অনেক বেশী অবস্থাপন্ন লোক ছিলেন। মারাঠারা তাকে আগ্রার সুবেদার নিযুক্ত করেন। পরে ইংরেজরা যখন আগ্রা দখল করে নেয়, তখন তিনি বৃটিশ সেনাবাহিনীতে রিসালদার নিযুক্ত হ'ন। ইংরেজরা তাকে আজীবন ভোগ করার জন্যে দু'টো পরগনা ছেড়ে দেন। দু'টি পরগনার আয় থেকে তিনি নিজের খরচ এবং সেই সংগে সৈন্যদের খরচ মেটাতে থাকেন। শেষ পর্যন্ত এক দুর্ঘটনায় তিনি মারা যান।

১৭৯৬ সালের ২৭ শে ডিসেম্বর গালিব আগ্রায় তাঁর মামার ঘরে জন্ম গ্রহণ করেন। তাঁর নাম আসাদুল্লাহ খান রাখা হয়। সবাই তাকে মির্জা নওশা বলে ডাকতো। সাহিত্যে তিনি আসাদ নামটি ব্যবহার করতেন। শুরুতে আসাদ লিখে পরে আবার তিনি গালিব নাম ব্যবহার করতে শুরু করেন। তবে পাশাপাশি আসাদ নামও ব্যবহার করতেন। তাঁর বয়স যখন ৫-বছর তখন তাঁর

আকবরাবাদ (আগ্রা)

জাতীয়তার বিচারে গালিব ছিলেন তুর্কী। অষ্টাদশ শতাব্দীর মাঝামাঝি গালিবের দাদা কোকান খান বেগ সমরকন্দ থেকে এই উপমহাদেশে আসেন। সে সময় উপমহাদেশে মুসলিম সমাজের এমনটি এক আকর্ষণ ছিল যে, কোন শিক্ষিত পরিবার বা ব্যক্তি বিশেষ, তা সে ইরাণী বা তুরাণী যাই হোক না কেন, নিজের মনের মত পরিবেশ খুঁজে পেয়েছেন। শিল্প, কলা, সাহিত্য, যুদ্ধ বা অন্য যে কোন বিষয়ে তাদের অভিজ্ঞতা থেকে থাক না কেন, তারা ভাল ভাল চাকরী পেয়েছেন এবং নিজেদেরকে সুপ্রতিষ্ঠিত করেছেন। নিজস্ব পেশায় নিয়োজিত থেকে অর্থ উপার্জনের পথ খুঁজে নিতে তাদের মোটেই বেগ পেতে হয়নি। গালিবের দাদার মাতৃভাষা ছিল তুর্কী। তিনি উর্দু বা ফারসী ভাষা আদৌ জানতেন না। কিন্তু গালিব তার দাদার ভারতবর্ষে আসার ৪০/৫০ বছর পর জন্মেছিলেন। কাজেই তার উর্দু ও ফারসী দু'টো ভাষাই ভালভাবে জানা ছিল। শুধু তাই নয় গালিব, ফারসী ও উর্দু সাহিত্য এবং উপমহাদেশের মুসলিম সংস্কৃতির অবিচ্ছেদ্য অংশ হয়ে দাঁড়ান।

তখন সমগ্র ভারতবর্ষে যে রাজনৈতিক বিশৃংখলা আর অরাজকতা বিরাজ করছিল তার সুযোগ নিয়ে মারাঠা ও ইংরেজরা নিজেদের শক্তি বৃদ্ধি ক'রে চলে। একদিকে মারাঠারা নিজেদেরকে স্বাধীন বলে ঘোষণা করে এবং অন্যদিকে বৃটিশরা একের পর এক বিভিন্ন প্রদেশের ওপর প্রাধান্য বিস্তার করতে থাকে। এই আধিপত্য বজায় রাখার জন্যে তারা সেনাবাহিনী গড়ে তোলে এবং তাতে ভর্তি হয়ে স্থানীয় বহু লোক সৈনিকের পেশা গ্রহণ করে। সে সময় যুদ্ধের কৌশল জানাটা বিরাট যোগ্যতা বলে মনে করা হতো এবং জাতি ধর্ম নির্বিশেষে সবাইকে সৈন্য হিসেবে ভর্তি করে নে'য়া হত। স্থানীয় লোকরাও বিভিন্ন সরকারের সংগে

সংগে গালিবের বিয়ে হয়। নওয়াব ইলাহী বখস ছিলেন ফিরোজপুর থিরকার শাসক এবং লোহারু ষ্টেটের অন্যতম কর্ম্মকর্তা ফখরুদ্দৌলা নওয়াব আহমদ বখসের ছোট ভাই। তারা দিল্লীর এক সম্ভ্রান্ত বংশের লোক ছিলেন। গালিবের দাদার মত তারাও প্রায় একই সময়ে সামারকন্দ থেকে ভারতবর্ষে এসেছিলেন।

নওয়াব আহমদ বখস্ ইংরেজ জেনারেল লর্ড লেকের অধীনে অপূর্ব রনর্নৈপুণ্যের পরিচয় দেন এবং তার এই প্রশংসনীয় কাজের স্বীকৃতি স্বরূপ তাকে খাইওয়াতে ফিরোজপুর থিরকা ষ্টেটটি দে'য়া হয়। পরে এই রাজ্যের সংগে লোহারু যুক্ত করা হয়। বিয়ের অনেক আগে থেকেই লোহারু পরিবারের সংগে গালিবের পরিবারের আত্মীয়তার সম্পর্ক ছিল। কারণ তার চাচা নাসরুল্লাহ বেগ, নওয়াব আহমদ বখস্ ও নওয়াব ইলাহী বখস্-এর বোনকে বিয়ে করেন। নাসরুল্লাহ মারা গেলে ইংরেজরা নওয়াব আহমদ বখসকে তার পরিবারের ভরণপোষনের ভার নিতে নির্দ্দেশ দেয়। মির্জা গালিবও পরিবারের অন্যতম সদস্য হিসেবে নওয়াব আহমদ বখসের তত্বাবধানে থাকেন।

বিয়ের ২/৩ বছর পর গালিব দিল্লীতে চলে আসেন। কয়েক বছর পর্যন্ত তিনি আগ্রায় যাওয়া আসা করতে থাকেন। কারণ গালিবের মা আগ্রায় থাকতেন। তিনি প্রায়ই গালিবকে টাকা পয়সা দিয়ে সাহায্য করতেন। কিন্তু ক্রমে ক্রমে আগ্রার সংগে গালিবের সম্পর্ক ছিন্ন হতে থাকে এবং ১৮১৯ সালে গালিব স্থায়ীভাবে দিল্লীতে বসবাস করতে শুরু করেন।

এককালে মোগল সম্রাজ্যের রাজধানী ছিল আগ্রা, কিন্তু পরে আগ্রা তার সেই গৌরব, তার সেই মহত্ব হারিয়ে ফেলে। সাহিত্য আর সংস্কৃতিক অন্যতম গুরুত্বপূর্ণ কেন্দ্র হিসেবে আগ্রার যে আলাদা একটা স্থান ছিল তা' ক্রমে ক্রমে মুছে যেতে থাকে। মোগল দরবারের দৌলতে, তাদের পৃষ্ঠপোষকতায় আগ্রার যে একটা স্বতন্ত্র পরিবেশ গড়ে উঠেছিল, তা বর্ত্তমান থাকলেও আগের গৌরব আর আকর্ষণ অনেকটা ধুয়ে মুছে যায়। গালিব নিজেই আগ্রার দুরবস্থা বর্ণনা করতে গিয়ে তাকে 'বনবসতিপূর্ণ জনহীন নিষ্প্রাণ শহর' বলে উল্লেখ করেছেন। গালিব যে বংশে জন্মান তার চরিত্রগত

বাবা মারা যান। বাবার মৃত্যুর পর তার চাচা তাকে লালন পালন করেন। গালিবের বয়স যখন ৯-বছর তখন তিনিও মারা যান। কাজেই তার কৈশর নানার বাড়ীতে কাটে এবং সেখানে তিনি যে কেবল আরামে ছিলেন তাই নয় বরং সম্পূর্ণ স্বাধীনভাবে খেলাধুলা করে কাটান।

ঘুড়ি উড়িয়ে, সমবয়সী লোকদের সংগে দাবা খেলে, মাঝে মাঝে কবিতা লিখে, মুশায়েরায় অংশ নিয়ে, মদ খেলে, জুয়া খেলে গালিব সময় কাটিয়েছেন। আসলে অবস্থাপন্ন লোকদের ছেলেমেয়ে যেভাবে আবদার পেয়ে নষ্ট হয়, বলতে গেলে ঠিক সেভাবেই গালিবও বিভিন্ন কুঅভ্যাসের দাস হয়ে পড়েন। তবে সেযুগে সম্ভ্রান্ত লোকদের ছেলেমেয়েরা বাড়ীতেই মাষ্টারের কাছে লেখাপড়া শিখতো। কাজেই গালিবও বাড়ীতেই লেখাপড়া শিখেন। কিছু লোকের মতে গালিব আগ্রার বিশিষ্ট পণ্ডিত শেখ মোহাম্মদ মুয়াজ্জাম এবং বিখ্যাত কবি নাজ আকবরাবাদীর কাছে শিক্ষা পান। গালিব নিজেও একজন শিক্ষকের কাছে লেখাপড়া শেখেন বলে উল্লেখ করেন। সেই শিক্ষক মূলত: ইরাণী ছিলেন এবং তার নাম ছিল হরমুজ। তিনি অগ্নিউপাসক ছিলেন এবং ইসলাম ধর্ম গ্রহণের পর তিনি আব্দুস সামাদ নামে পরিচিত হ'ন। ১৮১০ সালে তিনি পর্যটক হিসেবে আগ্রায় আসেন এবং গালিব তার কাছে দু'বছর পড়াশোনা করেন। গালিব তার সেই শিক্ষকের বর্ণনা দিতে গিয়ে তাকে মোমিন ও সুফী বলে উল্লেখ করেছেন। গালিবের কবিতা থেকে বোঝা যায় তিনি তর্কশাস্ত্র, দর্শন এবং জ্যোতি:শাস্ত্রে বুৎপত্তি অর্জন করেন। তিনি চিকিৎসা বিজ্ঞানেও অন্বেষী পড়াশোনা করেন। আরবী ভাষাতেও তার কিছুটা দখল ছিল। তবে স্বভাবতই ফারসী ভাষার ওপর তার বিরাট দখল ছিল। তার কারণ ফারসী ছিল তার অতি প্রিয় ভাষা এবং এই ভাষাতেই তিনি কবিতা লিখে আনন্দ পেতেন। কাজেই তিনি ফারসী ভাষার ইতিহাস ও তার গুণবৈশিষ্ট্য ভালভাবে রপ্ত করেছিলেন এবং এই জন্যেই ফারসী কবিতার ওপর তার কর্তৃত্ব সবাই স্বীকার করতো। উর্দু ভাষা ও সাহিত্যের ব্যাপারে তিনি যে অগাধ জ্ঞান রাখতেন তার মূলে ছিল তাঁর পরিবেশ—তাঁর পড়াশোনা নয়। মাত্র ১১ বছর বয়সে নওয়াব ইলাহী বখস খান মারুফের মেয়ে উমরাও বেগমের

আমাদের সমাজে কবিতার যে ঐতিহ্য রয়েছে তাতে মুশায়েরা একটা নিয়ম, একটা রীতিতে দাঁড়িয়ে গেছে। শিক্ষক ও ছাত্রের যে সম্পর্ক বর্ত্তমান, ঠিক তেমনি একটা সম্পর্ক রয়েছে সমাজ আর মুশায়েরার মধ্যে। আর একটু ভেঙ্গে বললে বলতে হয় মুর্শেদ ও মুরিদের মধ্যে ধর্ম্মীয় ও অধ্যাত্মিক বিশ্বাসের ক্ষেত্রে যে সম্পর্ক বর্ত্তমান, তেমন একটা সম্পর্ক রয়েছে সমাজ আর মুশায়েরার মধ্যে। কারণ কবিতা কেবল কলাই নয়, একটা বিশ্বাস, একটি ধর্ম্মমত। তার কারণ কয়েকটি ব্যাপারে বিশ্বাস না আনলে, আস্থা না রাখলে কবিতা লেখা যায়না। কবিতা অনেকটা অধ্যাত্মিক বিশ্বাস। কিন্তু গালিবের ব্যাপার কিছুটা স্বতন্ত্র। পদ্য সাহিত্যে প্রবেশ অনেকটা ঝটিকার মত। অনেকটা যেন সৈন্যসামন্ত নিয়ে একটা দেশে ঢুকে পড়ে তা জয় করে ফেলা।

সেনাবাহিনীর জেনারেল, বুদ্ধিজীবী বা সুফী হওয়া যদি তার প্রকৃতি বিরুদ্ধ না হ'ত তাহলে তিনি এর যে কোন একটি ক্ষেত্রে বিরাট কিছু হতে পারতেন: এইসব পেসা তার মেজাদ ও প্রকৃতির অনুকূল নয় বলে তিনি কবিতা রচনায় নিজেকে আত্মনিয়োগ করেন এবং উঁচুদরের কবি হিসেবে নিজেকে প্রতিষ্ঠিত করেন। গালিবের ক্ষেত্রে সবচেয়ে তাৎপর্য্যপূর্ণ বিষয় হ'ল তার কোন কবিতার শিক্ষক ছিলনা। যদিও সে যুগে কবিতার জন্যে গুরু ধরাটা একটা রেওয়াজে দাঁড়িয়ে গিয়েছিল।

গালিবের মতে কবিতা মানেই এমন এক আয়না যার মধ্যে কবিতার অর্থ ফুটে উঠবে। অর্থাৎ মনের ভাব ফুটিয়ে তোলার বিদ্যাটাই হ'ল আয়না আর তাতে যে অর্থ ফুটে উঠবে তাই হ'ল রচিত কবিতা।

সনাতন চিন্তাধারার কবিরা মনে করতেন যে কবিতায় যেসব শব্দ ব্যবহার করা হয় তার সমষ্টিগত অর্থ যা দাঁড়াবে কবিতার অর্থ হবে তাই। তাদের মতে অর্থ বা বক্তব্য নিহিত রেখে কবিতা রচনা করার কোন মানেই হয়না। কিন্তু এ ব্যাপারে গালিবের ধারণা ছিল সম্পূর্ণ আলাদা। তিনি মনে করতেন, অন্তর্নিহিত অর্থটা উদ্ধার করাই হচ্ছে আসল কথা। কারণ নিহিত অর্থ খুঁজতে গিয়েই বাস্তব অনুভূতি, আর তার মনস্তাত্বিক দিকটা আবিষ্কার করা সম্ভব হবে। একটি কবিতার বিভিন্ন অর্থ বের করা যাবে।

বৈশিষ্টের মধ্যে ছিল দু:সাহসিক কাজের প্রতি অনুরাগ, ভোগ বিলাসের প্রতি অনুরক্তি আর যশের আকাঙ্খা। কাজেই মান সন্মান আর যশ পেতে হ'লে আগ্রায় থাকা বৃথা বলে তিনি মনে করতেন। সে সময় দিল্লী ছিল সবকিছুরই প্রাণকেন্দ্র। দিল্লীর নামে যে মধু, যে আকর্ষন ছিল, খুব কম লোকই তা কাটিয়ে উঠতে পারতো। যদিও গালিব আগ্রারই এক সম্ভ্রান্ত পরিবারের ছেলে ছিল এবং তার নানা শহরের বিশিষ্ট নাগরিক বলে পরিগনিত হতেন, কিন্তু গালিবের সংগে সেই পরিবারের বড় একটা ঘনিষ্ঠ সম্পর্ক ছিলনা। আর তা এই অর্থে যে গালিবকে সম্পত্তির উত্তরাধিকারী ধরা হতোনা—তিনি ছিলেন পরিবারের সন্তান। এছাড়া তার আর কোন আদর ছিলনা। কাজেই তার পক্ষে কোন লোভের আশায় আগ্রায় পড়ে থাকার কোন যুক্তি ছিলনা। দ্বিতীয়ত: পরিবারের ধন সম্পত্তিও প্রায় শেষ হতে চলেছিল। সামান্য যা কিছু রয়ে গিয়েছিল তাও বিক্রির তোড়জোর চলছিল।

লোহারু পরিবারের সংগে তার বৈবাহিক সম্পর্ক স্থাপীত হওয়ার পর দিল্লীর সংগে তার সম্পর্ক আরও ঘনিষ্ঠ হয়ে আসে। এইসব কারণেই আগ্রার সংগে গালিবের সম্পর্ক ক্ষীন হয়ে পড়ে এবং দিল্লীকে তিনি স্থায়ী বাসস্থান হিসেবে বেছে নেন।

আগ্রায় থাকতেই গালিব কবিতার প্রতি আসক্ত হয়ে পড়েন। তার বয়স যখন ৯ বছর তখন থেকেই তিনি উর্দুতে কবিতা লিখতে শুরু করেন এবং ১২ বছর বয়সে রীতিমত ফারসীতে কবিতা লিখতে পারতেন। আগ্রায় থাকতেই কবি হিসেবে তার নাম ছড়িয়ে পড়ে এবং কবি হিসেবে স্বীকৃতিও পান। আগ্রার উল্লেখযোগ্য ব্যক্তি আর ঘটনা পত্রীতেও তার নাম ছাপা হয়। গালিব সারা জীবন নিজের সম্পর্কে যে ধারনা পোষন করে গেছেন তা হ'ল তার বন্ধুবান্ধব ও আত্মীয়স্বজন ধনী হ'লেও তিনি নিজে বরাবরই গরীব থেকেছেন আর সেই জন্যেই যশ ও প্রতিপত্তির আকাঙ্খী।

তাই সারা জীবন তিনি মান সন্মান আর প্রতিষ্ঠার পেছনে ছুটেছেন—বিশিষ্ট নাগরিক হিসেবে লোকের শ্রদ্ধা অর্জনের চেষ্টা করেছেন। তার কবিতার চেয়ে তার ব্যক্তিত্বকে ফুটিয়ে তোলার ব্যাপারে তিনি অনেক বেশী সচেষ্ট থেকেছেন।

চাকরী নেন। তাছাড়া বৃটিশরাও স্থানীয় সমাজের সংগে মেলামেশা শুরু করেন। যদিও ১৮৫৭ সালের সিপাহী বিদ্রোহের পর ইংরেজরা নিজেদেরকে সমাজ থেকে বেশ কিছুটা দূরে সরিয়ে রাখে। এ সময় স্থানীয় গন্যমান্য লোকদের সংগে ইংরেজদের ভাল খাতির জমে ওঠে। এর কিছুদিন পর দিল্লী কলেজ স্থাপীত হয়। লোকদের মধ্যে লেখাপড়ার ঝোঁক সৃষ্টি হয়। বহু ছাত্র এই কলেজে ভর্তি হয়ে কলা ও বিজ্ঞানে শিক্ষা নিতে থাকে। এ সময় দিল্লীর বাদশার ক্ষমতা ক্রমে ক্রমে হ্রাস পাচ্ছিল। রেড ফোর্টে দরবার বসে এবং ইষ্ট ইণ্ডিয়া কোম্পানীর হাতে থাকে সরকার পরিচালনার ভার।

দেশের জনসাধারণ হ'ল খোদার অধীন এবং দেশ হ'ল রাজার অধীন এই ভ্রান্ত ধারনা তখনো লোকদের মনে বিদ্যমান ছিল। দরবারের রাজনৈতিক ও প্রশাসনিক তৎপরতা বন্ধ হয়ে গিয়েছিল। তখন দুর্গটি রক্ষা করাই সবচেয়ে বড় সমস্যা হয়ে দেখা দেয়। কারণ এই দুর্গে বাদশার আত্মীয়স্বজন থাকতো। কিন্তু তাহলেও দরবারের আনুষ্ঠানিক শিষ্টাচার ও আদব কায়দা আগের দিনের মতই বর্তমান ছিল। আগে যেখানে রাজনীতি আর প্রশাসনিক কাজকারবার হতো এখন সেখানে সাহিত্য চর্চা হয়, কবিতার আসর বসে।

দেশে শান্তি ও শৃংখলা ফিরে আসায় দিল্লীর প্রাচীন গৌরব আর মর্যাদা আবার ফিরে আসে। হালির বর্ণনা অনুসারে ঘটনাক্রমে সে সময় দিল্লীতে এমন কয়েকজন জ্ঞানীগুনী লোক ছিলেন যাদের সাহিত্য রচনা অনেক সমৃদ্ধ ছিল এবং তাদের সংগে আকবর ও শাহজাহানের সময়কার জ্ঞানীগুনীদের তুলনা চলতে পারে।

দিল্লীর ধর্মীয় শিক্ষা, কবিতা চর্চা, চিকিৎসা ইত্যাদি ও জোতিঃশাস্ত্র এবং অন্যান্য শিল্পকলা ও বিজ্ঞান শিক্ষার সুনাম সারা ভারতবর্ষে ছড়িয়ে পড়েছিল। যদিও অযোধ্যা ও হায়দ্রাবাদের মত স্বাধীন রাজ্যগুলোতে চাকরীবাকরি ও গুণের স্বীকৃতি পাওয়ার সম্ভাবনা অনেক বেশী ছিল কিন্তু তাহলেও দিল্লীর আকর্ষণই আলাদা ছিল। তাই সে সময়ের বিশিষ্ট জ্ঞানীগুণীরা, দার্শনিক আর কবিরা কোন মূল্যেই দিল্লী ছেড়ে যেতে রাজি ছিলেন না।

ব্যক্তিস্বাতন্ত্র্যবাদ বা ব্যক্তিভাবাদের তাগিদেই গালিব বিখ্যাত ফারসী কবি মির্জা বেদিলকে অনুসরণ করেন এবং তারই মন্ত্রে দীক্ষা নিয়ে তারই লেখার অনুকরণে উর্দু কবিতা রচনা করেন। গালিবের প্রথম দিকের রচনায় এই রচনাশৈলী দেখতে পাওয়া যাবে। কিন্তু খুব বেশী দিন তিনি এটা বজায় রাখতে পারেননি।

মৃত শহর দিল্লী

দিল্লী একটি শহরই নয় একটি সভ্যতাও বটে। কারণ ভারতের রাজধানী বলে দিল্লীর একটা আলাদা আকর্ষণ ছিল এবং তারই টানে দূর দূরান্ত থেকে জ্ঞানী গুণীরা দিল্লীতে এসে জড় হ'ন। এই সভ্যতা ক্রমে ক্রমে উপমহাদেশের পূর্ব, পশ্চিম, দক্ষিণ সব অঞ্চলে ছড়িয়ে পড়ে। দিল্লী এমন একটি শহর যার ওপর বারবার হামলা চালানো হয়েছে এবং প্রতিবারই দিল্লী ছোটখাট একটা ধ্বংসস্তূপে পরিণত হয়েছে। কিন্তু মজার কথা বারবারই সে শহর আবার সামলে উঠেছে। নতুন ক'রে আবার গড়ে উঠেছে। মোঘল সাম্রাজ্যের যখন পতন ঘটতে শুরু করে তখন বারবার এই জনপূর্ণ শহরটি লুঠতরাজের শিকার হয়েছে। মীর আর সওদার সময় মারাঠারা লুঠতরাজ ক'রে শহরের কিছুই রাখেনি। মীরের বর্ণনায়, দিল্লীর বিভিন্ন রাজপথ বইয়ের সচিত্র পাতার মত এবং সেখানে তিনি যাদেরই দেখেছেন তাদেরকেই সুন্দর, অপরূপ পেয়েছেন।

বিশ্বের অন্যতম স্মরণীয় আর মনোরম শহর দিল্লীতে কেবল সেরা লোকেরাই বাস করতেন—উচ্চপদস্থ কর্মচারী, দেশের সেরা কবি, দার্শনীক আর চিন্তাবিদদের নিয়েই ছিল দিল্লীর সমাজ। সওদা শহরটিকে প্রেমিকের হৃদয় হিসেবে কল্পনা করেছেন। এটা বিশ্বের এমনই একটা সমুদ্রের বিস্ময়ভরা উপকূল, যেখানে লোক বালি খেয়ে মণিমুক্তা সংগ্রহ করে। লুঠতরাজের ভয়ে মীর এবং সওদা শেষ পর্যন্ত দিল্লী ত্যাগ করতে বাধ্য হ'ন।

মারাঠার পরে আসে ইংরেজ। ইংরেজরা আসার পর পরিস্থিতি অনেকটা শান্ত হয়। বিশিষ্ট নাগরিক আর গন্যমান্য লোকদের অনেকেই বৃটিশের অধীনে

প্রভাবের গোলক ধাঁধায় তিনি নিজেকে হারিয়ে ফেলতেন। ভারতবর্ষের সংগে তার রচনায় এত ঘনিষ্ট সম্পর্ক গড়ে উঠতো না। গালিবের প্রকৃতির একটা উল্লেখযোগ্য দিক হচ্ছে তিনি বেশী মাত্রায় সংবেদনশীল ছিলেন, যে কোন ব্যাপারে তিনি অতি সহজেই অভিভূত হয়ে পড়তেন। গালিবের বন্ধুদের মধ্যে একজনের বিশেষভাবে উল্লেখ করতে হয়। তিনি হলেন মওলানা ফজলে হক খয়রাবাদী। জনাব খয়রাবাদী তাঁর সময়ের সবচেয়ে বড় আলেম ছিলেন। তার সাহিত্যির রুচিও ছিল অতি উন্নতমানের। গালিব তাকে খুবই শ্রদ্ধা করতেন। সে অবস্থা এটা মনে করাই সঙ্গত যে গালিবের রুচিও জনাব খয়রাবাদীর দ্বারা প্রভাবান্বিত হয়। তাছাড়া গালিবের ওপর বেদিলের যে প্রভাব ছিল তা ক্রমে ক্রমে দূর হয়ে যায় এবং তার জায়গায় নাজিরী, উরফী ও জহুরী প্রমুখ বিখ্যাত ফারসী কবির প্রভাব গালিবের রচনায় প্রকাশ পেতে থাকে। আকবরের আমলে এই ৩-জন কবি ছিলেন সাহিত্যের শিরোমনি। তারও অনেক আগের কবি যেমন, সাদী, হাফিজ ও খুসরোর প্রভাব থেকে মুক্ত হয়ে এই ৩-জন কবিকে অনুসরন করা থেকে বোঝা যায় গালিব আগের কবিদের অনুসরন করলেও তাতে তাঁর মন বড় একটা সাড়া দিতনা। যদিও সেইসব কবি ফারসী সাহিত্যের ইতিহাসে এক একজন দিকপাল ছিলেন। গালিব যে কারণে এই ৩-জন কবিকে অনুসরণ করতেন তা'হ'ল এদের রচনা ফারসীতে হলেও সেগুলো সহজ, সরল, সাবলিল হতো এবং তার মাধ্যমে জীবনের সত্যিকার ছবি তুলে ধরা হতো। ভারতবর্ষে যে ধরনের সহজ ফারসী ব্যবহার হয় তারা সেই ফারসীতেই কবিতা রচনা করেছেন।

কবিতা রচনায় বর্ণনাটা বেশী গুরুত্বপূর্ণ না যুক্তিতর্কটা বড় একটা নিয়ে এক সময় ইরাণে একটা আন্দোলন শুরু হয়। আন্দোলনের মাধ্যমে এটা প্রতিষ্ঠিত হয় যে বর্ণনার চেয়ে অনেক বেশী গুরুত্বপূর্ণ হচ্ছে যুক্তি তর্কের অবতারনা—তার অন্তর্নিহিত অর্থ, তার দর্শন। সে যুগের অধিকাংশ কবি সাহিত্যিক এটাই অনুসরণ করতেন। মোঘল আমলে এই আন্দোলন বেশী রকম স্বীকৃতি পায়। নাজিরী, উরফী এবং জহুরীও এই মতেরই অনুসারী ছিলেন।

গালিব যখন দিল্লীতে আসেন তখন তার নাম চারদিকে ছড়িয়ে পড়েছে। কবি হিসেবেই নয় বরং যে পরিবারে তিনি বিয়ে করেন তা ছিল দিল্লীর অন্যতম সম্ভ্রান্ত পরিবার। গালিবের শ্বশুর নওয়াব ইলাহী বখস্ মারুফ ছিলেন ফিরোজপুর ঝিরকার শাসক ফখরুদ্দৌলা নওয়াব আহমদ বখসের ভাই। এই পরিবারের সংগে আত্মীয়তার সম্পর্ক থাকায় গালিব সমাজের সর্বোচ্চ স্তরে উঠা বসার সুযোগ পান এবং সবার সংগে জানাশোনা হয়। এরা সাহিত্যের সমঝদার ছিলেন। সাহিত্যের মর্যাদা তারা বুঝতেন, তাই কবি সাহিত্যেকদের মর্যাদাও তারা দিতেন। উর্দু ভাষা তখন যথেষ্ট প্রসার লাভ করায় কেবল কথ্যই নয় সাহিত্যের ভাষা হিসেবেও তা স্বীকৃতি পায়। তখন এই ভাষাকে টাকশালী উর্দু ভাষা বলা হ'তে।

গালিবের শ্বশুর নওয়াব ইলাহী বখস্ মারুফ জকের শিষ্য ছিলেন। তিনি কবিতায় সরল, সুরুচিসম্পন্ন, আভরণহীন ভাষা ব্যবহারের পক্ষপাতি ছিলেন।

হুসামউদ্দিন খান হায়দার গালিবের একজন অকৃত্রিম গুণমুগ্ধ বন্ধু ছিলেন। হুসামউদ্দিন খান হায়দার ছিলেন মীর তাকি মীর ও মীর মুসতাহসেন খালিকের (মীর আনিসের বাবা) শিষ্য। দু'জনেই উর্দুতে ছন্দময় শব্দ ব্যবহার ক'রে কবিতা রচনায় পারদর্শী ছিলেন।

দিওয়ানে গালিবের হামিদিয়া সংস্করণে গালিবের প্রথমদিকের যেসব রচনা রয়েছে তার ওপর ফারসীর প্রভাব বর্তমান। অন্যদিকে আবার এমন কিছু গজলও রয়েছে যাতে অতি সহজ সরল উর্দু ব্যবহার করা হয়েছে। উর্দুতে এত ছন্দময় শব্দ ব্যবহার হতে পারে তা না পড়লে বিশ্বাস করা মুসকিল। ফারসী প্রভাব থেকে অনেকটা মুক্ত হয়ে তিনি সাবলিল উর্দুতে যেসব গজল লিখেছেন তার মূলে রয়েছে দিল্লী। অর্থাৎ আগ্রা ছেড়ে দিল্লী চলে আসার ফলেই তার পক্ষে এত সহজ সরল উর্দুতে গজল লেখা সম্ভব হয়েছে। কারণ দিল্লীতে এসে তিনি স্থানীয় সমাজের সংগে ঘনিষ্ঠভাবে মেলামেশা করেছেন যার ফলে তার রচনায় এই পরিবর্তন এসেছে। অন্যান্য বিচারেও দিল্লীর পরিবেশ আগ্রার চেয়ে আলাদা ছিল। গালিব যদি শেষ পর্যন্ত আগ্রায় থেকে যেতেন তাহলে উর্দুর ওপর ফারসী

তিনি কবি হিসেবে কত বড় কত মহান ছিলেন তা স্থির করার আগে তার সমগ্র রচনা বিচার করে দেখতে হবে। কিন্তু তাই বলে তিনি ফারসী কবি ছিলেন তা মনে করার কোন কারণ নেই। তিনি মূলত: উর্দু কবি হিসেবেই স্বীকৃতি পেয়েছেন, উর্দু পদ্য সাহিত্যেই তাঁর অবদান অপরিসিম বলে স্বীকার করে নেয়া হয়েছে।

উর্দুর কবি হিসেবে তিনি সরল, অপকট, আন্তরিক। ফারসী কবি হিসেবে তিনি অস্বাভাবিক, কৃত্রিম, অপরিপূর্ণ। ফারসী কবি নয়, উর্দু কবি হিসেবে তিনি অমর হয়ে থাকবেন।

গালিব যখন দিল্লীতে আসেন তখন তার জীবিকার একমাত্র অবলম্বন ছিল পেনশনের সামান্য টাকা। সামান্য এই অর্থে যে গালিব শুরু থেকেই রাজার হালে দিন কাটিয়েছেন। তিনি যখন যা চেয়েছেন তাই পেয়েছেন। সে তুলনায় এই টাকা বলতে গেলে কিছুই না। তার চাচা নসরুল্লাহ বেগের অন্যতম উত্তরাধিকারী হিসেবে গালিব বৃটিশ সরকারের কাছ থেকে এই পেনশন পেতেন। সে যুগের ফ্যাশনই ছিল টাকা ওড়ানো, টাকা জমানো নয়। তখন অবস্থাপন্ন লোকদের এটাই ছিল অন্যতম বৈশিষ্ট। তাই সে সময়ের সম্রান্ত, আর গন্যমান্য লোকেরা দেনায় ডুবে থাকতেন এবং হিন্দু রাজা মহারাজা ও মহাজনরা তাদের এই টাকা ধার দিতেন।

গালিবের দশাও তাই ছিল। একে তার আয় ছিল খুবই সামান্য তার ওপর মহাজনদের কাছ থেকে বহু টাকা ধার নে'য়ায় তার অবস্থা বড় শোচনীয় হয়ে পড়ে। সত্যি মিথ্যা যাই হোক, গালিব মনে করতেন, ফিরোজপুর ঝিরকা স্টেট থেকে তিনি পুরো পেনশন পাননি। পেনশন বাবত যে টাকাটা প্রাপ্য তার চেয়ে অনেক কম টাকা তাকে দে'য়া হত। বিষয়টি ছিল বৃটিশ সরকারের হাতে এবং এ ব্যাপারে তারাই একটা কিছু করতে পারতেন।

সে সময় বৃটিশ সদর দফতর ছিল কোলকাতায়। কাজেই গালিব কোলকাতায় গিয়ে বিষয়টির নিষ্পত্তি করবেন বলে স্থির করেন। ঠিক কোন সময় গালিব দিল্লী

১৮২৫ সালের আগে গালিব বেশীরভাগ উর্দ্দুতেই গজল লেখেন। সে সময় ফারসীতে তিনি গজল প্রায় লেখেননি বললেই চলে। এরপর অবশ্য ২০ বছর পর্যন্ত তিনি একটানা ফারসীতে কবিতা লিখে গেছেন।

গালিবের জন্যে ফারসীতে কবিতা লেখাটা খুবই স্বাভাবিক। কারণ তার মাতৃভাষা ছিল ফারসী। সম্ভবত: এর পেছনে অন্য আরেকটি কারণও ছিল। আর তা হ'ল সে যুগের যত মুসলিম সমাজ ছিল তার মধ্যে ভারতীয় মুসলিম সমাজই বোধকরি একমাত্র মুসলিম সমাজ ছিল যা সবরকম পক্ষপাত ও প্রবণতামুক্ত ছিল। জাতীয় ভাষা, জাতীয় বিষয়বস্তু নিয়ে সাহিত্য রচনা করতে হবে এখন কোন সংকীর্ণতা ভারতীয় মুসলিম সমাজে ছিলনা। ভিন্ন দেশের সংস্কৃতি নিয়ে কোন কিছু রচনা করাটা অমর্য্যাদার কিছুই ছিলনা। আমরা বরাবরই অন্যান্য মুসলিম রাষ্ট্রগুলোর সাহিত্যের প্রশংসা করে এসেছি। তাদের কৃতিত্ব আমরা স্বীকার করেছি। আমরা ফারসীকে বরাবরই উর্দ্দুর ওপরে স্থান দিয়েছি। ঠিক এই কারণেই গালিব হয়তো ভেবে ছিলেন যে ফারসীতে কবিতা রচনা করে উর্দ্দু কবিদের ওপর টেক্কা দে'য়া যাবে। কাজে কাজেই সমসাময়িক উর্দ্দু কবিদের নিষ্প্রভ করার জন্যে তিনি ফারসীতে কবিতা রচনায় আত্মনিয়োগ করেন। এটা ঠিক যে দীর্ঘদিন পর্য্যন্ত গালিব তার ফারসী কবিতার জন্যে মনে গর্ব বোধ করে এসেছেন। শুধু তাই নয় মাঝখানে উর্দ্দু ভাষায় কবিতা রচনা করেছেন বলে তিনি অনেকটা লজ্জিত ছিলেন। তিনি নিজেও তা স্বীকার করেছেন।

উর্দ্দুর তুলনায় ফারসী ভাষা যে অনেক বেশী উৎকৃষ্ট, তা যে অনেক উন্নত ভাষা তাতে সন্দেহ নেই। প্রকৃতপক্ষে ফারসী ভাষা থেকেই আমরা বিনয়, নম্রতা, শালীনতা আর সংযম শিখেছি। অর্থাৎ কবিতায় আমরা সেগুলো প্রয়োগের কৌশল শিখেছি। সে অবস্থায় গালিবের সাহিত্যিক মূল্য বিচার করতে হ'লে তার ফারসী কবিতাও বিচার করে দেখতে হবে। ফারসীতে লেখা তার কবিতা কত সমৃদ্ধ, কতটা উচ্চাঙ্গের তা বিচার না করে তার প্রতিভা সম্পর্কে কোন মন্তব্য করা ঠিক হবেনা।

কিন্তু গালিবের বাস্তব দৃষ্টিতে বাদশার এই গুব আর স্তুতি অতিরঞ্জিত বলে মনে হয়েছে। এভাবে অন্যায় প্রশংসা করা আর দেবতাকে মানুষের পর্য্যায়ে তুলে আনার যে কোন মানে হয়না, গলিব তা ভালভাবেই জানতেন। জেনেও শেষ পর্য্যন্ত বিবেকের অনুশাসন না মেনে তিনি বাদশার প্রশংসায় কাসিদা কেমন করে লিখবেন—তার স্তুতি গাইবেন কেমন করে। যদিও তিনি বেশ জানতেন এটা লিখে তিনি পুরস্কার পাবেন। তাছাড়া এ ধরনের একটা কিছু লেখায় তার হাতও বেশ পাকা। কিন্তু 'কাসিদা' লিখতে গিয়ে একাধিক জায়গায় তিনি তার আথিক অসচ্ছলতার কথা উল্লেখ করেছেন। অর্থের লোভে এই কাসিদা তিনি লিখছেন বটে, কিন্তু বাদশাহর মিথ্যা প্রশংসা তিনি করতে পারবেন না। বিবেকের বিরুদ্ধে তিনি যেতে পারবেন না। প্রথম কথা বাদশাহর সামনে গিয়ে তাকে স্তুতি গাইতে হবে। তার মানেই নিজেকে হেয় করতে হবে। দ্বিতীয় তিনি নিজে এমন এক বংশে জন্মেছেন যারা লোকদের টাকা পয়সা দান ক'রে এসেছেন। গালিব, বৃটিশ কর্মকর্তা এবং ইংল্যাণ্ডের রাণীর প্রশংসায় বহু 'কাসিদা' লিখেছেন। কিন্তু সেখানে গালিবের উদ্দেশ্য ছিল তার মত যারা 'কাসিদা' লেখার বিদ্যায় খুবই পারদর্শী তাদের যথাযোগ্য মর্য্যাদা দে'য়া দরকার এবং তারা যাতে অভাবের মধ্যে দিন না কাটায় তাও নিশ্চিত করা উচিত। এক জায়গায় মওলানা হালি লিখেছেন, "গালিব সারা জীবন কাসিদা লিখেই কাটিয়েছেন এবং অন্যের প্রশংসা ক'রে গেছেন কারণ বেঁচে থাকার জন্যে গালিবকে সবকিছুই করতে হয়েছে।"

কিন্তু মজার কথা গালিবের সেই 'কাসিদা' (বাদশাহর প্রশংসায় যাতে একটি ছাত্রও লেখা হয়নি) গাজিউদ্দিন হায়দারের সামনে পেশই করা হয়নি। এমনকি নবী উজীরের সংগে তিনি দেখা পর্য্যন্ত করেননি। কারণ তার সংগে দেখা করলেই তাকে দক্ষিণা দে'য়ার প্রশ্ন উঠতো। কিন্তু দক্ষিনা দে'য়াটা তার স্বভাবের বিরুদ্ধে ছিল। আগের যুগে হয় দরবেশরা নয় ধনী ও সম্ভ্রান্ত বংশীয় লোকেরা কিম্বা দু'একটি ক্ষেত্রে স্বচ্ছল লোকেরা সময় কাটানোর জন্যে কবিতা লিখতেন ও সাহিত্য চর্চা করতেন। এছাড়া আর যারা কবিতা লিখতেন তারা ছিলেন কবি এবং পেটের জন্যেই তারা তা

থেকে কোলকাতায় যান তা' জানা সম্ভব হয়নি। তবে ১৮২৭ সালের শুরুর দিকে তিনি কোলকাতা যান এবং ১৮৩০ সালে দিল্লীতে ফিরে আসেন। পথে তিনি লক্ষ্ণৌ, কানপুর, বান্দা, বানারস, আজিমাবাদ ইত্যাদি জায়গায় কিছু কিছু সময়ের জন্যে অবস্থান করেন।

লক্ষ্ণৌর তখন সবচেয়ে গৌরবময় দিন। অযোধ্যার নওয়াব ওয়াজির গাজিউদ্দিন হায়দার ইংরেজের নির্দেশে নিজেকে অযোধ্যার বাদশাহ বলে ঘোষণা করেন। তখন গালিব, গাজিউদ্দিন হায়দারের প্রশংসা করে একটি কবিতা (কাসিদা) লেখেন। উদ্দেশ্য গাজিউদ্দিন হায়দার খুশী হয়ে তাকে যে টাকাটা পুরস্কার দেবেন তা দিয়ে তিনি কোলকাতা যাওয়া আসার খরচ মেটাতে পারবেন।

উচ্চাঙ্গ বা উৎকৃষ্ট মানের কবিতা যখন কারও প্রশংসায় লেখা হয় তখন তা হয় কাসিদা। রাজার পদ বা মর্যাদা সম্পর্কে বিশেষ বিন্যাসই হ'য় কাসিদার বিষয়বস্তু। বিন্যাসটা হচ্ছে বিশ্ব ব্রহ্মাণ্ড যাকে কেন্দ্র ক'রে আবর্তিত হচ্ছে তিনি হলেন খোদা। যেমন সূর্য্যকে ঘিরে আবর্তিত হচ্ছে নক্ষত্র মণ্ডল, ধর্মীয় ব্যাপারে নবী ও ইমামদের যে স্থান, ঠিক তেমনি বিশ্বের কেন্দ্র হচ্ছে বাদশাহ, আসলে বাদশাহ হচ্ছে খোদার ছায়া (বাদশাহরা নিজেদের তাই মনে করতেন) এবং বিশ্বের প্রশাসনিক ক্ষমতা বাদশাহের ওপর ন্যাস্ত রয়েছে। দরবারের জাঁকজমক আসলে সেই মনোভাবেরই প্রতিফলন।

এ ধরনের স্তব বা স্তুতির রচয়িতা কল্পনায় বাদশাহকে বিরাট ব্যক্তিত্ব আর নানান গুণের অধিকারী ক'রে তোলেন। কবির কাল্পনিক দরবার, বাস্তব দরবারের চেয়ে অনেক বেশী জাঁকজমকপূর্ণ হয়। বাদশাহ কেবল একটি ব্যক্তিত্বই নয়, একটা প্রতীকও বটে। কাজেই তার রণনৈপুণ্য, তার বীরত্ব আর মহত্ব, তার শক্তি আর মর্য্যাদার উচ্ছ্বসিত প্রশংসা না করে উপায় নেই। কবি না চাইলেও তাকে এ ধরনের স্তুতি গেতে হ'ত। গালিব যদিও মনেপ্রাণে এ ধরনের স্তুতির ঘৃণা করতেন, কিন্তু তবু কেবল পুরস্কারের লোভে স্তুতি গেয়ে যান।

একাধিক বিষয়ে গালিবের মনে দ্বন্দ্ব যে সারাজীবন লেগেই ছিল সে কথা আগেই উল্লেখ করা হয়েছে। একদিকে তিনি ছিলেন স্বাধীন চেতা। মনে যা আসতো তিনি তাই করতে চাইতেন। অন্যদিকে ঐতিহ্যগত বন্ধন, পারিবারিক দায়িত্ব সবকিছুই বজায় রেখে চলতে চাইতেন। কিন্তু আর্থিক অস্বচ্ছলতার দরুন কোন দিকটাই তিনি পুরোপুরি সামলে উঠতে পারেননি। আর সেখানেই বেধেছে বড় সংঘাত। এই সংঘাতই তাকে আত্মীয় স্বজন আর পরিবারের কাছ থেকে দূরে সরিয়ে রেখেছে। তার মনের ইচ্ছা তিনি বিশ্ব ভ্রমণ করবেন, সবকিছু নিজের চোখে দেখবেন। আর তা করতে গিয়েই তিনি চূড়ান্ত অসুবিধা, দুঃখ কষ্ট এমন কি চরম আর্থিক অনটনের সম্মুখিন হয়েছেন।

ভ্রমণের মাঝে তিনি যা কিছু সুন্দর দেখেছেন, মন তার প্রতি আকৃষ্ট হয়েছে। শহর হিসেবে বানারস তার কাছে খুবই ভাল লেগেছে। তিনি এই শহরের বর্ণনা দিতে গিয়ে তাকে সৌন্দর্যময় বেহেস্ত বলে উল্লেখ করেছেন। তার বর্ণনা অনুসারে শহরটি হচ্ছে হিন্দুস্তানের কাবা এবং শহরের অধিবাসীরা, সেখানকার চমৎকার লোকেরা খোদার জ্যোতি। বানারস যেন ঠিক পরির মত, বেহেস্তের মনোরম বাগানে ঘুরে বেড়াচ্ছে, গাছ থেকে ফুল তুলছে, সে ফুল দিয়ে মালা গাঁথছে। কিন্তু দিল্লী তিনি ভুলতে পারেননি। দিল্লীর কথাই আলাদা। তার মতে দিল্লী হচ্ছে প্রাণ আর বাকি বিশ্বটা হচ্ছে তার দেহ।

কাজেই দিল্লীর বন্ধু-বান্ধব আর প্রিয়জনদের তিনি ভুলতে পারেননি। বানারসের মায়া যতই থাক না কেন, দিল্লীকে তিনি প্রাণের চেয়েও বেশী ভাল বেসে ফেলেছেন।

এদিকে তার শুভাকাংখীরা সুখ দুখের মধ্যেও গালিবের পথ চেয়ে বসেছেন, অধীর আগ্রহে অপেক্ষা করছেন গালিবের এই ভ্রমণের ফলাফল কি হয় তা জানার জন্যে।

গালিব শেষ পর্যন্ত বানারসের মায়া কাটিয়ে কোলকাতা রওয়ানা হ'ন। উদ্দেশ্য পেনশনের ব্যাপারটা নিষ্পত্তি করা।

করতেন। কাজেই পেশাদার কবিদের পদে পদে রাজা বাদশাহ আর গন্যমান্য লোকদের সাহায্য ও সহানুভূতির দরকার হতো। নায়েব উজীর গালিবকে এই তৃতীয় শ্রেণীর পেশাদার কবির দলে ফেলেন। গালিব চাইতেন তাকে সম্ভ্রান্ত লোকদের দলে রাখা হোক। তিনি কবি হলেও সম্ভ্রান্ত বংশীয় কবি। গালিব বলতে গেলে সারা জীবনই এই দ্বন্দ্বে ভুগেছেন। গালিব সর্বজনস্বীকৃত কবি হয়েও উচ্চ মর্যাদার আসনে বসতে পারেননি। বড় লোকদের মত ভোগবিলাসে জীবন কাটাতে পারেননি। তিনি চাইতেন লোকে তাকে কবি নয়, গন্যমান্য ব্যক্তি হিসেবেই গ্রহণ করুক। ১৮৪৭ সালে জেলে যাওয়ার পর থেকে তার মনে এমন একটা ধারনার সৃষ্টি হয় যে তিনি পীর বা কাসিদার রচয়িতা বা শিক্ষক ছাড়া আর কিছুই হতে পারবেন না।

মনে হয় লক্ষ্ণৌর জাকজমক, ফূর্তি আর উল্লাস গালিবের মনকে আকৃষ্ট করতে পারেনি। তার ব্যক্তিগত ব্যর্থতাই হোক বা অন্য কোন কারণই হোক তিনি এটা অনুভব করলেন যে সরকারী কাজে আগের মত সেই আন্তরিকতা নেই এবং ঘোর কুশাসন বিরাজ করছে। তিনি নিজেই এক জায়গায় আক্ষেপ ক'রে বলেছেন, 'দরবারেরই যখন এই দশা তখন আমার মনের ইচ্ছা প্রকাশ না করাই ভাল।' তবে এই ভ্রমণের (কোলকাতা যাওয়ার পথে) ফলে কয়েকজন বিশিষ্ট নাগরিকের সংগে তার পরিচয় হয় এবং তিনি তাদের সংগে চিঠিপত্রের মাধ্যমে যোগাযোগ রক্ষা করতে থাকেন। এদের মধ্যে একজনের নাম বিশেষভাবে উল্লেখ করতে হয়। তিনি হলেন লক্ষ্ণৌর নামকরা কবি শেখ ইমাম বখশ নাসিক।

উর্দু কবিতা ও সাহিত্যের পাদপীঠ হিসেবে দিল্লীর পরই লক্ষ্ণৌর নাম করতে হয়। নাসিক ছিলেন তদানিন্তন সাহিত্যিক সমাজের শিরোমনি। নাসিকের সংস্পর্শে এসে গালিব উর্দু ভাষা ও সাহিত্যের উন্নয়ন সংক্রান্ত বিভিন্ন তৎপরতার কথা জানার ও বোঝার সুযোগ পান। সে সময় লক্ষ্ণৌতে গজল লেখার নতুন ধারা আর স্টাইলের ওপর পরীক্ষা নিরীক্ষা চালানো হচ্ছিল এবং নাসিক ছিলেন সে আন্দোলনের পুরোধা।

যাহোক গালিব তার পেনশনের ব্যাপারে যথেষ্ট আশাবাদী ছিলেন। কিন্তু কোলকাতায় গিয়ে তাকে নিরাশ হতে হয়। ব্যাপারটা তদবির করতে গিয়ে তাকে বেশ কিছুদিন কোলকাতায় থাকতে হ'ল। পরে তার পেনশনের বিষয়টি নিষ্পত্তির জন্যে কাগজপত্র দিল্লীতে পাঠিয়ে দে'য়া হ'ল। কাজেই গালিবও দিল্লী ফিরে এলেন এবং তদবির শুরু করলেন। কিন্তু শেষ পর্যন্ত দিল্লীতেও তাকে নিরাশ হতে হয়। তিনি ইংল্যাণ্ডে আপীল করলেন কিন্তু লাভ কিছুই হলোনা। মাসে মাসে তিনি সেই ৬২ টাকা ৮ আনা করেই পেনশন পেতে থাকেন। তবে পার্থক্য শুধু এই ছিল যে ফিরোজপুর ঝিরকা ষ্টেট বৃটিশরা নিজেদের হাতে নিয়ে নে'য়ার দিল্লীর কলেক্টরেট অফিস থেকে তাকে পেনশনের টাকা দে'য়া হতো। গালিব খেদ করে বলেছেন, "এ যুগে মানুষের সব কিছুতেই ভয় পাওয়া ভাল। অর্থাৎ ভয় ভীতি না থাকলে পদে পদে বিপদের সম্ভাবনা। লণ্ডনবাসী এইসব লোকদের (ইংরেজ) হৃদয় বলে একটা জিনিষ ঠিকই রয়েছে কিন্তু তা পাথরের তৈরী। তাদের কাছ থেকে কোন ব্যাপারে ন্যায় বিচার আশা করাটা ঠিক যেন নিজের মাথা পাথরে ঠোকা। অর্থাৎ মাথা ঠুকে মরে গেলেও ইংরেজদের কাছ থেকে সুবিচার পাওয়ার কোন আশা নেই।"

সে সময় ইংরেজের প্রভাবে রাজা রামমোহন রায় হিন্দু বাঙ্গালীদের মধ্যে একটা আন্দোলন শুরু করেন। বাংলা ভাষা আর চিন্তাধারার বড় রকমের সংস্কার আর এবং তাতে নতুন ক'রে প্রাণ সঞ্চারই ছিল সেই আন্দোলনের উদ্দেশ্য। কিন্তু এই আন্দোলনের সংগে গালিবের কোন যোগাযোগ ছিলনা। গভর্ণর জেনারেল লর্ড ওয়ারেন হেষ্টিংস্ সে সময় ফোর্ট উইলিয়াম কলেজ স্থাপন করেন—যেখানে একদিকে হিন্দি ভাষা নতুন করে আবার গড়ে তোলার চেষ্টা শুরু হয় এবং অন্যদিকে ইংরেজি বই সহজ সরল উর্দুতে অনুবাদ করে তা ছাপার তোড়জোর শুরু হয়। উর্দু গদ্য সাহিত্যের উন্নতকল্পে ফোর্ট উইলিয়াম কলেজ যে ভূমিকা পালন করেন, তা কারও অজানা নেই। গালিব নিজেও এই আন্দোলনে অবিভূত হ'ন। আন্দোলনের প্রভাব তার মনকেও আন্দোলিত করে।

কাহিনীতে লেখা গালিবের চিঠির সংগে তার উর্দু চিঠিগুলো তুলনা করলে বিরাট পার্থক্য দেখতে পাওয়া যায়।

কোলকাতা একটি বিশ্ব, একটি বিস্ময়—সব শহর থেকে আলাদা, সম্পূর্ণ স্বতন্ত্র। কোলকাতা এমনি এক ভূখণ্ড যেখানে আপনি বিশ্বের প্রতিটি দেশের লোক দেখতে পাবেন। শিল্প, সাহিত্য, দর্শন বা বিজ্ঞান যাই বলুন না কেন এমন কোন পেশা নেই, এমন কোন বিষয় নেই যাতে পারদর্শী লোক কোলকাতায় এসে জড় হয়নি। শিক্ষিত লোক, জ্ঞানী আর গুনীরা কোলকাতায় অনেক কিছুই করতে পারেন—পারেন অসম্ভবকে সম্ভব করতে। কোলকাতার বাজারে সবকিছুই পানির দরে বিকোয়। গালিবের যদি কোন পরিবার না থাকতো তাহলে হয়তো তিনি চিরদিনের মত কোলকাতায় থেকে যেতেন। কোলকাতার প্রাণ চাঞ্চল্য, তার জৌলুস, তার জাঁকজমক, চিরসবুজ পার্ক আর বাগান, সুশ্রী মহিলা, ফলমূল আর মদের প্রাচুর্য্য সবকিছুই গালিবকে অভিভূত করে। বহুদিন পর্য্যন্ত গালিব কোলকাতার সেই রূপ ভুলতে পারেননি। কোলকাতায় তিনি দেখেছেন সেযুগের রেল ব্যবস্থা, দেখেছেন ডাক ব্যবস্থা, জেনেছেন কেমন ক'রে টেলিগ্রাম পাঠানো হয়, সমুদ্রে জাহাজ ভাসতে দেখেছেন। দিল্লীর মৃতপ্রায় সংস্কৃতি, লক্ষ্ণৌর প্রাচীন প্রাণহীন সমাজ আর তার কৃষ্টির জায়গায় এক নতুন সভ্যতা তিনি গড়ে উঠতে দেখেছেন। সে সভ্যতা তার কাছে সুন্দর আর জাঁকজমকপূর্ণ বলে মনে হয়েছে। এই সভ্যতার পাশে আগের যতসব প্রথা আর রীতিনীতি বৃথা বলে তার মনে হয়েছে। ইতিহাসের ঘাতপ্রতিঘাতপূর্ণ সেই যুগে গালিব চারদিকের অবস্থা যতটা ভালভাবে বুঝতে পেরেছিলেন, ততটা বোধকরি আর কেউ পারেননি। ১৮৫৭ সালে সিপাহী বিদ্রোহে যারা ইংরেজের বিরুদ্ধে অস্ত্র ধারন করেছিলো তাদের তুলনায় গালিব পরিস্থিতি অনেক ভালভাবে হৃদয়ঙ্গম করতে পেরেছিলেন।

তিনি এটা বুঝতে পেরেছিলেন যে এই দ্বন্দ্ব আর সংঘাত আসলে ইংরেজ ও ভারতীয়দের মধ্যে নয়, দ্বন্দ্বের মূলে রয়েছে অতীত আর ভবিষ্যতের সংঘাত। কারণ কিছু লোকের অতীত ছিল সবচেয়ে প্রিয়, তাদের মতে সেটা ছিল স্বর্ণময় যুগ। বাকিরা মনে করতেন ভবিষ্যত হচ্ছে মঙ্গলজনক। আগামীতে যা কিছু সামনে আসবে তাকে বরণ ক'রে নে'য়াই বুদ্ধিমানের কাজ।

গাড়তে পারেনা। আর এই কারণেই ভারতবর্ষে ফারসী ভাষা প্রসার লাভ করতে পারেনি। তাছাড়া ইচ্ছেমত ফারসী শব্দকে ভেঙ্গে চুড়ে সহজ করার কোন উপায়ও ছিলনা। ফারসী ভাষার মৌলিকতা বজায় না রেখে কোন নতুন ষ্টাইলে ফারসীতে কোন কিছু রচনা করা সম্পূর্ণ নিষিদ্ধ ছিল। লিখলেও তা কেউ মেনে নিতে রাজি ছিলনা। কাজেই এত কড়াকড়ির মধ্যে কোন ভাষাই প্রসার লাভ করতে পারেনা। জনপ্রিয় হওয়া তো দূরের কথা। ভারতবর্ষের সংগে ইরাণের সম্পর্ক যখন অনেকটা দুর্বল হয়ে পড়ে তখন লোকে স্থানীয় পণ্ডিতদের সংকলিত শব্দকোষ এবং কবি-দেরকে ফারসী ভাষার ব্যাপারে কর্তৃত্ব বলে মনে করতে শুরু করেন। যদিও কবিদের মধ্যে তখন অনেকেই হিন্দু ছিলেন বা নবদীক্ষিত মুসলমান ছিলেন।

এ ক্ষেত্রে মাতৃভাষা ফারসী হওয়া সত্বেও গালিবকেও বাছ বিচার করে ফারসীতে কবিতা লিখতে হ'ত। ফারসীতে এত দখল থাকা সত্বেও কোন কর্তৃত্ব খাটানোর সাহস গালিবের ছিলনা। তবে তার যুক্তি ছিল তাকে অন্তত: ফারসীর পণ্ডিত বলে ধরা হোক। তার বক্তব্য ছিল, যাদের মাতৃভাষা ফারসী নয় তাদেরকে এই ভাষার ব্যাপারে কর্তৃত্ব মেনে নেয়া যেতে পারেনা। তাদের রায় গ্রহণযোগ্য নয় এবং পুরোপুরি নির্ভরও করা যায়না।

এ ব্যাপারে দিল্লীর পরিস্থিতি আর পরিবেশ অনেকটা আলাদা ছিল। গালিবের ওপরে বেদিলের যে প্রভাব ছিল দিল্লী এসে সে প্রভাব কেটে যায়। তিনি নতুন ষ্টাইল আর পদ্ধতিতে ফারসী রচনা শুরু করেন।

কোলকাতার ভাষা বিশেষজ্ঞরা ভারতীয় ফারসী কবিদের অনুসরণ করে চলতেন এবং বিভিন্ন শব্দের অর্থ ও প্রয়োগ নিয়ে জোর তর্ক বিতর্ক চলতো।

কোলকাতায় গালিব এক সিমপোজিয়ামে একটা ফারসী গজল পড়ে শোনালে কিছু লোক একটি শব্দ ব্যবহারের আপত্তি জানায়। এ প্রসঙ্গে তারা ফারসী গদ্য সাহিত্যের উদ্ধৃতি দিয়ে তা ভুল প্রমাণ করে। সেই সংগে ফারসী কবি কাতিলেরও উদ্ধৃতি দে'য়া হয়। কিন্তু গালিব এইসব ফারসী পণ্ডিতদের বড় একটা মানতেন

তখনকার চিঠি লেখার পদ্ধতি অনুসারে শিষ্টাচার আর লৌকিকতার বালাই এতই বেশী ছিল যে চিঠির শেষে তার ব্যাখ্যা লিখে দিতে হ'ত। তখনকার দিনে ফারসীতে এটাই ছিল চিঠি লেখার নিয়ম। অথচ সে তুলনায় গালিবের উর্দু চিঠিগুলো ছিল অনবদ্য সৃষ্টি। সে সব চিঠির অবাধ ভাব প্রকাশ, শব্দের সুন্দর গাঁথুনী, সহজ ও সরাসরিভাবে বক্তব্য প্রকাশ, কৌতুক আর বিদ্রূপ উপহাস এবং সেই সংগে অবাধিক সরলতা আর গাম্ভীর্য এবং সবার ওপরে পরিপূর্ণতার দিকথেকে অতুলনীয়। গালিবের অনুকরণে চিঠি লেখার একাধিক চেষ্টা ক'রে দেখা হয়েছে, কিন্তু গালিবের ষ্টাইলে চিঠি লেখা আর কারও পক্ষে সম্ভব হয়নি। গালিবের প্রতিটি চিঠিই এক একটি কীর্তি এবং উর্দু গদ্য সাহিত্যের উন্নয়নে এইসব চিঠি গুরুত্বপূর্ণ ভূমিকা পালন করেছে।

গালিব কোলকাতা থেকে ফিরে আসার পর এইসব চিঠি লেখেন বলে এমনটি অনুমান করা যেতে পারে যে ফোর্ট উইলিয়াম কলেজের উর্দু গদ্য সাহিত্যের পরিবেশ থেকে তিনি প্রভাবান্বিত হয়েই সহজ সরল চিঠি লেখার এই উদ্যোগ নেন। এই ফোর্ট উইলিয়াম কলেজেই প্রাচ্যদেশীয় বিভিন্ন বিষয়ের ওপর বই লেখার কাজ শুরু হয় এবং তার জন্যে বহু জ্ঞানী গুনী কোলকাতায় জড় হ'ন। এ ব্যাপারে প্রতি মাসেই ফারসী কবিতার ওপর একটি ক'রে সিমপোজিয়াম অনুষ্ঠিত হতো। ফারসী কবিতার ব্যাপারে গালিব ছিলেন সবচেয়ে অভিজ্ঞ ব্যক্তি। কিন্তু যে মুহূর্তেই গালিব এ বিষয়ে সক্রিয় উদ্যোগ নিলেন তখনই শুরু হ'ল সংঘর্ষ। কয়েক শতাব্দী ধরে ফারসী ছিল ভারতীয় মুসলিম সমাজের সাহিত্য, বিজ্ঞান, সমাজ আর ভাবের আদান প্রদানের ভাষা। কিন্তু এ ব্যাপারে কেবল তাঁদেরই কর্তৃত্ব মেনে নেয়া হ'ত যাদের মাতৃভাষা ছিল ফারসী। সরকারী কাজ পরিচালনার জন্যে উর্দু ভাষা ব্যবহার করা হতো। তাই উর্দু ভাষা দিন দিন উন্নতির পথে এগিয়ে যেতে থাকে।

কোন ভাষা যখন জীবনের প্রতিটি স্তরে ব্যবহৃত হয়না, লোকে মনের ভাব প্রকাশ করার জন্যে যখন সে ভাষার সাহায্যে নেয়না তখন সে ভাষা শেকড়ও

গালিবের আত্মসচেতনার একটা উল্লেখযোগ্য দিক ছিল তিনি নিজেকে সব সময় বিদেশী মনে করতেন। তিনি অনেক কিছু বলতে চাইতেন, কিন্তু শোনার লোক ছিলনা। তাকে খুব কম লোকই বুঝতে চেয়েছেন। ভারতবর্ষের বিভিন্ন জায়গায় ভ্রমন ক'রে তিনি অনেক কিছুই দেখেছেন যার ফলে তার জ্ঞানের পরিধিও অনেক বেড়েছে। কিন্তু তা সত্ত্বেও তিনি নিজেকে বিদেশী ছাড়া আর কিছুই ভাবতে পারেননি।

মনের এই অনুভতি আর দ্বন্দ্ব তাকে সমাজ থেকে অনেকটা আলাদা করে রাখে। তিনি বিশ্বকে যেভাবে কল্পনা করেছেন, তা এই মন নিয়েই করেছেন। তাই গালিবের কবিতায় এই অনুভূতি আর বোধ ততটাই প্রাধান্য পেয়েছে যতটা পেয়েছে তার আগের কবিদের লেখায়।

গালিব কোলকাতা থেকে দিল্লী আসার পর চূড়ান্ত আর্থিক অনটন দেখা দেয়। ১৮২৬ সালে পেনশন নিয়ে ঝগড়া বাধে আর তা ১৮৪৪ সাল পর্যন্ত অমিমাংসিত অবস্থায় পড়ে থাকে। এই সময়ের মধ্যে গালিব একের পর এক 'কাসিদা' লিখে গেছেন কিন্তু বিনিময়ে আর্থিক কোন লাভই হয়নি। তা সত্ত্বেও তিনি ভেবেছিলেন যে আগের দিনের রাজা বাদশাহর মত হয়তো ইংরেজ সরকারও জ্ঞানীগুনীদের পেনশন দিয়ে বা অন্যভাবে পুরস্কৃত করবেন। কিন্তু সময় যে পাল্টে গেছে তা তিনি ভাবেন নি। ছোটকাল থেকে রাজার হালে থেকে তিনি ব্যয়সঙ্কোচ করতে শেখেন নি। দ্বিতীয়তঃ ছোটকাল থেকেই তার মদ খাওয়ার অভ্যাস জন্মে যায়। কাজেই ঋণের বোঝাও দিন দিন বাড়তেই থাকে। গালিবকে যারা টাকা ধার দিয়েছিলেন তারা গালিবের নামে ডিক্রী বের করলে তিনি ঘরে আত্মগোপন করে থাকেন। তখনকার দিনে নিয়ম ছিল ঘরের ভেতরে গিয়ে গ্রেফতার করা চলবেনা। কাজেই ঘর থেকে বেরোতে না পেরে গালিব কবিতা রচনায় আত্মনিয়োগ করেন। সে যুগে ঘনঘন ফারসী ও উর্দুর ওপর সিমপোজিয়াম অনুষ্ঠিত হ'ত। সেই প্রসঙ্গে গালিব এক ফারসী শ্লোকে বলেন ভারতবর্ষে কাল ভাল কবি রয়েছেন যাদের শ্বাসপ্রশ্বাস বাতাসকে আমোদিত করে তোলে। এদের মধ্যে তিনি মোমিন, নাসার, যেহবাই, আজুর্দা, হাসরাত, আসরফ এবং আজুরদার নাম উল্লেখ করেন।

না এবং তাদের কর্তৃত্বও স্বীকার করতেন না। তাদের চেয়ে শিক্ষা দীক্ষায় কম হ'লেও গুণ আর মেধার দিক থেকে গালিব অনেক বেশী মার্জিত আর পরিপক্ক। ক্রমে ক্রমে এই বিবাদ আর মতভেদ মারাত্মক হয়ে ওঠে। তখন গালিব ফারসীতে একটি মসনবি লেখেন। এতে তিনি আনুষ্ঠানিকভাবে গুরুত্ব আপত্তি, আত্মরক্ষা, সমালোচনা এবং ব্যঙ্গোক্তি করেছেন। কিন্তু এটা করেই তিনি ক্ষান্ত হননি। বেশ কিছুদিন পর সিপাহী বিদ্রোহের সময় গালিব যখন অনেকটা নিঃসঙ্গ জীবন কাটাচ্ছিলেন তখন তিনি বিষয়টি নিয়ে আবার উঠে পড়ে লাগেন।

যে ভারতীয় পণ্ডিতরা ফারসী শব্দকোষ সংকলন করেন, তিনি তাদের সংগে সম্মুখ যুদ্ধে অবতীর্ণ হওয়ার প্রস্তুতি নেন। 'বুরহান-এ-কাতে' ফারসী ভাষায় একটি প্রসিদ্ধ শব্দকোষ এবং আজও ইরাণে শব্দকোষটি ব্যবহৃত হয়। যিনি এই শব্দকোষটি সংকলন করেন তার নাম মোহাম্মদ হুসেন তাবরেজি। কিন্তু তিনি ভারতবর্ষে জন্মে ছিলেন এবং সারা জীবন দাক্ষিনাত্য হায়দ্রাবাদে থেকেছেন। গালিবের যুক্তি হচ্ছে, যেহেতু তিনি দাক্ষিণাত্যের লোক কাজেই ফারসীর ওপর তার কর্তৃত্ব মেনে নেয়া যায়না।

১৮৬০ সালে গালিব একটি পুস্তিকা প্রকাশ করেন যাতে বুরহানের বিভিন্ন ভুলত্রুটির উল্লেখ করা হয়। তিনি তার পুস্তিকার নাম দেন 'কা'তে বোরহান'।

পুস্তিকাটি প্রকাশের সাথে সাথে চারিদিকে সাড়া পড়ে যায় এবং সবাই তার বিরুদ্ধে অসন্তোষ প্রকাশ করতে থাকে। এই পুস্তিকার বিরুদ্ধে অনেক বই লেখা হয় যার মধ্যে ঢাকার বিখ্যাত ফারসী আলেম আগাহ আহমদ আলীর নাম বিশেষ-ভাবে উল্লেখযোগ্য। গালিব একে একে সব অভিযোগের উত্তর দেন। গালিব এ ব্যাপারে রীতিমত মাথা ঘামিয়েছেন এবং শব্দকোষের যেসব দোষত্রুটি বের করেছেন তার অনেক গুলোই সত্যি। কিন্তু যেভাবে এই বিতর্ক আর বিবাদের সূত্রপাত হয় এবং সব আলেমরা তাতে জড়িয়ে পড়েন তা সত্যিই দুঃখজনক। এ ধরনের একটি অপ্রীতিকর ব্যাপার নিয়ে গালিবের সমর্থক ও প্রতিপক্ষ কারও গর্ব করার কিছু নেই। বোধকরি সে যুগে এটাই নিয়ম ছিল।

প্রাণে কোনদিনই বাদশাহর স্তুতি গাননি। বরং এটাও হতে পারে পরিষদদের চক্রান্তে তিনি বাদশাহর সহানুভূতি থেকে বঞ্চিত হয়েছেন। এমনও হতে পারে যে সবাই বাদশাহর ওস্তাদ জককে গজল ও 'কাসিদার' শ্রেষ্ঠ রচয়িতা বলে মেনে নিলেও গালিব তা স্বীকার করতেন না এবং সবাই সে কথা জানতেনও। কাজেই সে অবস্থায় বাদশাহর সমর্থন বা সহানুভূতি পাবেন না জেনেই তিনি কোন উদ্যোগ নেননি।

জক কোন উচ্চ বংশে জন্মাননি। গালিব যে 'কাসিদা' লেখেন তাতে তিনি খোলাখুলী তীব্র ভাষায় জকের সমালোচনা করেছেন। কিম্বা এও হতে পারে যে গালিব জকের নীচে কম মর্যাদাসম্পন্ন কোন পদে চাকরী করতে চাননি। তবু শেষ পর্যন্ত অবস্থার চাপে পড়ে তিনি সেই দরবারেই বার্ষিক ৬-শো টাকা বেতনে তৈমুর বংশীয় বাদশাহদের ইতিহাস লেখার চাকরী নেন। তিনি এই চাকরীকে খোদার দান বলে মেনে নেন। ক্রমে ক্রমে বাদশাহর আয় ও ধনসম্পত্তি কমতে শুরু করে তখন বাদশাহ টাকার বদলে লম্বা লম্বা খেতাব বিতরণ করতে শুরু করেন। এমনি করে তার উপাধী হয় "নাজমুদ্দৌলা, দবিরুল মুল্ক, নিজাম জঙ্গ"।

১৮৫৪ সালে জক মারা যাওয়ার পর বাদশাহ গালিবকে দিয়ে জকের রচনার বিভিন্ন ভুলত্রুটি দূর করিয়ে নেন। ১৯৫৭ সালে সিপাহী বিদ্রোহ শুরু হ'লে সেই ব্যবস্থার অবসান ঘটে।

ইংরেজরা ধীরে ধীরে দিল্লীর বাদশাহর সব ক্ষমতা নিজেদের হাতে নিতে শুরু করে। তারা সিদ্ধান্ত নেয় যে বাহাদুর শাহ জাফরই হবেন তৈমুর বংশের শেষ বাদশাহ। বাদশাহ যদিও শেষ দিন পর্যন্ত তার সাধ্যমত শিল্প, কলা, সাহিত্যকে সবরকম সাহায্য ও সমর্থন দিয়ে গেছেন। এর বেশী আর তিনি কি বা পারতেন। তবে ছোটখাট স্বাধীন রাজ্যগুলো তখনো সাহিত্যিকদের অনুপ্রেরণা দিয়ে চলেছে এবং আর্থিক সাহায্যও দিয়েছে। কিন্তু ১৮৫৭ সালে বিদ্রোহের পর দিল্লীর মুসলিম সমাজের অপমৃত্যু ঘটে এবং কবি দার্শনিক আর জ্ঞানীগুণীরা তখন স্বাধীন রাজ্যগুলোতে গিয়ে আশ্রয় নে'ন। কিন্তু গালিব দিল্লী ত্যাগ করেননি এবং বিশেষ করে রামপুর নবাবের

এ সময় জাহাঙ্গীরাবাদের (ঢাকা) নওয়াব মুস্তফা খানের সংগে গালিবের বন্ধুত্ব গড়ে ওঠে। তিনি ধর্মভীরু সাংসারিক লোক ছিলেন এবং সাহিত্যের বড় সমঝদার ছিলেন। তার সংগে গালিব কয়েকটি সিমপোজিয়ামের অংশ নেন। গালিব তখন ফারসী কবিতার চেয়ে উর্দু গজল লেখার ওপর বেশী জোর দেন।

১৮৪৭ সালে এক দুর্ঘটনায় গালিবের সব সাধ সব স্বপ্ন ভেঙ্গে চুরমার হয়ে যায়। জুয়ার অভিযোগে তাকে গ্রেফতার করা হয় এবং ৬-মাসের জেল দে'য়া হয়। তার ব্যক্তিগত মর্য্যাদা বা বাদশাহর সুপারিশ কোন কিছুই তাকে এই লাঞ্ছনার হাত থেকে বাঁচাতে পারেনি।

গালিবের সেই দুদিনে তার আত্মীয়স্বজন বা বন্ধুবান্ধব কেউ তার সাহায্য এগোয় নি। একমাত্র নওয়াব মুস্তফা খান ছিলেন এর ব্যতিক্রম। ৩ মাস পর তিনি জেল থেকে ছাড়া পান এবং এর পর থেকে তার মনে আর কোন দ্বন্দ্ব থাকেনা। কারণ তিনি অনুভব করলেন যে লোকের দৃষ্টিতে তিনি ছোট হয়ে গেছেন। এর কিছুদিন পর গালিব বন্ধুদের সহায়তায় দরবারে উপস্থিত হ'ন। এর আগে অবশ্য তিনি বহুবার 'কাসিদা' লেখেন এবং দরবার থেকে 'খালাত' পান। কিন্তু দরবারের সংগে সরাসরি কোন সম্পর্ক ছিলনা। যদিও কাসিদায় তিনি বারবার তার ইচ্ছার কথা উল্লেখ করেছেন। গাবিবের দরবারে যাওয়ার পেছনে দু'টি কারণ থাকতে পারে। এক পেনশনের টাকা বাড়তে পারে এই জন্যেই তিনি চাকরী নেয়ার প্রয়োজনীয়তা এত প্রকটভাবে অনুভব করেন। দ্বিতীয়ত: ইংরেজের কাছ থেকে পেনশন নেন বলে হয়তো বাদশাহর মনে করতে পারেন যে তার আনুগত্যের অভাব রয়েছে। আসলে শেখ ইব্রাহিম জকের বাদশাহর প্রতি যে আন্তরিকতা আর বিশ্বাস ছিল, গালিবের তা ছিলনা। দ্বিতীয়ত: বাদশাহর জন্যে গালিবের মনে সে শ্রদ্ধাও ছিলনা যে শ্রদ্ধা ছিল জকের মনে। বাদশাহর প্রতি আনুগত্য ছিল জকের বিশ্বাস। এমন কি নামাজেও তিনি বাদশাহর কথা স্মরণ করতেন। কিন্তু গালিব যে রাজার সংস্পর্শে আসতে চেয়েছেন তার পেছনে ছিল আর্থিক স্বচ্ছলতার লোভ। বাদশাহকে সম্মান দেখানোর প্রশ্নে গালিব বরাবরই উদ্ধতভাব প্রকাশ করে এসেছেন এবং মনে-

(২) বিদ্রোহের রাজনৈতিক দিকটা ছাড়াও উভয় পক্ষের সৈন্যরা যে অমানুষিক বর্বরতার আশ্রয় নেয় তা দেখে গালিব মর্মহত হ'ন। গালিবের 'দাস্তানবু'-তে শুরু থেকে শেষ পর্যন্ত সব চিঠিতে বৃটিশ আর মুসলমান মহিলা, শিশুদের হত্যা, নির্যাতন, শহর থেকে উৎখাত, লুঠতরাজ, সামরিক আদালতে বিচার শাস্তি, শহর আর বসতি মরুভূমিতে পরিণত করার ঘটনা বর্ণিত হয়েছে। কাজেই বোঝা যায় রাজনৈতিক নিরপেক্ষতাই নয় বরং মানবতার দৃষ্টিতে গালিব তার এই অভিজ্ঞা বর্ণনা করেছেন।

(৩) এই গোলযোগে দিল্লীর প্রতিটি সম্ভ্রান্ত মুসলিম পরিবার, কবি দার্শনিক, জ্ঞানীগুনী এবং গালিব নিজেও ভীষণভাবে ক্ষতিগ্রস্ত হয়েছেন। সৈন্যরা লুঠতরাজ শুরু করায় বহু সংস্কৃতিবান পরিবার, বহু শিক্ষা ও সাংস্কৃতিক প্রতিষ্ঠান নষ্ট হয়ে যায়, নিভে যায় এমন বহু প্রদীপ দিল্লীকে যারা আলোকিত করে রেখেছিল। প্রায় ৪ মাস পরে ইংরেজরা দিল্লী আবার দখল করেন পর দেখা গেল দিল্লীতে সম্ভ্রান্ত পরিবার বলতে আর কেউ নেই। গালিবের মনোবেদনার এটাও ছিল একটা বড় কারণ।

(৪) দাস্তানবু'-তে গালিব তার নিজস্ব ক্ষয়ক্ষতিও বর্ণনা করেছেন। গোলযোগ শুরু হলে তিনি তার ঘরে আটক পড়েন। ধোপা, নাপিত, ভিস্তিওয়ালা ঝাড়ুদার সবাই কাজ বন্ধ করে দিলে তার অবস্থা আরও চরমে ওঠে। তার ঘরে হাকিম মাহমুদ খান বলে নামকরা একজন চিকিৎসক থাকতেন। তিনি ছিলেন পাতিয়ালা মহারাজার চিকিৎসক, কাজেই মহারাজা চিকিৎসক ও গালিবের পরিবারকে রক্ষা করার জন্যে বাড়ীর চারদিকে সৈন্য মোতায়েন করেন। তা না হলে বৃটিশ সৈন্যদের বর্বরতার হাত থেকে তিনি বাঁচতে পারতেন না। মহারাজা ছিলেন ইংরেজ সমর্থক। কাজেই মহারাজার সৈন্য দেখে ইংরেজরা তার কোন ক্ষতি করেননি। যদিও একজন বৃটিশ কর্নেলের সামনে গিয়ে গালিবকে তার আনুগত্যের প্রমাণ দিতে হয়েছিল। ৪ মাস পরে দিল্লী আবার শান্ত হয়ে এলে গালিব নিজেকে অসহায় বোধ করেন। কারণ গালিবের পেনশন বন্ধ হয়ে গেছে, হাতে টাকাপয়সা নেই, ঘরে খাবার নেই। বাধ্য হয়ে ঘরের জিনিষপত্র আর কাপড় চোপড় বিক্রি করে বাঁচার ব্যবস্থা করেন। পরে হিন্দুরাও দিল্লীতে ফিরে আসেন এবং গালিব তার হিন্দু বন্ধুদের কাছ থেকে সাহায্য পান। পরে পেনশনের চেষ্টা করেন এবং তা পেতে শুরু করেন।

(৫) গোলযোগের সময় সবরকম ঝুঁকি নিয়ে তিনি দিল্লীতে পড়ে থাকেন। স্থানীয় সৈন্যরা যখন কোর্ট দখল করে তখনও তিনি সেখানে যাননি। আবার

সংগে যোগাযোগ রেখে চলেন এবং তাদের কাছে থেকে সাহায্য পেতে থাকেন। এই সাহায্য না পেলে গালিবের দশা কি হ'ত তা খোদাই জানেন। ১২৫৪ সালে অযোদ্ধার নওয়াব ওয়াজিদ আলী শাহ গালিবকে তার কাসিদার জন্যে বার্ষিক ৫-শো টাকা সাহায্য মঞ্জুর করেন। কিন্তু গালিবের দুর্ভাগ্য দু'বছর পর অযোদ্ধার নওয়াবী শেষ হয়ে যায়। ১৮৫৭ সালের শুরুর দিকে মওলানা ফজলে হক খায়রাবাদীর সহায়তায় গালিব রামপুর দরবারের সংগে একটা ব্যবস্থায় আসেন এবং নওয়াবের ওস্তাদ হিসেবে মাসিক কিছু টাকা করে সাহায্য পেতে শুরু করেন। মৃত্যুর শেষ দিন পর্যন্ত তিনি এই সাহায্য পেয়েছেন। রামপুরের নওয়াব ইউসুফ আলী খান নাজিম গালিবের গুণমুগ্ধ ভক্ত ছিলেন। তার উত্তরাধিকারীও গালিবকে সাহায্য দিয়ে গেছেন। সাধারণত: গালিব ক্ষমতাসীন নওয়াব বাদশাহ এবং ঐশ্বর্যশালী গন্যমান্য লোকদের প্রশংসায় কাসিদা ও শ্লোক লিখে তাদের কাছে পাঠিয়ে দিতেন এবং তার জন্যে পুরস্কার পেতেন। গালিব তার বন্ধুদের কাছ থেকেও যথেষ্ট আর্থিক সাহায্যে পেয়েছেন। ১৮৫৭ সালে তার পেনশান বন্ধ হয়ে যায় এবং ১৮৬০ সাল থেকে তিনি আবার তা পেতে শুরু করেন এবং সেই সংগে বকেয়া টাকাটাও পান। গালিবের জীবনের শেষ দশ বছর অনেক ভালভাবে কাটে এবং তিনি নিয়মিত বিভিন্ন জায়গায় থেকে টাকা পেতে থাকেন। তিনি বেশীরভাগ ঋণ শোধ ক'রে ফেলেন এবং মৃত্যুকালে লোকে তার কাছে ৮ শো টাকা পেত।

১৮৫৭ সালে চারিদিকে বিদ্রোহের যে আগুন জ্বলে ওঠে তাকে বৃটিশরা সিপাহী বিদ্রোহ বলে আখ্যায়িত করলেও তা ছিল স্বাধীনতার আন্দোলন, স্বাধীনতার জন্যে যুদ্ধ। বাদশার সদর দফতর দিল্লীতে ছিল বলে সেখানে সবচেয়ে বেশী উত্তেজনা দেখা দেয়। গালিব তার সেই অভিজ্ঞতা ফারসী পুস্তিকা 'দাসতানবু'-তে বর্ণনা করেছেন। সেই বর্ণনা থেকে আমরা যা দেখতে পাই তা' হ'ল:

(১) গালিব প্রশাসন ও ন্যায় বিচারের দিক থেকে ইংরেজদের আইন কানুন শ্রেয় বলে মনে করতেন। ইংরেজদের তুলনায় স্থানীয় সরকারদেরকে তার কাছে প্রাণহীন ঠেকেছে মনে হয়েছে। বাদশার সৈন্যরা ছিল একরোখা এবং সব গোলযোগের মূলে ছিল তারাই। বাদশাহ ছিল সৈন্যের হাতের ক্রীড়ানক। কাজেই তার কাছে সেদিনের সেই সিপাহী বিদ্রোহ অর্থহীন মনে হয়েছে। কারণ সেই বিদ্রোহের উদ্দেশ্য ছিল বাদশাহকে আবার ক্ষমতায় প্রতিষ্ঠিত করা।

ادارۂ یادگار غالب جنوری ۱۹۶۸ء میں قائم کیا گیا تھا۔ اس ادارے کے اغراض و مقاصد حسب ذیل ہیں:

(۱) غالب کی شعری اور نثری تخلیقات کی اشاعت (۲) اُن تخلیقات کو دوسری زبانوں میں منتقل کرنا (۳) غالب اور دوسری ادبی ہستیوں کی شخصیت، تخلیقات اور ان کے عہد کے بارے میں علمی تحقیق و تفتیش کی سہولتیں فراہم کرنا (۴) ہر سال یوم غالب منانا (۵) ایک ادبی رسالہ شائع کرنا اور (۶) غالب شناسی کے فروغ کے لئے دیگر ادبی و علمی اداروں سے تعاون کرنا۔

مئی ۱۹۶۹ء میں غالب کی صد سالہ برسی کی تقریبات کے موقعہ پر ادارے کی جانب سے مندرجہ ذیل چھ کتابیں شائع کی گئی ہیں۔

(۱) دود چراغ محفل۔ پیر حسام الدین راشدی (۲) غالب — سب اچھا نہیں جیسے۔ پروفیسر کرار حسین (۳) پنج آہنگ۔ آہنگ پنجم کے فارسی خطوط کا ترجمہ۔ محمد عمر مہاجر (۴) بزم غالب۔ عبدالرؤف عروج (۵) غالب کا منسوخ دیوان سحلم صہالی (۶) غالب نما۔ کتابوں اور رسائل کا اشاریہ۔ ن حسن قیصر

ইংরেজরা যখন দিল্লী দখল করেন তখনো তিনি তাদের কাছে ধর্ণা দেননি। তিনি কেবল নীরব দর্শকের মত দিল্লীর ধ্বংশ আর সর্বনাশ দেখে গেছেন। কিন্তু চোখের সামনে সবকিছু দেখেও তার মনে কোন পরিবর্তন আসেনি। বরাবরের মতই হাস্যরসে তিনি সবাইকে মাতিয়ে রাখতেন। বৃটিশ কর্ণেলের সামনে দাঁড়িয়েও তিনি রসিকতা করতে ছাড়েননি।

যাহোক, সিপাহী বিদ্রোহের পর বলতে গেলে শেষ জীবন পর্যন্ত তিনি শয্যাশায়ী ছিলেন। শূলের ব্যথা, চর্মরোগ, পা ফোলা, বহুমূত্র ইত্যাদি বিভিন্ন রোগে ভুগে তিনি খুবই দুর্বল হয়ে পড়েন। জীবনের শেষ দিনে তিনি বধির হয়ে যান এবং এক চোখের দৃষ্টি তিনি হারিয়ে ফেলেন। জীবনের শেষ ৩ বছর তিনি বিছনা থেকে নড়তে পারেননি। কিন্তু কবিতা লেখা তিনি ছাড়েননি। বিছানায় শুয়ে তিনি মৃত্যুর দিন গুনতেন। মৃত্যু তার কেন আসছে না তা তিনি বেশ রসিকতার সংগে বর্ণনা করেছেন। শেষের দিকে প্রায়ই জ্ঞান হারিয়ে ফেলতেন। তবে জ্ঞান ফিরে পেলেই তিনি এই শ্লোক আবৃত্তি করতেন :

'দাম-এ ওয়াপসি বরসরে রাহে, অজিজ্ঞও—আব আল্লাহী আল্লাহ

(আল্লাহর কাছে ফিরে যাওয়ার সময় এসেছে। শিগগিরই অন্তিম যাত্রা শুরু হবে। হে আমার প্রিয়জন, এখন আল্লাহ ছাড়া আমার আর কেউ নেই।

১৮৬৯ সালের ১৫ ই ফেব্রুয়ারী তিনি মৃত্যুর কোলে ঢলে পড়েন। তার বয়স হয়েছিল ৭১ বছর ৪ মাস। দিল্লীর বস্তি হজরত নিজামুদ্দিনের কাছে লোহারু পরিবারের গোরস্থানে তাঁকে কবর দেয়া হয়।

'রসকে উরফী ও কখরে তালিব মুরদ্, আসাদুল্লাহ খান গালিব মুরদ্।

(উরফী যার জন্যে ঈর্ষান্বিত ছিলেন, তালিব যাকে নিয়ে গর্ব বোধ করতেন সেই আসাদুল্লাহ খান গালিব আর ইহজগতে নেই।)

গালিবের দুনিয়া—গালিব ছিলেন সহজাত কবি। কবিতা ছিল তার জীবন। প্রথম দিকে এটা ছিল তার নেশা, পরে হয় পেশা। শেষ দিন পর্যন্ত তিনি জীবনের সংগে সংগ্রাম ক'রে গেছেন। আশা নয় নিরাশাই ছিল তার জীবন সঙ্গী। জীবনে খুব কম আশাই পূরণ হয়, কাজেই তিনিও সবকিছুকে মেনে নিতে বাধ্য হয়েছেন। গালিব তার কবিতায়, তার চিঠিপত্রে যে ছন্দময় আর গতিশীল ভাষা ব্যবহার করেছেন তার তুলনা হয়না। অতি দুরূহ দার্শনিক মতবাদকে তিনি কবিতার মাধ্যমে কত সহজে বর্ণনা করেছেন। তাই শত বছর আগের গালিবকে মনে হয় এ যুগের কবি। গালিবের রচনায় কিছু কোন বাণী থাক বা না থাক গালিবের হৃদয়ের স্পন্দন নিশ্চয়ই শুনতে পাবে।

ادارۂ یادگار غالب جنوری ۱۹۶۸ء میں قائم کیا گیا تھا - اس ادارے کے اغراض و مقاصد حسب ذیل ہیں :

(۱) غالب کی شعری اور نثری تخلیقات کی اشاعت (۲) اُن تخلیقات کو دوسری زبانوں میں منتقل کرنا (۳) غالب اور دوسری ادبی ہستیوں کی شخصیت، تخلیقات اور ان کے عہد کے بارے میں علمی تحقیق و تفتیش کی سہولیتں فراہم کرنا (۴) ہر سال یوم غالب منانا (۵) ایک ادبی رسالہ شائع کرنا اور (۶) غالب شناسی کے فروغ کے لئے دیگر ادبی و علمی اداروں سے تعاون کرنا -

مئی ۱۹۶۹ء میں غالب کی صد سالہ برسی کی تقریبات کے موقعہ پر ادارے کی جانب سے مندرجہ ذیل چھ کتابیں شائع کی گئی ہیں -

(۱) دود چراغ محفل - پیر حسام الدین راشدی (۲) غالب — سب اچھا کہیں جسے - پروفیسر کرار حسین (۳) پنج آہنگ - آہنگ پنجم کے فارسی خطوط کا ترجمہ - محمد عمر مہاجر (۴) یوم غالب - عبدالروؤف عروج (۵) غالب کا منسوخ دیوان مسلم ضیائی (۶) غالب نما - کتابوں اور رسائل کا اشاریہ - ابن حسن قیصر -